جرم کا دائرہ
اشتیاق احمد

ڈر لگ رہا ہے

رئیس سالاری کے دروازے کی گھنٹی بجی تو وہ چونک اٹھے.... اس وقت ان کے علاوہ گھر میں کوئی نہیں تھا.... ان کی بیگم اور بیٹی کسی عزیز کے ہاں گئی ہوئی تھیں اور ملازم آج ویسے ہی چھٹی پر تھا.... لہٰذا انہیں ہی اٹھنا پڑا' چہرے پر ناخوشگواری چھا گئی.... بن بلائے مہمانوں اور بے وقت کے ملاقاتیوں سے انہیں سخت کوفت ہوتی تھی.... وہ ایک بڑے سرکاری آفیسر تھے اور ان میں افسرانہ ٹھاٹھ باٹھ بہت زیادہ تھے.... کبھی کبھی تو وہ فخر اور غرور بھی کرنے لگتے تھے۔

دروازہ کھولنے سے پہلے انہوں نے قدرے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"کون ہے بھئی؟"

"میک"۔ باہر سے کہا گیا۔

"میک.... کون میک' میں کسی میک کو نہیں جانتا"۔ وہ بولے۔

"ناممکن"۔ باہر سے فوراً کہا گیا۔

"ارے! ناممکن"۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"دروازہ کھولیں گے تو پتا چلے گا نا"۔ باہر سے بھی جھلا کر کہا گیا۔

انہوں نے فوراً تلملائے ہوئے انداز میں دروازہ کھول دیا.... پھر جونہی باہر کھڑے غیر ملکی پر ان کی نظریں پڑیں.... ان کی ساری تلملاہٹ ختم ہو گئی۔

"میک میرے دوست.... یہ آپ ہیں.... حیرت ہے.... اتنے عرصہ بعد آپ آئے اور وہ بھی اطلاع دیے بغیر.... اس لئے میں پہچان نہیں سکا.... پہچانتا بھی کیسے.... ہم زندگی میں صرف ایک ہی بار تو ملے ہیں.... آج دوسری بار ملاقات ہو رہی ہے"۔

"ہاں! یہی بات ہے"۔ میک مسکرایا۔

"آئیے.... میک.... اندر آ جائیے.... مجھے افسوس ہے.... میں نے فوراً دروازہ کیوں نہ کھولا.... لیکن آپ جانتے ہی ہیں.... آج کل حالات بہت خراب ہیں.... دہشت گردی انتہا کو پہنچ چکی ہے.... دروازے پر دستک دی جاتی ہے.... گھر کا مالک دروازہ کھولتا ہے اور گولیاں اس کے جسم میں اتر جاتی ہیں"۔

"بالکل ٹھیک ہے.... یہ حالات میری نظر میں ہیں.... مجھے آپ سے کوئی گلا نہیں"۔

"شکریہ دوست.... آپ سے پہلی ملاقات بہت یاد آتی ہے.... جب میں.... پیرس کی ایک سڑک پر چلا جا رہا تھا.... تو مجھے اچانک

پولیس نے گرفتار کر لیا تھا.... اور میرے سامان کی تلاشی لی تھی.... اس وقت میرے بریف کیس میں سے ہیروئن کے پیکٹ نکلے تھے.... مجھے وہاں سے پولیس اسٹیشن لایا گیا تھا.... پھر فوراً میرا چالان کر کے مجھے جیل بھیج دیا گیا تھا.... میں لاکھ چیخا چلایا کہ ان پیکٹوں کے بارے میں مجھے کچھ بھی معلوم نہیں.... لیکن میری ایک نہ سنی گئی.... جیل میں بند ہونے کے بعد میرا دل بیٹھنے لگا.... میں نے چیخ چیخ کر کہا کہ یہ ناانصافی ہے.... مجھے اپنا وکیل کرنے کا موقع نہیں دیا گیا.... میرے شور اور مسلسل چیخوں نے آخر جیل حکام کو میری طرف متوجہ کر لیا.... جیل سپرنٹنڈنٹ نے میری کہانی سنی.... اور اس نے وعدہ کیا کہ وہ ضرور میرے لئے کسی وکیل کا بندوبست کرے گا.... پھر اس نے مجھے آپ سے ملایا.... میرے دوست یہ آپ تھے جنہوں نے غیر وطن میں بے سرو سامانی کی حالت میں اور اس خوفناک مصیبت میں میری مدد کی.... میرا کیس لڑا.... مجھے جیل سے نجات دلوائی.... پھر چند دن اپنے گھر بطور مہمان رکھا.... میں بھلا آپ کو بھول سکتا ہوں.... لیکن میک میرے دوست' یہ آپ اس طرح اچانک یہاں کیسے آ گئے.... اگر آپ کو یہاں آنا تھا تو آپ نے آنے سے پہلے کیوں مجھے اطلاع نہیں دی تھی.... میں آپ کو لینے ایئرپورٹ پر آتا.... آپ کو خود گھر تک لاتا"۔

"مجھے اچانک.... بغیر پروگرام کے آنا پڑا.... میرا ایک بھائی یہاں مشکل میں گرفتار ہو گیا ہے.... میں اس کو اس مشکل سے نکالنے کے

لئے یہاں آیا ہوں"۔

"آپ کا... کا بھائی.... اور یہاں.... کیا مطلب.... اگر آپ کا کوئی بھائی یہاں آیا ہوا تھا.... تو آپ نے مجھے کیوں خبر نہیں کی"۔

"وہ گھر سے بتائے بغیر چلا آیا تھا.... اور یہ آج کی نہیں مدت کی بات ہے.... ہمیں تو خود معلوم نہیں تھا کہ وہ یہاں اس ملک میں ہے.... یہ تو اس ہی اخبار میں شائع ہونے والی تصویر دیکھ کر پتا چلا"۔

"اوہ اچھا.... مجھے بتائیں.... بات کیا ہے.... میں خود آپ کی مدد کروں گا"۔

"نہیں! یہ کام میں خود کر لوں گا جیسے بھی ہو گا.... آپ کو پریشان نہیں کروں گا.... بس آپ صرف اتنا کریں.... کہ...." وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"کہیے کہیے آپ رک کیوں گئے.... میں آپ کے لئے سب کچھ کروں گا"۔

"آپ صرف مجھے یہاں رہنے کی اجازت دے دیں.... آج کل ہوٹلوں کا کرایہ بہت ہے اور میں آج کل مالی پریشانیوں کا بھی شکار ہوں.... اس کی بھی ایک وجہ ہے"۔

"کیا مطلب.... وجہ"۔ وہ بولے۔

"ہاں! اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے ملک کی حکومت نے میری وکالت کا لائسنس کینسل کر دیا ہے.... مجھ سے ایک جج کی شان میں کچھ

غلط الفاظ نکل گئے تھے.... بس جج نے حکومت کو لکھ دیا کہ میں وکالت کرنے کے قابل نہیں.... حکومت نے فوراً میرا لائسنس کینسل کر دیا.... میں نے اس سلسلے میں مقدمہ بھی لڑا.... لیکن ناکام ہو گیا.... اور اب میں ایک طرح سے بیکار ہوں"۔

"آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں.... آپ جب تک جی چاہے.... یہاں رہیں.... یہ گھر تو آپ کا اپنا ہے.... اور مجھے اپنے بھائی کے بارے میں بھی بتائیں.... میں اس کے لئے ضرور کچھ کروں گا"۔

"نہیں.... وہ کام آپ کے بس کا نہیں"۔

"کیا مطلب؟"

"جی ہاں.... وہ کام آپ کے بس کا نہیں"۔

"کیا مطلب.... آخر وہ کیا کام ہے اور کس کے بس کا ہے؟"

"وہ.... کام.... وزیر خارجہ کے چیف سیکرٹری کے بس میں ہے.... کیا آپ اس تک جا سکتے ہیں.... نہیں.... لیکن آپ فکر نہ کریں.... یہ کام میں کر لوں گا.... میں اپنے ملک کے سفارت خانے جاؤں گا.... سفیر سے ملوں گا.... اور کام ہو جائے گا"۔

"آپ کچھ نہیں جانتے"۔ رئیس سالاری مسکرائے۔

"میں کچھ نہیں جانتا.... کس بارے میں.... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ آپ کچھ نہیں جانتے.... اگر آپ کے بھائی کا کام

وزیر خارجہ کے چیف سیکرٹری کے ہاتھ میں ہے.... تو میں یہ کام چٹکی
بجاتے میں کر سکتا ہوں"۔
"کیا مطلب.... وہ کیسے؟"
"اس لئے کہ میں وزیر داخلہ کا چیف سیکرٹری ہوں.... اور وہ
وزیر خارجہ کے چیف سیکرٹری.... کیا وہ میری بات نہیں مانیں گے"۔
"ہاں! یہی بات ہے.... نہیں مانیں گے"۔ اس نے منہ بنایا۔
"یہ آپ کا خیال ہے.... میرا نہیں اس لئے کہ آپ ایک بات
اور بھی نہیں جانتے"۔
"اور وہ کیا؟"
"یہ کہ ہم دونوں.... یعنی میں اور تمہارے صاحب دوست ہیں....
گہرے دوست"۔
"کک.... کیا.... نہیں"۔ وہ چلا اٹھا.... اس کی آنکھوں میں چمک
پیدا ہو گئی۔
"کک.... کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں"۔
"ہاں! بالکل"۔
"او کے.... تب میں آپ کو بتاتا ہوں.... میرے بھائی پر چند
سرکاری راز چرانے کا الزام ہے"۔ اس نے اچانک کہا۔
"کیا.... نہیں"۔ وہ چلائے۔
"آپ گھبرا گئے.... لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں.... میرا بھائی

ایسا کوئی جرم نہیں کر سکتا"۔
"لیکن آپ یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہیں.... جب کہ وہ مدت
پہلے گھر سے بھاگ کر ادھر آ گیا تھا.... اور پھر غالباً" اس نے یہاں دفتر
میں ملازمت کر لی ہو گی"۔
"یہی بات ہے.... لیکن میں اپنے بھائی کو بچپن سے جانتا تو ہوں
نا.... وہ بہت ایمان دار ہے.... کبھی کسی کی امانت میں خیانت نہیں کر
سکتا' اگر اس نے یہاں کسی دفتر میں ملازمت کر لی ہے تو اس دفتر کی
کوئی چیز نہیں چرا سکتا"۔
"خیر! آپ فکر نہ کریں.... پہلے کھانا کھا لیں.... پھر آرام
کریں.... اور یہ کام اب مجھ پر چھوڑ دیں.... کل میں دفتر جا کر تمام
معلومات حاصل کر لوں گا.... آپ کے بھائی کا نام کیا ہے؟"
"جیک.... جیک پانڈے"۔
"بہت اچھا میک.... آپ فکر نہ کریں"۔
"گھر میں کوئی نظر نہیں آ رہا.... کیا آپ بالکل اکیلے ہیں میرے
دوست؟" میک نے حیران ہو کر کہا۔
"نہیں.... میری ایک بیوی ہے.... روزی.... ایک بڑی بچی
ہے.... ٹی.... وہ کسی سے ملنے کے لئے گئی ہیں.... ایک گھنٹے تک آ
جائیں گے.... ان کے علاوہ ایک ملازم بھی ہے.... وہ آج چھٹی پر
ہے"۔

"وزیرِ داخلہ کے چیف سیکرٹری.... اور صرف ایک ملازم؟"

"میں زیادہ ملازمین کی بھیڑ پسند نہیں کرتا.... ورنہ یہاں تو ملازمین کی فوج نظر آ سکتی ہے"۔

"آپ.... آپ عجیب ہیں"۔

"عجیب نہیں.... سادہ.... میں سادہ طبیعت ہوں"۔ وہ مسکرائے۔

پھر دونوں کھانے کے لئے اٹھ گئے.... ایک گھنٹے بعد دروازے کی گھنٹی بجی۔

"لیجئے بیگ.... میری بیوی اور بیٹی آ گئی"۔

یہ کہہ کر وہ اٹھ کر دروازہ کھولنے کے لئے چلے گئے.... دروازہ کھولا ہی تھا کہ ان کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

○

"ہم.... اف.... ارے"۔ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"سمجھ نہیں آئی بات"۔ محمود نے اسے گھورا۔

"یہ کبھی سمجھ داری کی بات کرے تو بات سمجھ میں آئے نا"۔ محمود جل گیا۔

"اس کام کے لئے تم جو ہو"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"سنو دوستو.... میرے منہ نہ لگو.... میں پہلے ہی پھٹ پڑنا چاہتا ہوں"۔

"ابھی تم نے.... ہم.... اف.... ارے کیوں کہا تھا"۔

"اسی پریشانی کے سلسلے میں کہا تھا"۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"مطلب یہ کہ میں آج بہت پریشان ہوں.... اور پریشان نہ کرو"۔

"گانا گانے کا بھوت تو نہیں سوار ہو گیا ہے تم پر"۔ فرزانہ نے پوچھا۔

"میری تو آج تک اس بھوت سے ملاقات ہی نہیں ہوئی"۔ فاروق حیران ہو کر بولا۔

"آج ابا جان لیٹ ہوتے نظر آتے ہیں"۔ فرزانہ بولی۔

"یہ کیسے کہہ دیا تم نے.... ابھی تو صرف پونے پانچ بجے ہیں، جب کہ وہ پانچ بجے آتے ہیں"۔

"پتا نہیں کیا بات ہے.... میرے دل نے مجھ سے یہ بات کہی ہے کہ آج وہ وقت پر نہیں آ سکیں گے"۔

"خیر.... دیکھتے ہیں.... تمہارا دل کس حد تک درست کہتا ہے"۔ محمود بولا۔

"فاروق کی بات درمیان میں رہ گئی"۔

"ہاں فاروق بتاؤ.... کیا ہوا ہے؟"

"آج میرا ماتھا ٹھنک رہا ہے.... میرے اوسان خطا ہوئے جا رہے ہیں.... سٹی گم ہوئی جا رہی ہے.... اور پیروں کے نیچے سے زمین نکلی جا"

رہی ہے... آسمان گھومتا محسوس ہو رہا ہے"۔

"تب تو تمہارے لئے فوری طور پر ڈاکٹر کو بلانا ہو گا... محمود انکل ڈاکٹر فاضل کو فون کرو"۔

"او ہاں اچھا"۔ محمود نے کہا اور فوراً فون کی طرف دوڑا۔

"تمہارا خیال بالکل غلط ہے... مجھے ڈاکٹر کی نہیں، تسلی کی ضرورت ہے... اباجان کی آمد کے بعد ان الفاظ کی ضرورت ہے آج کوئی کلام نہیں ... کوئی خاص بات نہیں... ہمارے ذمے کوئی کیس نہیں ہے۔"

"اوہ... تو تم... کیس سے گھبرا رہے ہیں"۔

"یہ بات نہیں... کیس سے تو میں گھبراتا ہی رہتا ہوں... لیکن آج کی گھبراہٹ بہت انوکھی گھبراہٹ ہے... میں اس گھبراہٹ کو کوئی معانی نہیں پہنا پا رہا"۔

"ارے تو اسے قمیض شلوار پہنا دو"۔ محمود نے مشورہ دیا۔

"میرا مذاق اڑا رہے ہو"۔ فاروق نے اسے گھورا۔

"نہیں... تمہارا مذاق تو ہرگز ہرگز کوئی اڑانے کی چیز نہیں ہے"۔ فرزانہ چٹ سے بولی۔

"تو کیا محمود کا مذاق اڑانے کی چیز ہے؟" فاروق نے فوراً پوچھا۔

"اب تم سے کون مغز مارے... کیس کے نام سے اگر جان نکلی جا رہی ہے... اور ہاتھوں کے طوطے اڑے جا رہے ہیں... تو تم نہ جانا

ہمارے ساتھ... ہم خود نمٹ لیں گے کیس سے"۔ فرزانہ نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"حد ہو گئی... تم تو اس طرح کہہ رہی ہو... جیسے ہمیں کوئی کیس مل ہی گیا ہو"۔ محمود نے اسے گھورا۔

"ایسا تو ہو گا ہی خیر"۔

"جب ایسا ہو کر رہے گا تو پھر اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے"۔ فرزانہ نے منہ بنایا۔

"مجھے پتا نہیں... میں کیا جانوں... گھبرانے کی بات کس میں ہے"۔

"دھت تیرے کی"۔ محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی... تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"یہ گھنٹی اباجان نے نہیں بجائی"۔ فاروق نے ڈرے انداز میں کہا۔

"ان کے آنے کا تو ابھی وقت ہی نہیں ہوا"۔

"تب پھر سمجھ لو... آگیا کیس"۔

"کیسے سمجھ لیں... جب تک دروازہ کھول کر دیکھ نہیں لیتے"۔ یہ کہ محمود اٹھا اور دروازے کی طرف چلا گیا۔

"ہم... مجھے ڈر لگ رہا ہے فرزانہ... میں اپنے کمرے میں جا رہا

ہوں اور دروازہ اندر سے بند کر رہا ہوں"۔

"جاؤ۔۔۔ بزدل کہیں کے۔۔۔ ویسے تمہیں اس حد تک ڈرتے آج تک دیکھا نہیں"۔ اس نے حیران ہو کر کہا۔

عین اس وقت محمود نے دروازہ کھول دیا۔

○☆○

چیک کر لیں

رئیس سالاری نے دیکھا۔۔۔ ان کے دروازے پر ان کی بیوی بیٹی نہیں، پولیس موجود تھی انہیں اس موقعے پر وہاں پولیس کی موجودگی کی ایک فیصد بھی امید نہیں تھی، اسی لئے انہیں حیرت ہوئی تھی۔۔۔ ان میں سب سے آگے ایک سب انسپکٹر تھا۔۔۔ اس نے فوراً رئیس سالاری کو سلام کیا۔

"بے وقت آمد کی معافی چاہتا ہوں۔۔۔ لیکن ہم مجبور تھے"۔

"میں سمجھا نہیں"۔ انہوں نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"ہمیں آپ کے گھر کی تلاشی لینا ہے"۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔۔۔ جانتے نہیں، میں کون ہوں"۔

"بہت اچھی طرح جناب عالی۔۔۔ لیکن میرے پاس وارنٹ ہیں"۔ سب انسپکٹر نے کہا۔

"آپ کا نام سب انسپکٹر"۔ رئیس سالاری نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"خادم کو توحید احمد کہتے ہیں۔۔۔ محکمہ سراغرسانی سے میرا تعلق

ہے"۔

"تلاشی کس بنا پر لی جا رہی ہے"۔ انھوں نے پوچھا۔

"ہمیں اطلاع ملی ہے کہ ایک غیر ملکی جاسوس آپ کے گھر میں چھپا ہوا ہے.... بلکہ آپ نے اسے پناہ دے رکھی ہے"۔ توحید احمد نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"غلط.... بالکل غلط"۔ وہ ناخوشگوار انداز میں بولے۔

"اگر آپ تلاشی نہیں دینا چاہتے.... تو انسپکٹر جمشید صاحب سے فون پر بات کر لیں.... اس کیس کے انچارج وہ ہیں.... اور انھوں نے آئی جی شیخ نثار احمد صاحب سے آپ کے گھر کی تلاشی کے وارنٹ حاصل کئے ہیں"۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

"تب پھر میں شیخ صاحب سے کیوں نہ بات کروں"۔ انھوں نے برا سا منہ بنایا۔

"جیسے آپ بہتر خیال فرمائیں.... مجھے تو ان میں سے کوئی بھی اگر یہ کہہ دیں کہ تلاشی نہ لو.... تو میں یہیں سے لوٹ جاؤں گا"۔

"بہت خوب! آپ یہیں ٹھہریں"۔

"ضرور سر.... کیوں نہیں.... لیکن ایک بات کا خیال رکھیں"۔ توحید احمد مسکرایا۔

"اور وہ کس بات کا؟"

"میرے ماتحت آپ کی کوٹھی کے چاروں طرف موجود ہیں....

اگر اس کوٹھی سے کوئی شخص کسی بھی طرف سے نکلا.... اسے گرفتار کر لیا جائے گا اور یہ خیال کیا جائے گا کہ آپ نے اس موقعے سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے"۔

"آدمی آپ فرض شناس لگتے ہیں"۔

"انسپکٹر جمشید کے ماتحت اور فرض شناس نہ ہوں، یہ ہو ہی نہیں سکتا"۔ وہ مسکرایا۔

"ٹھیک ہے.... آپ شوق سے ایسے آدمی کو گرفتار کر لیجیے گا، اس لئے کہ میرے گھر میں ایسا کوئی شخص موجود نہیں ہے"۔

"اوکے سر"۔ اس نے سر ہلایا۔

رئیس سالاری اندر آئے.... مارے الجھن کے ان کا برا حال تھا۔

"کیا بات ہے میرے دوست سالاری؟" بیگ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں.... میں پہلے ایک فون کروں گا"۔ وہ پریشان آواز میں بولے پھر انھوں نے آئی جی شیخ نثار احمد کے نمبر ملائے.... دوسری طرف سے فوراً ان کی آواز سنائی دی۔

"یہ میں ہوں شیخ صاحب.... رئیس سالاری"۔

"اوہ سر.... آپ؟" آئی جی صاحب کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

"ہاں شیخ صاحب.... یہ سب کیا ہے.... آپ نے میری کوٹھی کی

تلاشی کے وارنٹ جاری کیے"۔

"سر اس سلسلے میں کچھ نہیں بتا سکوں گا۔۔۔ کیونکہ مجھے کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔۔۔ ہاں انسپکٹر جمشید ضرور روشنی ڈال سکتے ہیں"۔

"اگر آپ کو کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔۔۔۔ تو پھر آپ نے وارنٹ کیسے جاری کر دیے"۔

"انسپکٹر جمشید کے مجبور کرنے پر"۔

"کیا وہ آپ کے آفیسر ہیں؟" انہوں نے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

"نہیں سر۔۔۔ لیکن انہیں ملک کے صدر کی طرف سے کچھ ایسے اختیارات ہیں کہ میں انکار نہیں کر سکتا"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔۔ میں ان سے بات کر لیتا ہوں۔۔۔۔ ابھی تو وہ دفتر میں ہوں گے نا"۔

"جی ہاں! وہ دوسروں سے ایک گھنٹے بعد دفتر سے جاتے ہیں۔۔۔۔ قریب پونے پانچ بجے"۔

"شکریہ۔۔۔ شاید آپ کو پھر فون کروں"۔

"ضرور سر۔۔۔ میں یہیں موجود ہوں"۔

فون بند کر کے انہوں نے انسپکٹر جمشید کے نمبر ملائے اور پھر سلسلہ ملنے پر انہوں نے انسپکٹر جمشید کی آواز سنی۔

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں۔۔۔ میرے لئے کوئی خدمت؟"

"اور میں رئیس سالاری ہوں"۔

"اوہ۔۔۔۔ سر آپ"۔

"یہاں آپ کے ایک ماتحت موجود ہیں۔۔۔۔ میرے گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں"۔

"ہاں سر۔۔۔ یہی بات ہے۔۔۔۔ آپ کے گھر کی تلاشی خود آپ کے حق میں بہتر ہے۔۔۔۔ کیا آپ تلاشی دینا پسند نہیں کرتے"۔

"یہ بات نہیں۔۔۔۔ لیکن بلاوجہ تلاشی کی کیا تک ہے۔۔۔۔ اور پھر آپ اخبار والوں کو تو جانتے ہی ہیں، عجیب عجیب سرخیاں لگائیں گے"۔

"جی ہاں! یہ تو ہے۔۔۔۔ دیکھئے۔۔۔۔ اگر آپ تلاشی نہیں دینا چاہتے تو میں مجبور نہیں کروں گا۔۔۔۔ لیکن یہ بات ہے آپ کے حق میں۔۔۔۔ میرے ایک خاص کارکن نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ کے گھر میں اس وقت ایک غیر ملکی شخص موجود ہے"۔

"ارے تو کیا یہ کوئی جرم ہے"۔

"جرم نہیں ہے سر۔۔۔۔ لیکن اس شخص کے بارے میں میرے ایک اور کارکن نے مجھے ایک اور خبر دی ہے۔۔۔۔ جب میں نے دونوں خبروں کو ملایا تو میں تلاشی لینے پر مجبور ہو گیا۔۔۔۔ ورنہ آپ پر ہمیں کوئی شک نہیں ہے۔۔۔۔ اور اگر آپ اس شخص کے بارے میں پوری طرح مطمئن ہیں۔۔۔۔ تو میں اپنے ماتحت کو واپس بلا لیتا ہوں"۔

"ہاں! میں سو فیصد مطمئن ہوں"۔

"کیا آپ مجھے اس کے بارے میں کچھ بتانا بھی پسند نہیں کریں

گے"۔

"وہ میرے بہت اچھے دوست ہیں.... ایک موقعے پر انہوں نے میری بہت مدد کی تھی.... اپنے ملک میں"۔

"اس واقعے کی تفصیل بھی سنا دیں... آپ کا شکر گزار ہوں گا"۔

"اچھی بات ہے"۔

یہ کہہ کر انہوں نے تفصیل سنا دی... انسپکٹر جمشید خاموشی سے سنتے رہے.... پھر ان کے خاموش ہونے پر بولے۔

"آپ کے لئے میرا ایک مشورہ ہے"۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ آپ سب انسپکٹر توحید احمد کو تلاشی لینے دیں.... دراصل تلاشی کا تو بس ایک بہانا ہے... ہمیں تو اس غیر ملکی پر ایک نظر ڈالنا ہے.... آپ بے فکر رہیں.... اخبارات میں کوئی خبر نہیں لگے گی"۔

"جیسے آپ کی مرضی ... ویسے مجھے خوشی ہوئی.... آپ اس حد تک چوکنے رہتے ہیں"۔

"یہ میری ڈیوٹی ہے"۔ وہ مسکرا دیے۔

"اچھا ٹھیک ہے.... میں توحید احمد کو بتا دیتا ہوں"۔

"ضرور.... کیوں نہیں سر.... اور آپ کا شکریہ.... اور میں آپ سے معافی بھی چاہتا ہوں"۔

"نہیں... کوئی بات نہیں"۔ وہ بولے۔

پھر فون رکھ کر باہر آئے' توحید ان کا انتظار کر رہا تھا... انہیں آتے دیکھ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے"۔

"ہاں جناب! کیا رہا"۔

"انسپکٹر جمشید نے کہا ہے کہ اگر میں تلاشی نہ دینا چاہوں تو ٹھیک ہے... ہم نہیں لیں گے' لیکن ساتھ ہی انہوں نے ایک بات کی... اس کی روشنی میں میں تلاشی دینے پر تیار ہو گیا ہوں... لہذا آپ ضرور تلاشی لیں... بلکہ آیئے... میں خود آپ کو ساری کوٹھی دکھا دیتا ہوں"۔

"شکریہ! یہی بہتر رہے گا"۔

"وہ توحید احمد کو اندر لے آئے... اس نے اپنے ماتحتوں کو باہر ہی ٹھہرنے کا اشارہ کیا تھا.... رئیس سالاری انہیں کوٹھی کا ایک ایک کمرہ اور ایک ایک حصہ دکھاتے ہوئے آخر کار اپنے کمرے میں داخل ہوئے.... یہاں میک موجود تھا.... اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھتے ہوئے توحید احمد بولا۔

"یہ کون صاحب ہیں سر؟"

"میرے دوست... میرے مہمان... مسٹر میک"۔

"اوہ اچھا. کیا آپ پہلے سے مسٹر میک سے واقف ہیں... اور ان کا یہاں آنا پہلے سے طے تھا"۔

"میں ان سے پہلے سے واقف ضرور ہوں، لیکن ان کا یہاں آنے کا پہلے سے پروگرام طے نہیں تھا۔۔۔ انہیں اچانک آنا پڑا"۔

"مسٹر میک۔۔۔ کیا آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟" توحید احمد نے کہا۔

"آپ کی تعریف؟" میک نے رئیس سالاری کی طرف دیکھا۔

"یہ محکمہ سراغرسانی کے سب انسپکٹر توحید احمد ہیں۔۔۔ میرے گھر کی تلاشی لینے آئے ہیں"۔

"تلاشی اور آپ کی۔۔۔ میرے دوست آپ نے تو بتایا ہے کہ آپ وزیر داخلہ کے چیف سیکرٹری ہیں"۔

"جی ہاں! میں چیف سیکرٹری ہوں۔۔۔ لیکن میں بھی اپنے ملک کے قانون کا پابند ہوں۔۔۔ اگر قانون کو مجھ پر کوئی شک ہے۔۔۔ تو پھر میرے گھر کی بھی تلاشی لی جا سکتی ہے"۔

"آپ پر قانون کو کیا شک ہے؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

انہوں نے الجھن کے عالم میں توحید احمد کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہے ہوں۔۔۔ اب میں ان سے کیا کہوں۔

"میں عرض کرتا ہوں۔۔۔ ہمیں اطلاع ملی تھی کہ سالاری صاحب کے گھر میں ایک عدد غیر ملکی شخص موجود ہے۔۔۔ اب یہ ہیں ایک سرکاری عہدیدار۔۔۔ عہدیدار بھی بہت خاص قسم کے۔۔۔ یعنی کسی غیر ملکی شخص کا ان سے ملنا ملک کے حق میں خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔۔۔

مجھے صورت حاصل معلوم کرنے کے لئے بھیج دیا گیا۔۔۔ کیا یہ کوئی بری بات ہے؟" توحید احمد نے روانی کے عالم میں کہا۔

"بالکل نہیں۔۔۔ لیکن میں ان کا دوست ہوں"۔ میک مسکرایا۔

"آپ ابھی تک نہیں سمجھے مسٹر میک"۔ توحید احمد مسکرایا۔

"کیا مطلب۔۔۔ میں کیا نہیں سمجھا بھلا؟"

"میک نام کے ایک صاحب ہمارے سالاری صاحب کے دوست ہیں۔۔۔ ان کی دوستی کسی طرح ہو گئی تھی۔۔۔ لیکن کیا اس وقت ایسا نہیں ہو سکتا مسٹر میک کہ آپ کے میک اپ میں کوئی اور آ گیا ہو اور اس کا ارادہ ٹھیک نہ ہو"۔

"اوہ۔۔۔ اوہ"۔ میک اچھل پڑا۔

"بس۔۔۔ اصل میں تو ہم یہ اطمینان چاہتے تھے۔۔۔ سالاری صاحب۔۔۔ آپ کی ملاقات بیرون ملک مسٹر میک سے کسی سلسلے میں ہوئی۔۔۔ وہ آپ کے دوست بن گئے۔۔۔ اور آج اچانک۔۔۔ یہاں آپ کے پاس چلے آئے۔۔۔ یہی بات ہے نا"۔

"بالکل یہی بات ہے"۔ سالاری صاحب بولے۔

"لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ یہ اصل مسٹر میک ہیں"۔

"کیا۔۔۔ نہیں"۔ وہ چلائے۔

"چند لمحے کے لئے سناٹا طاری ہو گیا۔۔۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔۔۔ آخرکار رئیس سالاری بولے۔

"اب میں سمجھا۔ انسپکٹر جمشید کیا چیز چیک کرنا چاہتے تھے.... وہ واقعی بہت دور اندیش ہیں۔ واقعی مجھے نہیں معلوم۔ یہ اصل مسٹر میک ہیں یا نقلی"۔

"مسٹر رئیس سالاری۔ یہ آپ نے کیا کہہ دیا"۔ وہ جھلا اٹھے۔

"مجھے افسوس ہے.... آپ کو کم از کم اتنا اطمینان تو کرانا ہو گا کہ آپ اصل میک ہیں.... کیونکہ میرے گھر میں بھی اس وقت کئی اہم فائلیں موجود ہیں.... ان فائلوں پر مجھے رات گئے تک کام کرنا پڑتا ہے"۔

"بہت خوب! آخر کار آپ نے یہ بات کہہ ہی دی.... جو انسپکٹر جمشید نامی شخص آپ سے کہلوانا چاہتے تھے.... خیر.... آپ اپنا اطمینان کر لیں۔ لیکن۔ ایک بات اور ہے"۔ میک نے بہت عجیب سے انداز میں کہا۔

"اور وہ کیا مسٹر میک؟" توحید احمد پر سکون آواز میں بولا۔

"اگر میں اصلی میک ثابت ہو گیا تو پھر آپ کے ہاں قیام نہیں کروں گا۔ اٹھ کر کسی ہوٹل میں چلا جاؤں گا"۔

"نن نہیں۔ نہیں مسٹر میک.... یہ آپ میرے ساتھ ظلم کریں گے"۔ وہ تیز آواز میں بولے۔

"اگر یہ ظلم ہے.... تو اس ظلم پر مجھے آپ نے مجبور کیا ہے"۔

میک نے منہ بنایا۔

"لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے.... مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا کہ یہ صاحب یہاں تشریف لے آئیں گے.... سب کچھ آپ کے سامنے ہوا ہے"۔

"بس یہی میرا فیصلہ ہے"۔

"آپ سن رہے ہیں مسٹر توحید احمد"۔

"یس سر.... آپ اگر چاہتے ہیں کہ میں انہیں چیک نہ کروں.... تو میں یہیں سے واپس لوٹ جاتا ہوں"۔

"اب یہ بھی میرے لئے ممکن نہیں.... میں اپنا اچھی طرح اطمینان کرنا پسند کروں گا"۔

"بالکل ٹھیک.... یہی ہم چاہتے ہیں سر"۔

"خیر چیک کر لیں.... اس کے بعد دیکھا جائے گا"۔

"میں اپنی بات پر عمل کروں گا"۔ میک نے فوراً کہا۔

"آپ پہلے چیک کریں"۔

توحید احمد اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

○☆○

آج کا خوف

محمود نے دیکھا... دروازے پر ایک غیر ملکی کھڑا تھا۔

"آپ کی تعریف؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میرا نام ہارڈی ہے... ہارڈی پاؤلے"۔

"اچھا تو پھر؟"

"ایک بہت ضروری سلسلے میں مجھے انسپکٹر جمشید سے ملنا ہے"۔

"وہ ابھی دفتر سے نہیں لوٹے... لیکن آنے ہی والے ہیں"۔

"تب پھر مجھے اجازت دیں... میں ان کا انتظار کر لوں"۔

"ہاں ضرور... آپ تشریف لائیں"۔ اس نے کہا اور ملاقاتی کو ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

"تشریف رکھئے... کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کو ان سے کیا کام ہے؟"

"جی نہیں... میں یہ بات انہی کو بتاؤں گا"۔

"اگر کام بہت فوری نوعیت کا ہے... تو میں انہیں فون کر دوں گا"۔

"نہیں... انہیں اپنے پروگرام کے مطابق آنے دیں"۔

"اچھی بات ہے... آپ نے کیا نام بتایا؟"

"جی... ہارڈی پاؤلے"۔

"شکریہ"۔ اس نے کہا اور وہاں سے صحن میں آ گیا... فرزانہ کی سوالیہ نظریں اس پر جمی تھیں۔

"ملاقاتی کا نام ہارڈی پاؤلے ہے... کوئی غیر ملکی ہیں اور انہیں اباجان سے کچھ بہت اہم کام ہے... جو وہ ہمیں نہیں بتا سکتے"۔

"کوئی بات نہیں... اباجان کی موجودگی میں بتا دیں گے"۔ فرزانہ نے کہا اور پھر بلند آواز میں بولی۔

"فاروق صاحب... آ جاؤ... کوئی خطرہ نہیں ہے"۔

"یہ تمہارا کہنا ہے... میرا خیال ایسا نہیں ہے"۔

"کیا مطلب؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"میرا کہنا یہ ہے کہ خطرہ سر پر آ پہنچا"۔

"لیکن ہمیں تو دور دور تک خطرہ نظر نہیں آ رہا"۔ محمود بولا۔

"اور تم خطرہ محسوس کر رہے ہو؟" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں! میرا مشورہ ہے... ملاقاتی کی نظروں سے اوجھل نہ رہنے دو... اس کے پاس جا کر بیٹھو"۔

"اور تم یہیں خود کو بند رکھو گے"۔ محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! میں مجبور ہوں.... میں سچ مچ خوف محسوس کر رہا ہوں.... بے پناہ خوف"۔

"حیرت ہے۔۔ کمال ہے۔۔ یار تم خوف کی وجہ سے کمرے میں بند ہو گئے ہو۔۔ گویا تم اب خود غرضی پر اتر آئے ہو"۔

"فاروق کو ایک جھٹکا سا لگا.... پھر اس نے دبی آواز میں کہا۔

"یاد کرو۔۔ محمود۔۔ فرزانہ۔۔ یاد کرو"۔ فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"یاد کریں۔۔ آخر کیا یاد کریں۔۔ بھائی کیوں پریشان کر رہے ہو"۔

"میں پریشان کر نہیں رہا.... ہو رہا ہوں.... میں نے کب کہا ہے کہ تم میرے پریشانی میں حصہ دار بنو۔۔ لیکن ذرا یاد کرو۔۔ کیا ایک بار اسی طرح ہم سب نے خوف محسوس نہیں کیا تھا.... اور کیا اس وقت ہم سب خود غرض نہیں ہو گئے تھے.... یہاں تک کہ ہم اباجان تک کو چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے.... انکل خان رحمان اور پروفیسر انکل بھی نکل پڑے تھے.... لیکن پھر.... ان حدود سے نکلنے کے بعد خوف کی قید سے ہم آزاد ہو گئے تھے۔۔ اور پھر اس طرف پلٹ پڑے تھے"۔

"ہاں! یہ باتیں تو ہمیں بہت اچھی طرح یاد ہیں.... لیکن ان باتوں کا تمہارے آج کے خوف سے کیا تعلق؟" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"میں نہیں جانتا۔۔ لیکن میں بالکل اسی روز جیسا خوف محسوس کر رہا ہوں"۔

"ہاں یاد آیا۔۔ وہ خوف تو ایک پھول کی وجہ سے پھیلا تھا"۔ محمود چونکا۔

"تب پھر۔۔ کیا خبر۔۔ اس ملاقاتی کے پاس ویسا ہی کوئی پھول ہو۔۔ یا پھر اس پھول کے بیج ہوں"۔ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"تم بھی کمال کرتے ہو.... اب کیا پھول کے بیجوں سے بھی خوف پھیلے گا"۔ محمود ہنسا۔

"بھئی پھیلنے کو خوف کس چیز سے نہیں پھیل سکتا"۔ فاروق نے بھی شاید ہنس کر کہا۔۔ لیکن اس کے لہجے میں ہنسی شامل نہیں تھی۔

"اچھا خیر۔۔ تمہیں اس کمرے کی قید مبارک۔۔ ہم جا کر اس ملاقاتی کا اس نظر سے جائزہ لیتے ہیں۔۔ اور دیکھتے ہیں۔۔ ہمیں خوف محسوس ہوتا ہے یا نہیں۔۔ ویسے ہم پوری پوری کوشش کریں گے کہ ہمیں خوف محسوس ہو جائے"۔

"میرا مذاق اڑا رہے ہو"۔ فاروق نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں.... اس وقت ہمیں اتنی فرصت کہاں کہ تمہارا مذاق اڑا سکیں.... یہ بے کار کا کام تو ہم اس وقت کر سکتے ہیں جب بالکل فارغ ہوں"۔

"ارے میاں جاؤ.... بڑے آئے میرے مذاق کا مذاق اڑانے والے.... میں بھی تمہیں وہ آڑے ہاتھوں لوں گا کہ آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا"۔

"اور یہ اچھا ہی ہو گا"۔ محمود نے فوراً کہا۔ "کیا اچھا ہی ہو گا؟" فاروق نے پوچھا۔

"یہ کہ ہمیں آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے۔ اس لئے کہ ہمیں آج کل واقعی معلوم نہیں۔ آٹے دال کا کیا بھاؤ ہے"۔

"پھر مذاق.... خیر خیر.... کمرے سے نکل کر نبٹوں گا تم سے"۔

"اچھی بات ہے۔ ہم جا رہے ہیں.... اور تمہارے کمرے سے نکلنے کا انتظار کریں گے۔ اللہ کرے تم جلد کمرے سے نکل آؤ"۔

"حد ہو گئی.... تم جاتے ہو یا نہیں.... باتیں بگھارے جا رہے ہو اور ادھر وہ کوئی کام دکھا گیا تو؟"

"تو تم بھی برابر کے ذمے دار ہو گے"۔ محمود نے جھلا کر کہا۔

"ہرگز نہیں۔ میں تو اس کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہی کمرے میں بند ہو چکا ہوں"۔

"اس کے باوجود تم پر ذمے داری عائد ہو گی.... دیکھ لینا"۔

"اچھا دیکھ لوں گا۔ فی الحال تم تو ٹلو"۔

"عجیب انسان ہو.... خود مارے خوف کے کمرے میں گھس گئے ہو اور ہمیں اس کے پاس بھیج رہے ہو"۔ فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

"نصیب اپنا اپنا"۔ فاروق بولا۔

"آؤ فرزانہ چلیں۔ اس سے بعد میں نبٹ لیں گے"۔

"ضرور ضرور.... کیوں نہیں"۔ فاروق خوش ہو گیا۔

"ساری خوشی دھری کی دھری رہ جائے گی.... بلکہ کرکری ہو جائے گی"۔ محمود نے گویا دھمکی دی۔

"ایک تو میں خوف زدہ ہوں اوپر سے تم اور دھمکیاں دے رہے ہو.... کچھ تو نرمی اختیار کرو"۔ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"نرمی اور تم سے"۔

پھر دونوں پیر پٹختے ڈرائنگ روم کی طرف مڑے ہی تھے کہ بیگم جمشید کا ٹرے والا ہاتھ سامنے آ گیا۔

"کیا مہمان کو چائے بھی نہیں پلاؤ گے"۔ وہ مسکرائیں۔

"دیکھ لیں امی جان"۔ محمود بولا۔

"کیا دیکھ لوں.... تمہیں دیکھ تو رہی ہوں.... اور تمہیں دیکھنا ہی کافی ہے"۔ انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"حد ہو گئی۔ آپ بھی اب ہمارے رنگ میں رنگتی جا رہی ہیں"۔

"مجھے خربوزہ کہنے کی کوشش نہ کرو"۔ انہوں نے گھبرا کر کہا۔

"کک.... کیوں امی جان.... کیا بات ہے.... آپ کو خربوزے اچھے نہیں لگتے؟" فرزانہ بولی۔

"اچھے لگتے ہیں... لیکن صرف کھانے کی حد تک"۔ وہ بولیں۔

دونوں ہنس پڑے اور پھر ٹرے اٹھائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے... ملاقاتی... آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا... ان کے قدموں کی آہٹ سن کر بھی اس نے آنکھیں نہ کھولیں۔

"سو گئے کیا جناب؟"

"نک... کیا... نن... نہیں تو"۔ وہ گڑبڑا گیا اور چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"آپ ہمارے گھر میں اس وقت مہمان ہیں"۔ محمود بولا۔

"شش شکریہ... تشریف رکھیے"۔

وہ بیٹھ گئے... محمود اس کے لیے چائے بنانے لگا۔

"آپ نے اپنا نام ہارڈی پاؤلے بتایا ہے نا"۔ فرزانہ نے یونہی پوچھا۔

"جی ہاں! میرا نام یہی ہے"۔

"اور یہ آپ ہمیں بتانا پسند نہیں کرتے کہ آپ کو ہمارے والد صاحب سے کیا کام ہے"۔

"جی ہاں! میں انہیں ہی بتاؤں گا"۔

"کوئی بات نہیں... ہم نے آپ کی بات کا برا نہیں مانا"۔ فرزانہ مسکرائی۔

"ویسے آپ پریشان لگتے ہیں"۔ محمود نے کہا۔

"ہاں! میں بہت پریشان ہوں... میرے ساتھ ایک بہت زیادہ عجیب واقعہ پیش آیا ہے"۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ بھی میں انسپکٹر جمشید کو بتاؤں گا"۔

دونوں نے گھڑی پر نظریں ڈالیں... پانچ بجنے میں اب صرف پانچ منٹ باقی تھے... گویا انہیں ابھی پانچ منٹ اور انتظار کرنا تھا... ادھر ان کی الجھن میں اضافہ ہو رہا تھا... دونوں نے اس کمرے میں آ کر بھی کوئی خوف محسوس نہیں کیا تھا... انہیں اس بات پر بھی حیرت تھی کہ صرف فاروق کیوں خوف محسوس کر رہا ہے... ملاقاتی اب چائے پی رہا تھا۔

"آپ لوگ چائے نہیں پی رہے؟" اچانک وہ بولا۔

"ہم ابھی... اپنے والد صاحب کے ساتھ پئیں گے"۔

"اوہ اچھا"۔ اس نے کہا۔

آخر دروازے کی گھنٹی بجی... انداز انسپکٹر جمشید کا تھا... دونوں ایک ساتھ بولے۔

"لیجیے... ابا جان آ گئے"۔

"اوہ... بہت خوب"۔ وہ مسکرا دیا۔

"ہم انہیں ادھر ہی لے کر آتے ہیں"۔

"نہیں نہیں... انہیں کپڑے وغیرہ تبدیل کرنے دیں"۔

"اوہ ایسی کوئی بات نہیں.... ہم تکلفات کے عادی نہیں ہیں"۔

اب دونوں دروازے پر آئے.... جونہی دروازہ کھولا اور السلام علیکم کہا.... انسپکٹر جمشید نے وعلیکم السلام کہنے کے فوراً بعد کہا۔

"خیر تو ہے.... چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں"۔

"ایک عدد ملاقاتی آپ کا انتظار کر رہا ہے.... غیر ملکی ملاقاتی.... وہ کچھ بتانا چاہتا ہے.... صرف آپ کی موجودگی میں"۔

"فاروق نظر نہیں آ رہا"۔

"جونہی ملاقاتی دروازے پر آیا.... اس پر خوف حملہ آور ہو گیا.... اور اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا ہے"۔

"کیا مطلب.... اور کیا تم دونوں خوف محسوس نہیں کر رہے ہو؟"

"جی نہیں.... ہم نے اب تک بالکل بھی خوف محسوس نہیں کیا"۔

"عجیب بات ہے"۔ وہ بڑبڑائے۔

"جی.... کیا مطلب.... کون سی بات عجیب ہے؟"

"ٹھہرو.... بتاتا ہوں"۔

یہ کہہ کر وہ فاروق والے کمرے کے دروازے پر آئے۔

"السلام علیکم فاروق.... یہ میں ہوں.... نکلو باہر"۔

"نن نہیں.... میں اس ملاقاتی کے باہر جانے پر ہی دروازہ کھولوں

گا"۔

"ارے! تو کیا تم واقعی خوف محسوس کر رہے ہو؟"

"ہاں بالکل اباجان"۔

"اچھی بات ہے.... پہلے میں اس ملاقاتی کو دیکھ لوں.... پھر تمہیں دیکھوں گا"۔

"ارے باپ رے.... آپ تو مجھے ڈرائے دے رہے ہیں"۔

"ابھی اور ڈراؤں گا"۔

"ہم.... مارا گیا پھر تو"۔ وہ بولا۔

انہوں نے برا سا منہ بنایا اور پھر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے.... جونہی وہ کمرے میں داخل ہوئے.... انہیں ایک جھٹکا سا لگا.... پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"السلام علیکم جناب.... انسپکٹر جمشید آپ کے سامنے موجود ہے"۔ وہ بولے۔

"اوہ.... شکریہ.... میرا انتظار ختم ہوا.... آپ آئے تو"۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

"میں اپنے وقت پر آیا ہوں.... مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ آئے ہوئے ہیں.... نہ مجھے اطلاع دی گئی"۔ وہ بولے۔

"ہاں ہاں.... یہ ٹھیک ہے.... میں نے ہی آپ کے بچوں کو روک دیا تھا"۔ اس نے فوراً کہا۔

"خیر فرمائیے.... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں.... آپ کا نام کیا ہے.... اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

"میں اپنے ایک گم شدہ بھائی کی تلاش میں آیا ہوں"۔

"گم شدہ بھائی؟" انہوں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں.... گم شدہ بھائی"۔

"میں سمجھا نہیں.... مہربانی فرما کر وضاحت کریں"۔

"جی بہتر.... میرا سگا بھائی کسی بات پر ناراض ہو کر کئی سال پہلے گھر سے چلا گیا تھا.... ہم نے اسے بہت تلاش کیا، لیکن وہ کہیں نہ ملا.... اب اچانک میں نے اس کی تصویر اخبار میں دیکھی.... تو پتا چلا.... وہ یہاں آپ کے ملک میں.... اس شہر میں موجود ہے.... لیکن...." وہ کہتے رک گیا۔

"لک.... کیا مطلب؟"

اچانک انسپکٹر جمشید بہت زور سے اچھلے.... ان کی آنکھوں میں حیرت اور خوف دوڑ گیا، عین اس وقت صحن میں رکھے فون کی گھنٹی بجی.... محمود فوراً اٹھا اور فون کی طرف لپکا۔

○☆○

دیکھو لو

توحید احمد کی ٹھوڑی پر ملاقاتی کا ایک بھرپور مکا لگا تھا.... وہ اس حملے کے لئے قطعاً تیار نہیں تھا.... ایک فیصد امید بھی نہیں تھی کہ ملاقاتی ایسا کرے گا.... وہ تو اس کے چہرے پر میک اپ تلاش کرنے کے لئے آگے بڑھا تھا.... وہ تیورا کر گرا.... اور ساکت ہو گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو ایک ڈاکٹر اس پر جھکا ہوا تھا.... ڈاکٹر نے اسے آنکھیں کھولتے دیکھا تو فوراً بولا۔

"آپ کو ہوش تو آیا.... ویسے چوٹ تو اس قدر شدید نہیں تھی.... پھر آپ بے ہوش کیوں ہوئے؟"

"اس بات پر مجھے بھی حیرت ہے.... میں یہاں کیسے پہنچا؟" اس نے ہسپتال کی عمارت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"رئیس سالاری کے پڑوسی آپ سب لوگوں کو یہاں پہنچا کر گئے ہیں.... انہوں نے پہلے ہسپتال فون کیا.... ایمبولینس منگوائیں اور پھر سب کو یہاں پہنچایا"۔

"کیا مطلب.... کیا میرے علاوہ بھی کچھ لوگ بے ہوش ہوئے

ہیں؟"

"آپ کے سب ماتحت... اور رئیس سالاری صاحب بھی...
بے ہوش پائے گئے تھے... دراصل کسی کام سے سالاری صاحب کا
پڑوسی ادھر گیا تو آپ لوگوں کو لمبے لیٹے دیکھا"۔

"اوہ... یہ بہت برا ہوا... وہ نکل گیا"۔

"کون نکل گیا؟" ڈاکٹر نے کہا۔

"ہمیں بے ہوش کرنے والا"۔

"اوہ اچھا... آپ کے آفیسر ایک چکر لگا کر جا چکے ہیں... کہہ
گئے تھے... جونہی ہوش میں آئیں... فون کر دیا جائے"۔

"آپ کا مطلب ہے... انسپکٹر جمشید"۔

"میں ان کا نام نہیں جانتا... پولیس کی گاڑی میں آئے تھے...
اس لئے کہ ہم نے آپ لوگوں کے یہاں لائے جانے کے بعد پولیس
ہیڈکوارٹر فون کیا تھا"۔

"اوہ اچھا... تب پھر وہاں سے کوئی آفیسر آئے ہوں گے...
انسپکٹر جمشید صاحب کو تو ابھی اطلاع ہی نہیں ملی ہو گی... مہربانی فرما کر
انسپکٹر جمشید صاحب کو فون کریں... یا فون یہاں منگوا دیں... میں خود
انہیں فون کر دیتا ہوں... معاملہ بہت سیریس ہے... ایک بہت خطرناک
مجرم ہمیں جل دے گیا ہے"۔

"اچھی بات ہے... فون یہیں آ جاتا ہے"۔

جلد ہی اس نے انسپکٹر جمشید کے نمبر ملائے... اس وقت دفتر کا
وقت تو ختم ہو چکا تھا... لہٰذا ان کے گھر پر ملنے کا امکان تھا... سلسلہ
ملتے ہی محمود کی آواز سنائی دی۔

"محمود بات کر رہا ہوں... فرمائیے"۔

"اور یہ میں ہوں توحید احمد"۔

"آہا... توحید احمد صاحب... کہئے کیا حال ہے؟"

"فوراً انسپکٹر صاحب سے بات کرائیں... ایک ضروری پیغام
ہے"۔

"وہ اس وقت ایک ملاقاتی سے ڈرائنگ روم میں بات کر رہے
ہیں"۔ محمود نے کہا۔

"ہو سکتا ہے... اس ملاقاتی کے سامنے میرا پیغام دینا مناسب نہ
ہو... لہٰذا آپ ان کے کان میں کہہ دیں... کہ میں بات کرنا چاہتا
ہوں... ملاقاتی سے ملاقات ختم ہونے سے پہلے پہلے انہیں میری بات
سن لینی چاہیے"۔

"اچھی بات ہے... اس نے کہا اور کمرے کے دروازے پر آیا۔

"آپ کا فون ہے"۔

"اوہ اچھا"۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ گئے... اس لئے کہ وہ سمجھ گئے
تھے... فون صحن میں جا کر ہی سننا پڑے گا۔

صحن میں آ کر انہوں نے سوالیہ انداز میں محمود کی طرف دیکھا۔

"توحید احمد"۔

"اوہ اچھا"۔ انہوں نے سکون کا سانس لیا اور پھر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہاں توحید۔۔۔ کیا رہا اس کام کا۔۔۔ جس کے لئے تمہیں بھیجا گیا"۔

"میں اس سلسلے میں رپورٹ دینا چاہتا ہوں"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ سناؤ رپورٹ"۔

توحید احمد نے جلدی جلدی تفصیل سنا دی۔۔۔ جونہی وہ خاموش ہوا' انسپکٹر جمشید مارے حیرت کے بولے۔

"نن نہیں۔۔۔ نہیں"۔

"کک۔۔۔ کیا ہوا سر؟"

"یہ اچھا نہیں ہوا توحید احمد۔۔۔ تمہیں ہر طرح محتاط رہنا چاہیے تھا"۔

"مجھے افسوس ہے سر۔۔۔ بس میں سوچ بھی نہیں سکا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے"۔

"سراغرسانی کے کاموں میں یہ بات تو سوچنی ہی نہیں چاہیے کہ ایسا نہیں ہو سکتا اور ویسا نہیں ہو سکتا۔۔۔ بلکہ یہ سوچنا چاہیے کہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔۔۔ خیر فکر نہ کرو۔۔۔ اور ابھی وہیں ٹھہرو۔۔۔ ڈیوٹی پر آنے کے لئے جلدی نہ کرو۔۔۔ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی تین

دن کی چھٹی منظور"۔

"مجھے اس چھٹی کی ذرا بھی خوشی نہیں ہوئی سر"۔

"اوہو۔۔۔ کوئی خیال نہ کرو بھئی"۔ انہوں نے ہنس کر کہا اور فون بند کر دیا۔۔۔ پھر وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھے۔۔۔ محمود اور فرزانہ کو اشارہ کیا کہ وہ بھی ڈرائنگ روم میں آ جائیں"۔

تینوں اندر داخل ہوئے۔۔۔ ملاقاتی جوں کا توں بیٹھا تھا۔۔۔

"آپ میری بات سن کر چونک کیوں اٹھے جناب۔۔۔ میں کچھ سمجھ نہیں سکا"۔

"میں بعد میں وضاحت کروں گا۔۔۔ پہلے آپ اپنی بات پوری کر لیں"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ میں نے اپنے بھائی کی تصویر اخبار میں دیکھی۔۔۔ ساتھ میں شائع ہونے والی خبر پڑھی۔۔۔ پھر میں اس طرف دوڑ آیا۔۔۔ یہاں آ کر معلومات حاصل کیں۔۔۔ وہ بری طرح پھنس چکا ہے"۔

"آپ کن کی بات کر رہے ہیں۔۔۔ وضاحت کریں"۔

"جیک پانڈے کی۔۔۔ وہ یہاں دفتر خارجہ میں ملازم ہو گیا تھا۔۔۔ لیکن اب اسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔۔۔ اس پر چند سرکاری راز چوری کرنے کا الزام ہے"۔

"اب میں سمجھا۔۔۔ آپ کس کی بات کر رہے ہیں۔۔۔ لیکن مسٹر پانڈے۔۔۔ آپ غلط جگہ پر آ گئے ہیں۔۔۔ اس سلسلے میں بھلا میں کیا کر

سکتا ہوں... یہ معاملہ تو اب خالص عدالتی معاملہ ہے"۔

"میں نے سنا ہے... آپ بہت اختیارات کے مالک ہیں"۔

"لیکن میرے اختیارات عدالتی معاملات میں دخل اندازی نہیں کر سکتے"۔ انہوں نے منہ بنایا۔

"اس کے باوجود میں جانتا ہوں کہ آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں"۔

"میں اگر کر بھی سکتا... تو بھی نہ کرتا... اس لئے کہ میں اپنے ملک کے راز چرانے والوں کے لئے کوئی ہمدردی اپنے اندر نہیں رکھتا"۔

"لیکن یہ صرف الزام ہے... اس نے کوئی راز نہیں چرایا"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"اگر یہ صرف الزام ہے... تو پھر اس بات کو عدالت میں ثابت کریں"۔

"اف... آپ نہیں سمجھیں گے... جب پانی سر سے گزر جائے گا... اس وقت سمجھیں گے"۔ اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب... پانی سر سے گزر جائے گا... کس کے؟"

"آپ کے سر سے"۔

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں... میرا اس معاملے سے کیا تعلق... اور میرے سر سے کیوں گزرنے لگا پانی"۔

"گزر سکتا ہے"۔ اس نے پراسرار انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے... جب پانی سر سے گزر جائے گا... میں خود آپ سے بات کر لوں گا"۔

"تو کیا میں جا سکتا ہوں"۔

"ہاں! جب آپ کو یہاں کوئی کام نہیں رہ گیا... تو آپ جا سکتے ہیں"۔

"شکریہ... آپ کو آج کی ملاقات یاد رہے گی... بلکہ بار بار یاد آئے گی"۔

"کیا مطلب... کیا آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟"

"نہیں... یہ دھمکی نہیں... اطلاع ہے"۔

"تب اس اطلاع کے لئے شکریہ"۔ وہ مسکرائے۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور کھڑا ہو گیا... انسپکٹر جمشید نے نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اپنی گھڑی میں لگا ایک بٹن دبا دیا... اس کا مطلب تھا... باہر موجود خفیہ فورس کا ایک آدمی ہوشیار ہو جائے اور اس کا تعاقب کرے۔

ملاقاتی برا سا منہ بناتے ہوئے باہر نکل گیا اور انہوں نے دروازہ بند کر لیا۔

"آپ نے اسے جانے دیا"۔

"ہاں! فی الحال اسے یہاں روکنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا... ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ وہ اب کیا کرتا ہے... کہاں جاتا ہے... نمبر تو اس کا

تعاقب کرے گا"۔

"بہت خوب۔۔۔ یہ ہوئی نا بات"۔ محمود نے کہا۔

"اور آؤ۔۔۔ ذرا۔۔۔ فاروق کی خبر لیں"۔

"بہت بہت شکریہ ابا جان"۔ فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔ شکریہ کیسا؟"

"اس بات کا کہ آپ نے فاروق کی خبر لینے کا فیصلہ کر لیا ہے"۔

"تم غلط سمجھیں۔۔۔ میرا مطلب تھا۔۔ اس کا حال پوچھیں۔۔ اب وہ کیا محسوس کر رہا ہے۔۔۔ اگر وہ سچ مچ خوف زدہ نہ ہوتا تو ہرگز اس طرح کمرے میں بند نہ ہوتا۔۔۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں"۔

"اوہ"۔ دونوں حیران رہ گئے۔

"فاروق دروازہ کھول دو۔۔۔ وہ جا چکا ہے"۔

"جی نہیں۔۔۔ وہ ابھی نہیں گیا"۔ اندر سے فاروق بولا۔

"بھئی میں نے کہا ہے۔۔۔ کہ وہ جا چکا ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"اور میں نے آپ کو بتایا ہے۔۔۔ وہ ابھی نہیں گیا۔۔۔ آپ گھر کی تلاشی لے لیں"۔

"کیا بات کرتے ہو۔۔۔ ہم نے خود ابھی ابھی اسے رخصت کیا ہے"۔ محمود نے تلملا کر کہا۔

"جی نہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہے۔۔۔ وہ یہیں ہے۔۔۔ ورنہ میں اب تک

خوف کیوں محسوس کرتا"۔ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"تب پھر تم وہم کا شکار ہو گئے ہو فاروق۔۔۔ وہ جا چکا ہے۔۔۔ دروازہ کھول دو"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اگر آپ کہتے ہیں۔۔۔ تو میں دروازہ کھول دیتا ہوں۔۔۔ لیکن میں جانتا ہوں۔۔۔ مجھ سے دروازہ کھلوا کر آپ غلطی کریں گے"۔

"بھئی آج تو تم ضرورت سے زیادہ عجیب باتیں کر رہے ہو۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔ ہمیں اس حد تک عجیب باتوں کی ضرورت نہیں۔۔۔ کیا خیال ہے فرزانہ"۔

"بالکل ٹھیک خیال ہے"۔ فرزانہ نے فوراً کہا۔

"لیکن اس کا فیصلہ کرنے والی تم کون ہو؟"

"کس کا فیصلہ"۔

"اس کا فیصلہ کہ۔۔۔ خیال بالکل ٹھیک ہے یا نہیں"۔ فاروق

"کر چکے تم ادھر ادھر کی باتیں۔۔۔ اور کوئی کام نہیں آتا تمہیں"۔ محمود جھلا اٹھا۔

"ابھی کہاں۔۔۔ کر رہا ہوں۔۔۔ ہاں تو تم گھر کی تلاشی لے ڈالو۔۔۔ اباجان کو دروازے کے پاس ہی چھوڑ دو"۔ اس نے فوراً کہا۔

"بھائی کیوں پریشان کرتے ہو۔۔۔ وہ جا چکا ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے تنگ آ کر کہا۔

"مگر وہ جا چکا ہے... تو پھر میرا خوف کیوں نہیں گیا"۔ فاروق بولا۔

"یہ تم اپنے خوف سے پوچھو"۔

"حد ہو گئی"۔ فاروق کی جلی کٹی آواز سنائی دی۔

"میرا خیال ہے... تم دونوں گھر کی تلاشی لے ہی لو"۔

"او کے"۔ دونوں ایک ساتھ بولے۔

"میں یہیں ٹھہرتا ہوں"۔

دونوں نے سر ہلایا اور چلے گئے... ادھر انسپکٹر جمشید نے فاروق سے کہا۔

"وہ تلاشی لینے کے لئے جا چکے ہیں... اب تم دروازہ کھول سکتے ہو"۔

"یہی تو مشکل ہے ابا جان"۔

"کیا مطلب... کیسی مشکل؟" انہوں نے چونک کر کہا۔

"یہ کہ... میں دروازہ نہیں کھول سکتا"۔

"حد ہو گئی... آخر کیوں نہیں کھول سکتے"۔

"اس لئے کہ وہ ابھی یہیں ہے... اور جب تک وہ اس گھر میں ہے... میں دروازہ نہیں کھولوں گا"۔

"اچھی بات ہے... اب ہمیں پہلے چیک ہی کر لینے دو"۔

تھوڑی دیر بعد محمود اور فرزانہ وہاں آ گئے۔

"فاروق... کا خیال غلط ہے ابا جان"۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"مطلب یہ کہ گھر میں کوئی بھی نہیں ہے... ہم پورا یقین کر چکے ہیں"۔

"او کے... اگر آپ لوگ پورا اطمینان کر چکے ہیں تو پھر میں آ جاتا ہوں... لیکن کہتا میں اب بھی یہی ہوں... کہ گھر میں وہ اب تک موجود ہے... گیا نہیں"۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو فاروق کہ وہ کوئی ابطال جیسا انسان ہے، جو ہمیں نظر نہیں آ رہا... لیکن ایسی بات نہیں ہے... ہم سے جو شخص ملنے کے لئے آیا تھا... وہ ہمیں نظر آتا رہا ہے... اور ہم اسے دروازے پر رخصت کر کے دروازہ اندر سے بند کر کے لوٹے تھے... اب بھی تمہارا اطمینان ہوا یا نہیں؟" محمود نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں... بالکل نہیں"۔

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ بولے... اس بار تو انسپکٹر جمشید بھی چلائے تھے۔

"ہاں... وہ اب تک گھر میں ہے... خیر میں باہر آ رہا ہوں... نہ جانے کیا بات ہے... میرا خوف کسی حد تک کم ہو گیا ہے... اگرچہ ختم نہیں ہوا"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے دروازہ کھول دیا۔

"تب پھر تم خود سارے گھر میں دیکھ لو"۔

"اس کی ضرورت نہیں"۔

فاروق نے سرسراتی آواز منہ سے نکالی... اب پھر اس کے چہرے پر بے پناہ خوف نظر آیا۔

○☆○

کیا!!!

وہ چند لمحے تک فاروق کو گھورتے رہے... پھر انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تم نے کیا کہا فاروق اس کی کوئی ضرورت نہیں... یعنی گھر کی تلاشی لینے کی"۔

"ہاں ابا جان... اگر وہ آپ لوگوں کو نظر نہیں آیا تو مجھے کیا نظر آئے گا... میری نظریں فرزانہ سے تیز نہیں ہیں... آپ فوراً پروفیسر انکل کو فون کریں... وہ اپنی سائنسی آنکھوں سے دیکھیں گے"۔

"یار مذاق نہ کرو"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ مذاق نہیں ہے ابا جان... میں موت کی حد تک سنجیدہ ہوں"۔

"تمہارا مطلب ہے... یہ جاننے کے لئے کہ ملاقاتی ہمارے گھر میں کہاں چھپا ہوا ہے... ہم یہاں پروفیسر صاحب کو بلائیں"۔

"جی ہاں! میں یہی کہنا چاہتا ہوں"۔

"او کے... ابھی لو... آؤ صحن میں چل کر بیٹھتے ہیں"۔

وہ صحن میں آ گئے... فاروق کے چہرے پر خوف نظر آ رہا تھا۔
انسپکٹر جمشید فون کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ایسا لگتا ہے... جیسے ملاقاتی جاتے جاتے فاروق کو خوف کا انجکشن لگا گیا ہے"۔ فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"اڑا لو... اڑا لو... نپٹ لوں گا... ذرا میں اس خوف سے نجات پا لوں"۔

"میرا خیال ہے... پروفیسر انکل کے ساتھ ہمیں ڈاکٹر فاضل صاحب کو بھی بلانا چاہیے"۔ محمود بولا۔

"وہ کس لئے؟"

"فاروق کے چیک اپ کے لئے"۔

"میں نے کہا نا... اڑا لو... اڑا لو"۔

"بھئی کیا اڑا لیں... یہ آج کس چیز کے اڑانے کی دعوت دی رہی ہے"۔ بیگم جمشید نے باورچی خانے سے باہر آتے ہوئے کہا۔
جونہی انہوں نے فاروق کی آنکھوں میں دیکھا... بری طرح چونک اٹھیں۔

"یہ... یہ فاروق کو کیا ہو گیا ہے؟"

"وہم"۔ محمود اور فرزانہ ایک ساتھ بولے۔

"اوہ اچھا... کوئی بات نہیں"۔ بیگم جمشید مسکرائیں۔

"جی... آپ نے کیا فرمایا... کوئی بات نہیں... آپ نے

سنا نہیں... فاروق کو وہم ہو گیا ہے"۔ محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"بالکل سنا ہے... اور مجھے وہم کا علاج آتا ہے"۔

"لیکن امی جان... وہم کا علاج تو حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا"۔ فرزانہ جھٹ سے بولی۔

"لیجئے... حکیم لقمان تک جا پہنچے"۔ فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"پہنچنے کا کیا ہے... ہم کہیں بھی پہنچ سکتے ہیں"۔

"لیکن میرے پاس وہم کا علاج ہے... حکیم لقمان کے پاس وہم کا علاج تھا یا نہیں... آج کل ہومیو پیتھی والے وہم کا علاج بھی کر لیتے ہیں... اور ہمارے گھر میں ہومیو پیتھی موجود ہے"۔

"ہاں واقعی"۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً ان کی تائید کی۔

"تو آپ فاروق کی علامات دیکھ کر ایک خوراک دے دیں نا" چائے بعد میں پی لیجئے گا"۔ انہوں نے مشورہ دیا۔

"بہت بہتر بیگم"۔

عین اس وقت دوسری طرف پروفیسر داؤد سے سلسلہ مل چکا تھا اور ان کے یہ الفاظ ان کے کان میں جا پہنچے تھے۔

"کیا کہا... بہت بہتر بیگم... ہائیں... یہ میں بیگم کب سے ہو گیا... اور کس کی بیگم... ارے... یہ آواز تو میرے دوست... انسپکٹر جمشید کی ہے... ہاں خان رحمان... انسپکٹر جمشید کا فون ہے اور وہ مجھے بیگم کہہ رہا ہے... شاید آج اس کے دماغ پر بھی بالکل تمہاری طرح اثر

ہو گیا ہے"۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"مطلب کس بات کا پوچھ رہے ہیں جناب"۔

"یہ آپ نے کیا کہا... کیا خان رحمان کے دماغ پر کچھ اثر ہو گیا ہے"۔

"ہاں! اس بے چارے کو وہم ہو گیا ہے"۔

"تک... کس چیز کا وہم"۔

"گھر میں کسی کی موجودگی کا وہم... اور یہ وہم بہت خطرناک ہوتا ہے جمشید... انسان راتوں کو سو نہیں سکتا... اسے ہر وقت یہی خیال ستاتا رہتا ہے... اس کے گھر میں کوئی ہے... نہ جانے وہ کب کیا کر گزرے گا... لہٰذا نیند اس سے کوسوں بھاگ جاتی ہے"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے... کیا ہمارے دوست خان رحمان اس وہم کا شکار ہو چکے ہیں؟"

"ہاں! اسی بات کا ذکر کرنے میرے پاس آئے تھے... کہ تمہارا فون آ گیا ہے... ہاں پہلے تم یہ بتاؤ... تم نے مجھے بیگم کیوں کہا"۔ وہ تیز آواز میں بولے۔

"وہ میں نے آپ کو نہیں... بیگم سے کہا تھا"۔

"تب پھر تم نے فون پر ہاتھ کیوں نہ رکھا؟"

"اس کی وجہ ہے... ابھی سلسلہ نہیں ملا تھا"۔ انسپکٹر جمشید

مسکرائے۔

"اچھا بتاؤ... کیا بات ہے؟"

"بس! اب کیا کروں گا بتا کر... وہی تو آپ نے بتا دیا ہے"۔

"کیا مطلب؟" وہ بہت زور سے اچھلے۔

"ادھر فاروق یہ کہہ رہا ہے کہ گھر میں کوئی ہے"۔

"نن نہیں... نہیں"۔ وہ چلائے۔

"بہتر ہو گا... آپ دونوں فوراً یہاں آ جائیں... یا پھر ہم وہاں آ جائیں؟" انہوں نے کہا۔

"نہیں... ہم آ رہے ہیں... ہم ابھی یہی مشورہ کر کے فارغ ہوئے تھے"۔

"تب پھر آ جائیں"۔

اب انہوں نے محمود اور فرزانہ کی طرف دیکھا... مارے حیرت کے ان کا برا حال تھا... جب کہ فاروق کے چہرے پر ایک گہری طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"اب کیا کہتے ہو تم دونوں... بلکہ ابا جان آپ بھی"۔

"بھئی تمہارا وہم سچا لگتا ہے"۔ وہ مسکرائے۔

"سچا وہم... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے"۔ فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"تو پھر اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے"۔ فرزانہ نے منہ بنایا۔

"گھبرانے کی بات تو آج کل ہر بات میں نظر آنے لگتی ہے۔ کس کس بات کا ذکر کروں۔۔۔ کس کس بات کو روؤں۔۔۔ کس کس بات کو پیٹوں"۔ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"حد ہو گئی یعنی کہ۔۔۔ بے لگام بولنے چلے جا رہے ہو۔۔۔ ہے کوئی تک"۔ فرزانہ جلا اٹھی۔

"پتا نہیں کوئی تک ہے یا نہیں۔۔۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ۔۔۔ میں اب تک یہ محسوس کر رہا ہوں کہ گھر میں کوئی ہے۔۔۔ لو اب تو پہلے سے بھی زیادہ شدت سے محسوس کر رہا ہوں"۔

"حیرت ہے۔۔۔ کمال ہے۔۔۔ افسوس ہے"۔ محمود نے جلدی سے کہا۔

"ہو گا۔۔۔ ہو گا۔۔۔ ہو گا"۔ فاروق نے بھنا کر کہا۔

"لیکن۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ فرزانہ چونک اٹھی۔

"کیا۔۔۔ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ بھئی وضاحت کرو"۔

"گھر میں صرف فاروق کو ہی یہ بات محسوس ہو رہی ہے۔۔۔ اور کسی کو نہیں۔۔۔ اسی طرح خان رحمان کے گھر میں صرف انہیں محسوس ہو رہی ہے کسی اور کو نہیں"۔

"تمہارا مطلب ہے۔۔۔ اگر کسی گھر میں یہ بات محسوس ہو تو سب لوگوں کو ہونی چاہیے"۔

"ہاں! بالکل"۔ فرزانہ فوراً بولی۔

"بات معقول ہے۔۔۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ خان رحمان تنہا خوف محسوس کر رہے ہیں یا ان کے گھر کے باقی افراد کا بھی یہی حال ہے"۔

"میرا خیال ہے۔۔۔ وہاں بھی صرف انکل خان رحمان ہی محسوس کر رہے ہیں"۔ فاروق نے کہا۔

"تب یہ ایک انتہائی عجیب معاملہ ہو جائے گا"۔ محمود نے سر ہلایا۔

"خوف ہم پہلے بھی محسوس کر چکے ہیں۔۔۔ لیکن اس وقت معاملہ ایک پودے کا تھا۔۔۔ مجھے اس پودے کو آگ لگانا پڑی تھی۔۔۔ بلکہ پورے مکان کو جلانا پڑا تھا۔

"ہوں۔۔۔ ہم نے ابھی تک اپنے پائیں باغ کا جائزہ نہیں لیا۔۔۔ کیا خبر۔۔۔ وہاں کوئی ایسا ہی پودا موجود ہو"۔ فرزانہ نے تیزی سے کہا۔

"ارے باپ رے"۔ وہ بوکھلا اٹھے اور پھر باغ کی طرف دوڑ پڑے۔۔۔ انہوں نے باغ میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔۔۔ وہاں کوئی پھول یا پودا اس جیسا نظر نہ آیا"۔

"نہیں۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔ یہ وہ معاملہ نہیں ہے۔۔۔ اور پھر اس وقت تو ہم سب نے خوف محسوس کیا تھا"۔

"معاملہ حد درجے پر اسرار ہے۔۔۔ اب پہلے خان رحمان کو آ لینے دو"۔

آخر دروازے کی گھنٹی بجی۔۔۔ انداز پروفیسر صاحب کا تھا۔۔۔ محمود

نے فوراً دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم"۔ وہ بولے۔

"وعلیکم السلام"۔ ان سب نے کہا۔

"خان رحمان۔۔۔ ذرا غور کر کے بتاؤ۔۔۔ وہ اب بھی۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ یہاں آ کر بھی تمہیں خوف محسوس ہو رہا ہے"۔

"ہاں بالکل ہو رہا ہے"۔ وہ بولے۔

"پہلے کی نسبت زیادہ یا کم"۔

"بس پہلے جتنا۔۔۔ نہ کم نہ زیادہ"۔

"اور فاروق۔۔۔ انکل کے آنے کے بعد تمہارا کیا حال ہے؟"

"پہلے والا"۔

"گویا کوئی فرق نہیں پڑا۔۔۔ تم دونوں برابر کا خوف محسوس کر رہے ہو۔۔۔ اب میں خان رحمان سے ایک سوال کرتا ہوں"۔

"ضرور کرو۔۔۔ میں تو خود سوچ رہا تھا' آج جمشید کو کیا ہو گیا ہے۔۔۔ کوئی سوال ہی نہیں کر رہا"۔

"آج تم سے کوئی ملنے آیا تھا۔۔۔ یا گھر کے کسی اور فرد سے کوئی ملنے کے لئے آیا ہو؟"

"ایک صاحب آئے تو تھے۔۔۔ کوئی کاروباری مشورہ کرنا چاہتے تھے۔۔۔ اصل میں وہ سونے کی کانوں کے خریدار ہیں۔۔۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ اب میں سونے کی کانوں کا مالک نہیں رہا۔۔۔ اس پر وہ چلے

گئے"۔

"تم نے خوف کب محسوس کرنا شروع کیا؟"

"سچ یہ ہے جمشید۔۔۔ جونہی اس نے گھنٹی بجائی' میں خوف محسوس کرنے لگا تھا"۔

"اور گھر کا کوئی اور فرد؟"

"نہیں۔۔۔ میرے علاوہ کسی نے خوف محسوس نہیں کیا۔۔۔ بیگم تو بلکہ میرا مذاق اڑاتی رہیں۔۔۔ اور بچے مسکراتے رہے"۔

"خدا کا شکر ہے۔۔۔ میں اپنی بیگم کے مذاق سے بچ گیا"۔

"آپ نے تو خوف محسوس ہی نہیں کیا۔۔۔ اگر کرتے۔۔۔ تب بھی میں آپ کا مذاق ہرگز نہ اڑاتی' اس لئے کہ آپ بلاوجہ ہرگز خوف زدہ نہیں ہو سکتے"۔

"ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ خان رحمان۔۔۔ اس آدمی کا حلیہ بتاؤ۔۔۔ اس نے اپنا کیا نام بتایا تھا؟"

"راؤ آفتاب"۔ وہ بولے۔

"اس کا حلیہ؟"

"حلیہ عجیب سا تھا۔۔۔ بہرحال سن لو۔۔۔ سنہری بال۔۔۔ سرخ و سفید رنگ۔۔۔ درمیانہ قد' سڈول جسم۔۔۔ ناک موٹا۔۔۔ آنکھیں نیلی"۔

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ نہیں"۔

وہ زور سے چلائے۔

○☆○

صرف انسپکٹر

"کیوں بھئی.... تمہیں کیا ہوا؟" پروفیسر داؤد ان کی طرف مڑے۔

"آپ جانتے ہیں.... انکل نے کس کا حلیہ بتایا ہے"۔

"نہیں.... مجھے کیا معلوم؟" وہ بولے۔

"ہارڈی پاؤلے کا.... جو ہمارے ہاں آیا تھا"۔

"کیا.... نہیں"۔ وہ اچھل پڑے.... پھر انسپکٹر جمشید بولے۔

"خان رحمان.... وہ تمہارے ہاں کتنے بجے آیا تھا؟"

"شام چار بجے"۔

"اور یہاں کتنے بجے آیا تھا؟"

"پونے پانچ بجے"۔

"تب وہ وہی تھا.... حیرت ہے.... آخر یہ حضرت چاہتے کیا ہیں"۔ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"خوف و ہراس پھیلانا.... کیونکہ اب تک تو ان کی وجہ سے صرف خوف ہی پھیلا ہے"۔

"ہوں خیر.... اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ خان رحمان اور ہمارے گھر آنے والا ایک ہی شخص تھا.... اور اس کی آمد سے دونوں گھروں کا ایک ایک فرد خوف کا شکار ہو گیا ہے.... اور باقی لوگوں کو ذرا بھی خوف محسوس نہیں ہوا.... ادھر توحید احمد ایک نئی کہانی سنا رہا ہے.... ہمیں خفیہ ادارے کے ایک کارکن کے ذریعے اطلاع ملی تھی کہ وزیر داخلہ کے سیکرٹری کے ہاں ایک غیر ملکی آدمی وارد ہوا ہے.... لہٰذا اس کی چیکنگ کے لیے توحید احمد کو بھیجا گیا.... چیف سیکرٹری رئیس سالاری نے بتایا کہ وہ غیر ملکی اس کا ایک دوست ہے.... لہٰذا تلاشی لینے کی ضرورت نہیں.... لیکن میں نے انہیں یہی کہا کہ وہ تلاشی لینے دیں.... اس میں ان کا ہی فائدہ ہے.... آخر انہوں نے اجازت دے دی' توحید احمد چیک کرنے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ وہ ایک دم اچھل کر کھڑا ہو گیا.... اور اس نے توحید احمد پر حملہ کر دیا.... توحید تو فوراً بے ہوش ہو گیا.... اس کے بعد اس نے باقی لوگوں کو بھی بے ہوش کر دیا اور نکل گیا.... اس سے پہلے اس نے رئیس سالاری کو دوست کی حیثیت میں یہ بات بتائی تھی کہ اس کا ایک سگا بھائی کچھ مدت پہلے گھر والوں سے ناراض ہو کر گھر سے نکل گیا تھا.... اب اتنا عرصہ گزر جانے پر اس کی تصویر اخبار میں نظر آئی.... تو پتا چلا کہ اسے گرفتار کر لیا گیا ہے.... اس نے ملک کے راز چرانے کی کوشش کی تھی.... اب وہ اپنے بھائی کو چھڑانے آیا ہے.... لیکن اگر وہ رئیس

سالاری کا واقعی دوست ہوتا۔۔۔ تو پھر اسے بھاگنے کی ضرورت
نہیں تھی۔۔۔ نہ ان لوگوں کو بے ہوش کرنے کی ضرورت تھی۔۔۔ اس کا
مطلب ہے۔۔۔ وہ کوئی نقلی آدمی تھا۔۔۔ ادھر ہماری طرف جو غیر ملکی
آیا۔۔۔ اس نے بھی یہی کہانی سنائی۔۔۔ کہ اس کا سگا بھائی۔۔۔ گھر سے
ناراض ہو کر چلا گیا تھا۔۔۔ ایک مدت بعد اس کی تصویر اخبار میں دیکھ کر
وہ اس طرف آنے پر مجبور ہوا۔۔۔ کیونکہ اس کے بھائی کو پولیس نے
گرفتار کر لیا ہے۔۔۔ اور یہاں سے بھی وہ شخص جا چکا ہے"۔

"جانے کا موقع تو آپ نے اسے خود ہی دیا تھا"۔

"ہاں! اس لیے کہ میں جاننا چاہتا ہوں۔۔۔ وہ کہاں ٹھہرا ہوا
ہے۔۔۔ کون ہے۔۔۔ اس کے ارادے کیا ہیں۔۔۔ لیکن معاملہ پیش آ گیا
فاروق کے خوف کا اور فاروق کے بعد خان رحمان کے خوف کا"۔

"آپ ہمارے خوف کو چھوڑیں۔۔۔ اس کا پتا کریں۔۔۔ نمبر نو سے
رپورٹ لیں"۔

"اوہ ہاں۔۔۔ نمبر نو سے رپورٹ تو واقعی لینی چاہیے"۔

یہ کہہ کر انہوں نے ایک خفیہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے نمبر نو سے
رابطہ کرنے کی کوشش کی۔۔۔ لیکن نمبر نو کے پاس موجود آلے نے
اشارہ کچھ نہ کیا۔۔۔ اب تو ان کی پیشانی پر لکیریں نمودار ہو گئیں۔۔۔
انہوں نے ایک اور ماتحت کو مخاطب کیا۔

"ہیلو نمبر دس۔۔۔ نمبر نو کا پتہ کرو۔۔۔ وہ میرے گھر سے ایک

غیر ملکی کے تعاقب میں نکلا تھا"۔

"اوکے سر"۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

ریسیور رکھ کر وہ ان کی طرف مڑے۔۔۔ چہرے پر سوچ کی گہری
لکیریں ابھر آئی تھیں۔

"آپ پریشان ہو گئے اباجان؟"

"ہاں قدرے۔۔۔ لیکن فکر کی کوئی بات نہیں۔۔۔ پہلے نمبر نو کے
بارے میں رپورٹ ملنے دو۔۔۔ پھر ہم کوئی قدم اٹھائیں گے۔۔۔ اس سے
پہلے نہیں۔۔۔ ویسے اب مجھے اس کے الفاظ یاد آ رہے ہیں۔۔۔ اس نے
کہا تھا۔۔۔ پانی ہمارے سر سے گزر جائے گا۔۔۔ پھر آپ پچھتائیں گے۔۔۔
لیکن اس وقت پچھتانے سے کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ آخر اس نے یہ الفاظ
کیوں کہے تھے؟"

"اس سے بھی پہلے سوال یہ ہے کہ کیا وہ واقعی جیک پانڈے
تھا۔۔۔ وہی جیک پانڈے۔۔۔ جو رئیس سالاری کے گھر گیا۔۔۔ پھر خان
رحمان کے گھر گیا اور اب ہمارے گھر آیا تھا۔۔۔ یا یہ تین الگ الگ
آدمی ہیں۔۔۔ ایک اور سوال۔۔۔ رئیس سالاری کے گھر آنے کا مقصد تو
سمجھ میں آتا ہے۔۔۔ کسی حد تک ہمارے گھر آنا بھی سمجھ میں آتا ہے۔۔۔
لیکن وہ خان رحمان کے گھر کیوں گیا۔۔۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ
رہی۔۔۔ کیوں فرزانہ"۔

"مجھے خوف زدہ کرنے کے لیے"۔ خان رحمان بولے۔

"اوہو.... یہ بات تو سمجھ میں نہیں آ رہی.... کہ اسے ہمیں
خوف زدہ کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی"۔
"میری سمجھ میں تو اس کیس کی ایک بات بھی نہیں آئی اب
تک.... ذہن الجھتا جا رہا ہے"۔ فاروق نے برا سا منہ بنایا۔
"گھبرانے کی ضرورت نہیں"۔
عین اس وقت وائرلیس پر اشارہ موصول ہوا' انہوں نے بٹن دبا
دیا تو نمبر دس کی آواز سنائی دی۔
"سر.... نمبر نو سڑک نمبر تین کے آخری موڑ پر بے ہوش ملا
ہے"۔
"اچھی بات ہے.... اسے ہسپتال لے جاؤ"۔
بٹن آف کر کے وہ ان کی طرف مڑے۔
"ہم اس کا سراغ کھو چکے ہیں.... مجھ سے غلطی ہوئی.... صرف
نمبر نو کو اس کے تعاقب میں نہیں بھیجنا چاہیے تھا.... دو سے زائد آدمی
جاتے تو بہتر تھا"۔
"لیکن اباجان.... ہمارے پاس تفتیش کے راستے بند نہیں
ہیں"۔
"ہاں کیوں نہیں.... آؤ چلیں.... اب ہمیں حرکت کرنا ہو
گی"۔
وہ اسی وقت وزیر خارجہ کے چیف سیکرٹری تیاری صاحب کے گھر

پہنچے.... دفتر کا وقت تو ختم ہو چکا تھا.... لہٰذا وہ گھر ہی ہو سکتے تھے۔
انہیں پہلے استقبالیہ کمرے میں بٹھایا گیا.... ان کے کارڈ اندر
بھیجے گئے.... پھر انہیں اندر لے جایا گیا' ملازم انہیں ڈرائنگ روم میں
بٹھا کر چلا گیا.... ڈرائنگ روم انتہائی قیمتی چیزوں سے سجا ہوا تھا....
دنیاوی عیش و عشرت کا سامان پوری طرح کیا گیا تھا۔
انہیں پانچ منٹ انتظار کرنا پڑا.... پانچ منٹ کا یہ انتظار انہیں
بہت ناگوار گزرا.... آخر قدموں کی آواز ابھری.... ایک لمبے قد کے
ادھیڑ عمر آدمی اندر داخل ہوئے۔
"السلام علیکم جناب"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔
"جیک پانڈے کے سلسلے میں آئے ہیں"۔
"کیا مطلب.... جیک پانڈے؟" وہ چونکے۔
"ہاں جناب جیک پانڈے.... اس نام کا ایک شخص آپ کے دفتر
میں ملازم تھا.... اس پر چند سرکاری راز چرانے کا الزام ہے.... اور اس
وقت وہ حوالات میں ہے"۔
"حوالات میں نہیں.... جیل میں"۔ انہوں نے فوراً کہا۔
"اوہ اچھا.... کیا اس کی گرفتاری کی خبر اخبارات میں بھی شائع
ہوئی تھی.... اور خبر کے ساتھ اس کی تصویر بھی لگی تھی"۔
"بالکل یہی بات ہے.... لیکن آپ کس لیے آئے ہیں"۔
"اس شخص کو چھڑانے کے لیے کچھ قوتیں میدان میں آئی

ہیں... پراسرار قوتیں"۔

"پراسرار قوتیں.... کیا مطلب؟" وہ چونک کر بولے۔

"ہاں جناب پراسرار قوتیں.... کیا رئیس سالاری صاحب نے اس سلسلے میں آپ سے کوئی بات نہیں کی"۔

"رئیس سالاری.... نہیں تو... کیا وہ بھی اس معاملے میں شامل ہیں کسی طرح؟"

"ان کے پاس ایک غیر ملکی شخص آیا تھا... اس غیر ملکی شخص سے ان کی ملاقات اس کے ملک میں ہوئی تھی.... سالاری صاحب وہاں کسی مشکل میں پھنس گئے تھے.... اس غیر ملکی شخص نے ان کی مدد کی تھی.... اب وہ اس کا بدلہ چاہتا تھا.... یعنی وہ چاہتا تھا... رئیس سالاری صاحب جیک پانڈے کو رہا کروا دیں... لیکن.... دراصل وہ شخص ان کا غیر ملکی دوست نہیں... اس کے میک اپ میں کوئی اور تھا... لہٰذا جب اس کو چیک کیا جانے لگا... تو وہ بھاگ نکلا اور جاتے ہوئے انہیں بے ہوش کر گیا"۔

"مجھے اس واقعے کی اطلاع نہیں ملی"۔ ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ ابھی تھوڑی دیر پہلے کا واقعہ ہے"۔

"اوہ اچھا... خیر.... آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں"۔

"ہم جیک پانڈے کے بارے میں تفصیل سے جاننا چاہتے

ہیں"۔

"فائل تو آپ کو دفتر سے ہی مل سکے گی"۔ وہ بولے۔

"تب پھر آپ دفتر فون کر دیں"۔

"اس وقت تو سب لوگ جا چکے ہیں... صبح آ جایئے گا"۔

"اس طرح وقت ضائع ہو گا... ہم اس معاملے میں دیر نہیں کر سکتے"۔

"آپ کا مطلب ہے... مجھے فائل اسی وقت نکلوا کر دینا ہو گی"۔

"ہاں بالکل"۔

"نہیں.... میں اس وقت یہ کام نہیں کر سکتا"۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

"اس طرح تفتیش میں رکاوٹ پیدا ہو گی"۔

"لیکن اس معاملے میں پریشانی کیا ہے... مجرم تو ہمارے قبضے میں ہے"۔

"میں اس مجرم کے لیے فکرمند ہوں... جو اسے چھڑانے کے لیے آیا ہوا ہے... وہ جیک پانڈے کو ہر حال میں چھڑا لینا چاہتا ہے"۔

"آپ فکر نہ کریں.... وہ جیل سے اسے نہیں نکلوا سکے گا"۔

"لیکن اگر ایسا ہو گیا تو... پھر آپ ذمے دار ہوں گے"۔ انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"یہ آپ مجھ سے کیسے لہجے میں بات کر رہے ہیں؟"

"آپ تعاون نہیں کر رہے.... آپ کو چاہیے تھا.... فوراً متعلقہ آدمی کو فون کرتے.... وہ دفتر پہنچ جاتا اور ادھر ہم پہنچتے.... فائل لے لیتے.... آپ کو اس سلسلے میں کوئی زحمت نہ ہوتی"۔

"لیکن فائل آپ کے کس کام آئے گی.... آپ جیل میں جا کر اس سے مل لیں.... اس کی حفاظت کے انتظامات کر لیں"۔

"ہم اس کے جرم کی تفصیل جاننا چاہتے ہیں"۔

"ایسا کل سے پہلے ناممکن ہے"۔ وہ بولے۔

"یہ جان کر حیرت ہوئی، دکھ بھی ہوا.... آخر آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں کہ ہم فائل کل سے پہلے نہ دیکھ سکیں"۔ انسپکٹر جمشید نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب.... یہ آپ نے کیا کہا.... آپ انسپکٹر ہیں نا.... محکمہ سراغرسانی کے صرف ایک انسپکٹر"۔

"جی نہیں.... میں انسپکٹر جمشید ہوں"۔ وہ پرسکون آواز میں بولے۔

"ہاں ہاں.... لیکن صرف انسپکٹر"۔ وہ جھلا کر بولے۔

"جی ہاں! یہی بات ہے"۔

"اور آپ وزیر خارجہ کے چیف سیکرٹری سے کس انداز میں بات کر رہے ہیں"۔

"ایک اہم ملکی مسئلہ درپیش ہے.... آپ اس مسئلے میں رکاوٹ بن رہے ہیں.... اس لیے میں نے ایسا لہجہ اختیار کیا.... میں آفیسرز حضرات سے بہت زیادہ نرم انداز میں بات کرتا ہوں.... اور کسی کی شان میں ذرا گستاخی نہیں کرتا، ورنہ اس موقعے پر میں کہتا کہ فائل میں زبردستی بھی اسی وقت حاصل کر سکتا ہوں"۔

"کیا!!!" تیاری صاحب اچھل کر کھڑے ہو گئے.... ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا.... اعضا کانپنے لگے.... پھر انہوں نے چلا کر کہا۔

"آپ فوراً یہاں سے چلے جائیں.... ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا"۔

"اب تو پھر ہم بھی نہیں جائیں گے"۔ وہ بولے۔

"یہ ایک اور کہی.... میں دیکھتا ہوں.... آپ کیسے نہیں جاتے"۔ یہ کہہ کر انہوں نے گھنٹی کا بٹن دبایا.... وہ پرسکون انداز میں بیٹھے رہے.... فوراً ہی ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

"باہر موجود باڈی گارڈز کو بلاؤ.... جلدی"۔ وہ چیخے۔

"یس.... یس سر"۔ وہ گھبرا گیا.... اور باہر کی طرف دوڑا.... پھر فوراً ہی دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی.... چار مسلح آدمی اندر آ گئے۔

"انہیں زد میں لے لیا جائے اور نکال باہر کیا جائے.... میں اپنے گھر میں ان کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتا"۔

"اچھے جناب"۔ ان میں سے ایک نے گرج کر کہا۔

وہ اب بھی اسی طرح بیٹھے رہے۔

"آپ نے سنا نہیں"۔ دوسرا بولا۔

"نہیں... اس لیے کہ ہم نے اپنے کان بیچ کھائے ہیں"۔

"اچھے... ورنہ ہم آپ پر فائرنگ بھی کر سکتے ہیں"۔

"مہربانی فرما کر پہلے فائرنگ کرنے کی اجازت لے لیں"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ یس"۔ ایک نے چونک کر کہا اور پھر تیاری صاحب کی طرف دیکھا۔

"آپ... آپ لوگ آخر چاہتے کیا ہیں؟" تیاری نے تھکے تھکے انداز میں کہا... کیونکہ اس بات نے اسے حیرت میں ڈال دیا تھا کہ وہ رائفلوں کو دیکھ کر بھی ذرا نہیں ہلے تھے۔

"فائل... اور یہ ہم حاصل کر کے رہیں گے... اب اگر آپ نے انھیں فائرنگ کا حکم دیا تو اور بات ہے... اس صورت میں یہاں سے ہماری لاشیں اٹھائی جائیں گی اور کل کے اخبارات میں جو تفصیلات شائع ہوں گی... وہ پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیں گی... لوگ کہیں گے... ہمارا جرم بس اتنا سا تھا کہ ہم ایک فائل فوری طور دیکھنا چاہتے تھے... اور اس بات پر... صرف اتنی سی بات پر ہمیں ہلاک کرا دیا گیا... لیکن نہیں... ہم لوگوں کو بتاتے جائیں گے... کہ معاملہ فائل دینے کا نہیں تھا... فائل اگلے دن دینے کا تھا... وزیر خارجہ کے چیف

...ری صاحب نہیں چاہتے تھے کہ ہم آج کی تاریخ میں اس فائل کا ...لعہ کریں... شاید وہ ہمیں دینے سے پہلے اس میں کچھ رد و بدل کرنا ...ہتے تھے"۔

"نن... نہیں... نہیں"۔

وہ مارے خوف کے چلا گئے... انھیں اس حد تک خوف زدہ دیکھ ...ر وہ حیرت زدہ رہ گئے... اس موقعے پر خوف زدہ ہونے کی تو کوئی وجہ ...ں تھی۔

○○

عجیب بات

"پھر وہ اپنی کرسی میں گرتے نظر آئے۔۔۔ یوں لگا جیسے بے
ہونے لگے ہیں"۔

"ارے ارے۔۔۔ آپ کو کیا ہو گیا"۔ انسپکٹر جمشید ان کی
بڑھے۔

"خبردار جناب! آپ ان کی طرف نہ جائیں۔۔۔ کہیں آپ ا
نقصان نہ پہنچا دیں"۔

"خاموش! میں انہیں کیوں نقصان پہنچاؤں گا۔۔۔ میری ان
کون سی دشمنی ہے۔۔۔ ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے"۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں ٹھیک ہوں۔۔۔ تم لوگ جاؤ۔۔۔ میں
سے بات کر لوں گا۔۔۔ مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں۔۔۔ میں بلاوجہ
میں آ گیا تھا"۔

"کیا۔۔۔ کیا واقعی سر؟" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہاں واقعی"۔

"او کے سر۔۔۔ لیکن اگر آپ کو ہماری ضرورت پیش آ جا

تو آپ فوراً گھنٹی بجا دیجئے گا اور آپ یقین فرمائیں۔۔۔ اگر آپ ہمیں
انہیں شوٹ کرنے کا حکم دیں گے تو ہم سوچے سمجھے بغیر انہیں شوٹ کر
دیں گے"۔

"میں جانتا ہوں۔۔۔ تم جاؤ"۔ وہ بولے۔

"یہ اور بات ہے کہ تم میں سے کسی کی گولی ہم میں سے کسی کو
نہ لگے"۔ فاروق مسکرایا۔

"ہم اتنے کچے نشانہ باز نہیں ہیں"۔

"خیر خیر۔۔۔ موقع ملا تو تمہاری نشانہ بازی کو آزمائیں گے"۔

"جب آپ کا جی چاہے"۔

"جاؤ۔۔۔ کہہ جو دیا"۔ تیاری نے جل کر کہا۔

اور وہ برے برے سے منہ بناتے چلے گئے۔۔۔ شاید وہ انہیں باہر
نکال کر خوشی محسوس کرتے۔

"اب بتائیں۔۔۔ آپ کو کیا ہوا ہے؟"

"خ۔۔۔ خوف۔۔۔ میں اچانک بے تحاشا خوف محسوس کر رہا ہوں
اور یہ خوف میری سمجھ میں نہیں آ رہا"۔ وہ بولے۔

"جی۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ آپ نے خوف ابھی اور اسی وقت سے
محسوس کرنا شروع کیا ہے یا پہلے سے"۔

"پہلے سے۔۔۔ آپ لوگوں کی آمد سے کئی گھنٹے پہلے سے خوف مجھ
پر حملہ آور ہوا تھا۔۔۔ میں اس کی وجہ نہیں سمجھ سکا تھا۔۔۔ پھر کسی نے

مجھے فون کیا تھا... گمنام فون"۔

"جی... کیا فرمایا... گمنام فون"۔ فاروق زور سے چونکا۔

"کیوں... آپ کو کیا ہوا... کیا آپ کو بھی کوئی گمنام فو
ہے؟" انہوں نے فاروق کو گھورا۔

"جی نہیں... ہمیں کوئی گمنام فون نہیں ملا"۔ اس نے ط
سے کہا۔

"تب پھر آپ اچھلے کیوں؟"

"اس لیے کہ یہ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے"۔ فاروق نے
کہا۔

"ہم... میں سمجھا نہیں"۔

"آپ سمجھیں گے بھی نہیں... اس کی باتیں بس الٹی
ہیں... فاروق تم چپ رہو... اس وقت بہت اہم بات ہو رہی ہے۔
ہاں تو تیاری صاحب... فون پر آپ سے کیا کہا گیا؟" انسپکٹر جمشید
پوچھا۔

"یہ کہ اگر میں نے فائل آپ لوگوں کے حوالے کی ت
مارے خوف کے مر جاؤں گا اور اس کا کہنا تو یہ ہے کہ آپ اب
سے خوف محسوس کرنا شروع کر رہے ہیں"۔ اس نے پراسرار اند
کہا۔

"تک... کیا پھر... کیا آپ نے اس فون کے فوراً بعد

محسوس کرنا شروع کر دیا تھا؟" پروفیسر داؤد نے پہلی بار حیرت زدہ ہو کر
کہا۔

"ہاں جناب... آپ کی تعریف؟"

"یہ پروفیسر داؤد ہیں... حیرت ہے... آپ انہیں نہیں جانتے"۔

"کیا... پروفیسر داؤد"۔

وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے... آنکھوں میں اب بے پناہ خوف
نظر آنے لگا... عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔

○

شہر کے ایک بڑے ہوٹل کی پانچویں منزل کے کمرہ نمبر ۵۰۹ میں
اس وقت ایک شخص موجود تھا... اچانک فون کی گھنٹی بجی... اس نے
پرسکون انداز میں ریسیور اٹھایا... دوسری طرف کی آواز سن کر وہ بولا۔

"ہاں! کیا رپورٹ ہے؟"

"انسپکٹر جمشید اس وقت تیاری صاحب کے ہاں موجود ہے...
اور اب تک اسے نکلتے نہیں دیکھا گیا... ایک بار باڈی گارڈز اندر گئے
تھے... شاید مسٹر تیاری انہیں دھکے دے کر باہر نکلوا دینا چاہتے تھے...
لیکن نہیں نکلوا سکے... اور باڈی گارڈز منہ لٹکا کر باہر آ گئے"۔ دوسری
طرف سے کہا گیا۔

"تم نے ان سے بات کی... یہ پوچھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے"۔

"نہیں سر... ابھی میں نے یہ نہیں پوچھا"۔

"بے وقوف ہو تم... فوراً ان سے ملو... اور پھر مجھے رنگ
کرو... اگر وہ کچھ نہ بتائیں... تو انہیں سبز نوٹوں کی جھلک دکھا دینا...
کچھ نوٹ جیبوں میں ٹھونس بھی دینا... اس کے بعد بھی وہ قابو میں نہ
آئیں تو ترکیب نمبر انیس"۔

"اوکے سر"۔ دوسری طرف سے کہا گیا اور اس نے فون بند کر
دیا۔

تین منٹ بعد پھر فون کی گھنٹی بجی۔

"رپورٹ حاضر ہے سر... پہلے تیاری نے ان لوگوں کو باہر نکال
دینے کا حکم دیا تھا... لیکن وہ ذرا نہیں ڈرے... الٹا انہوں نے
تینوں کو اور تیاری کو خوف زدہ کر دیا... اور اب شاید تیاری ان کی
ہدایات پر عمل شروع کر دے"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے... کیا میرے خوف کے تیر نے اپنا کام
نہیں کیا"۔

"یہ تو مجھے معلوم نہیں سر... کیونکہ میں نے اندر جا کر مسٹر
تیاری سے ملاقات نہیں کی"۔

"ہوں... ٹھیک ہے... میں دیکھتا ہوں اس احمق انسان کی...
شاید وہ اپنی جان سے ہاتھ دھونے پر تل گیا ہے"۔

"لیکن سر... اس وقت وہاں انسپکٹر جمشید ہیں... اگر آپ نے
اس وقت تیاری کو فون کیا تو وہ آپ کا فون نمبر معلوم کر لے گا اور

چند منٹ بعد اس ہوٹل تک پہنچ جائے گا"۔

"میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں... مجھے مشورہ نہ دو"۔

"اوکے سر... معافی چاہتا ہوں"۔

"معاف کیا... چوکس رہو... یہ معلوم کرو... ان کے درمیان
کیا باتیں ہوئی ہیں"۔

"ضرور سر... میں یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا"۔

"بہت خوب"۔ اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اب وہ اپنے کمرے سے نکلا اور کمرے کو تالا لگایا اور نیچے اتر کر
ہوٹل سے نکل گیا... پھر اس نے ایک ٹیکسی پکڑی... آدھ گھنٹے کے
راستے پر وہ ٹیکسی سے اتر گیا... اور اس کے چلے جانے کے بعد ایک
پبلک فون بوتھ میں گھس گیا۔

اس نے جلدی جلدی تیاری کے نمبر ملائے... پھر جونہی سلسلہ
ملا اس کی سرسراہٹ زدہ آواز گونجی۔

○

ان کی حیرت اچانک بہت بڑھ گئی... پروفیسر داؤد کا نام سن کر
تیاری کی آنکھوں میں اس قدر خوف سمٹ آیا تھا... کہ وہ حیران نہ
ہوتے تو کیا کرتے... پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے... کوئی بات
کرتے... فون کی گھنٹی بجی... تیاری کے جسم کو ایک جھٹکا لگا... شدید
جھٹکا... انہیں یوں لگا جیسے وہ ہوش میں آ گیا ہو... پھر اس نے سوالیہ

انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

"پہلے فون سن لیں.... پھر بعد میں بات کریں گے آپ سے"۔

"اوہ.... اچھا"۔ انہوں نے کہا اور پھر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو.... مسٹر تیاری"۔

آواز سن کر تیاری کے جسم کو ایک زبردست جھٹکا لگا.... پورا جسم کانپتا محسوس ہوا۔

"یس.... یس.... تیاری بات کر رہا ہوں"۔

"تمہیں میرا فون یاد نہیں رہا"۔

"ہاں.... یاد ہے سر.... بالکل یاد ہے"۔

"تب پھر.... تم نے انسپکٹر جمشید سے کیوں ملاقات کی"۔

"میں نے نہیں.... انہوں نے مجھ سے ملاقات کی"۔

"لیکن تم نے انہیں وقت کیوں دیا"۔

"میں نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ انہیں وقت نہ دیا جائے.... یہاں تک کہ میں نے تو اپنے گن مینوں کو یہاں بلا لیا تھا.... لیکن نہیں ڈرے.... اور مجھے ہتھیار ڈالنا پڑے"۔

"حد ہو گئی.... کیا تم اپنی موت چاہتے ہو مسٹر تیاری؟"

"اپنی موت بھی کوئی چاہتا ہے"۔ انہوں نے فوراً کہا۔

"تب پھر اس فائل کو جلا کر راکھ کر دو.... انسپکٹر جمشید کو ہرگز دیں"۔

"بہت بہتر سر.... ایسا ہی ہو گا"۔

"اور اگر ایسا نہ ہوا.... تو تم خوف سے مر جاؤ گے.... صرف اور صرف خوف سے.... تمہاری موت اس شہر کے لیے خوف ناک ترین موت ہو گی"۔

"نن نہیں.... نہیں.... میں نے کچھ نہیں کیا.... میرا کوئی قصور نہیں"۔

"فائل اگر انسپکٹر جمشید کو دے دی گئی تب تو تمہارا قصور نکل آئے گا نا"۔

"ہاں بالکل ٹھیک.... لیکن میں فائل ان کے حوالے نہیں کروں گا اس بات کو آپ لکھ لیں"۔

"میری نظریں تم پر ہیں.... چاہو تو اندر ہونے والی بات چیت تک سنا دوں تمہیں"۔

"نن نہیں.... نہیں"۔ وہ چلائے۔

اسی وقت فون بند کر دیا گیا.... ان کی آنکھوں میں اب اس حد تک خوف سمٹ آیا کہ خود وہ بھی خوف زدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے"۔

"آپ بہت خوف زدہ ہو گئے"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اگر آپ میری زندگی چاہتے ہیں.... تو پھر یہاں سے چلے جائیں.... ورنہ وہ مجھے خوف سے ہلاک کر دے گا"۔

"کیا کہا.... خوف سے ہلاک کر دے گا"۔

"ہاں! خوف سے۔۔۔ اس نے یہی کہا ہے"۔

"اور کیا اس نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ فائل ہمارے حوالے نہ کریں"۔

"ہاں! اس نے یہی مطالبہ کیا ہے"۔

"اوہ۔۔۔ بہت خوب۔۔۔ اچھا صرف اتنا بتا دیں۔۔۔ آپ پروفیسر داؤد صاحب کا نام سن کر خوف زدہ کیوں ہو گئے"۔

"پہلی بار جب اس نے فون کیا تھا۔۔۔ تو کہا تھا۔۔۔ کہ کچھ ہو جائے۔۔۔ پروفیسر داؤد سے ملاقات نہ کرنا۔۔۔ ورنہ تم ضرور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔۔۔ اور یہ بات ابھی تک تو شاید اسے معلوم نہیں ہوئی۔۔۔ جونہی معلوم ہو گی کہ یہاں پروفیسر داؤد موجود ہیں۔۔۔ وہ مجھ پر حملہ کر دے گا۔۔۔ یا کرا دے گا"۔ انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"نہیں۔۔۔ سوال یہ ہے کہ آپ کا جرم کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔۔۔ میرا جرم کیا ہے۔۔۔ جب مجھے جیک پانڈے پر شک ہوا تھا تو میں نے اس کے خلاف تفتیش کرائی تھی۔۔۔ وہ بھی محکمے کے آدمی کے ذریعے۔۔۔ اور اس نے رپورٹ دی تھی کہ وہ راز چراتا ہے۔۔۔ بس میں نے اسے گرفتار کرا دیا۔۔۔ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ اب اس کا معاملہ عدالت میں ہے۔۔۔ میں تو اسے رہا کرا نہیں سکتا۔۔۔ ہاں عدالت رہا کر دے تو اور بات ہے۔۔۔ اس لیے یہ لوگ مجھے صرف اس بات کی سزا دینا چاہتے ہیں کہ میں نے جیک پانڈے کے

خلاف کارروائی کیوں کی"۔

"او کے۔۔۔ ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔۔۔ آپ دفتر کے ریکارڈ کیپر کو فون کر دیں۔۔۔ تاکہ وہ دفتر پہنچ جائے۔۔۔ ہم اس سے فائل لے لیں گے"۔

"اس صورت میں وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا"۔

"آپ بلاوجہ خوف زدہ ہو گئے۔۔۔ میں آپ کی حفاظت کے لیے کوٹھی کے ارد گرد خفیہ فورس مقرر کر رہا ہوں۔

"اوہ اچھا۔۔۔ خیر۔۔۔ یونہی سہی"۔ اس نے کندھے اچکائے۔

اور پھر وہ باہر نکل آئے۔۔۔ جونہی وہ اپنی گاڑی میں بیٹھنے لگے۔۔۔ فرزانہ نے دبی آواز میں کہا۔

"ہماری نگرانی ہو رہی ہے۔۔۔ اور تعاقب بھی کیا جائے گا۔۔۔ تین کاریں ہمارے استقبال کے لیے تیار ہیں۔۔۔ ایک ہمارے آگے چلے گی۔۔۔ دوسری پیچھے۔۔۔ اور تیسری اور پیچھے رہے گی"۔

"حیرت ہے۔۔۔ ہمارے خلاف اس قدر انتظامات"۔ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"پتا نہیں کیا چکر ہے۔۔۔ ابھی تک اس چکر کا سر پیر سمجھ میں نہیں آیا"۔ فاروق بڑبڑایا۔

"ارے ہاں! فاروق تمہارے خوف کا کیا حال ہے؟"

"اوہ میرا خوف۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ اپنی جگہ پر اسی طرح موجود ہے"۔

"اور خان رحمان۔۔۔ تمہارے خوف کا کیا حال ہے؟"

"وہ بھی اپنی جگہ پر موجود ہے"۔

"مطلب یہ کہ اپنے گھر سے نکلنے کے بعد سے لے کر اب تک خوف میں کوئی کمی نہیں ہوئی"۔

"نہیں۔۔۔ بالکل نہیں"۔ دونوں نے بیک وقت جواب دیا۔

"اور ادھر تیاری صاحب خوف میں مبتلا ہیں۔۔۔۔ اس نامعلوم آدمی کے خوف میں۔۔۔۔ ارے۔۔۔۔ میں نے خفیہ فورس کو فون نہیں کیا"۔

یہ کہہ کر وہ فون کرنے لگے۔۔۔ ہدایات دینے کے بعد انہوں نے سیٹ بند کر دیا اور سرسراتی آواز میں بولے۔

"عجیب بات ہے"۔

"جی۔۔۔ کون سی بات عجیب ہے"۔

"ہم۔۔۔ میں۔۔۔ میں بھی خوف محسوس کر رہا ہوں"۔

"کیا!!!" وہ سب بلند آواز میں چلائے۔

○○

چلے جاؤ

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے۔۔۔ بس گاڑی چلنے کی آواز آتی رہی۔۔۔ پھر پروفیسر داؤد بولے۔

"جمشید۔۔۔ کیا مذاق کر رہے ہو"۔

"نہیں۔۔۔ میں واقعی خوف محسوس کر رہا ہوں اور مزے کی بات یہ ہے۔۔۔۔ کہ میں نے خوف ابھی ابھی محسوس کیا ہے۔۔۔ اس سے پہلے ہم اتنی دیر تک تیاری صاحب کے گھر میں رہے۔۔۔۔ میں نے کوئی خوف محسوس نہیں کیا۔۔۔ اب ہم میں سے صرف محمود، فرزانہ اور پروفیسر داؤد رہ گئے ہیں۔۔۔ جنہیں خوف محسوس نہیں ہو رہا"۔

"ہمیں بھی نہ جانے کب محسوس ہونے لگے گا"۔ محمود گھبرا گیا۔

اور وہ خوف کے باوجود مسکرانے لگے۔۔۔ پھر وہ دفتر خارجہ پہنچ گئے۔۔۔ وہاں چوکیدار موجود تھا۔

"ادھر ریکارڈ کیپر صاحب تو نہیں آئے"۔

"جی۔۔۔ جی نہیں۔۔۔۔ وہ اس وقت کیوں آئیں گے بھلا"۔

"تیاری صاحب نے انہیں فون کیا تھا۔۔۔ تاکہ وہ یہاں پہنچ

جائیں"۔

"اوہ اچھا... تب پھر وہ نہیں پہنچے"۔

"آپ کو ان کے گھر کا نمبر تو معلوم ہو گا"۔

"جی... جی نہیں"۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

"اب انہوں نے ایکس چینج سے ریکارڈ کیپر کے نمبر معلو
کیے... پھر فون پر وہ نمبر ڈائل کیے... دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آوا
سنائی دی... گھنٹی بجتی رہی... لیکن کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا... پھ
فون بند ہو گیا۔

"حیرت ہے... کسی نے ریسیور نہ اٹھایا... اگر وہ گھر میں نہیں
ہیں اور اس طرف چل چکے ہیں... تب بھی گھر کے دوسرے افرا
ہوں گے... کیوں جناب... کیا درانی صاحب اکیلے رہتے ہیں"۔

"جی نہیں... ان کے بیوی بچے ہیں"۔

"اوہ! تب پھر وہاں گڑبڑ ہے... آؤ چلیں"۔ انہوں نے گھبرا
کہا۔

"گڑبڑ... کیسی گڑبڑ؟" چوکیدار نے چونک کر کہا۔

"یہ ہمیں ابھی معلوم نہیں... وہاں چل کر پتا چلے گا"۔

اور پھر وہ آندھی اور طوفان کی طرح روانہ ہوئے... گھر کا
چوکیدار سے مل گیا تھا... مکان تلاش کرنے میں انہیں کوئی دقت
ہوئی... لیکن... وہ حیران رہ گئے... دروازہ چوپٹ کھلا تھا... انہوں

آؤ دیکھا نہ تاؤ... فوراً اندر داخل ہو گئے... اور پھر انہیں ایک
زبردست دھچکا لگا... گھر کے سب افراد بے ہوش پڑے تھے... انہیں
ہلایا جلایا گیا... لیکن وہ ہوش میں نہ آئے... ایسے میں خان رحمان
ڈری ڈری آواز میں بولے۔

"جمشید... م... مجھے... مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے"۔

"تمہیں... وہ تو تمہیں پہلے سے محسوس ہو رہا ہے"۔ انہوں
نے منہ بنایا۔

"اوہ میں غلط کہہ گیا"۔

"کیا مطلب... کیا غلط کہہ گئے... کیا تمہارا خوف دور ہو گیا؟"
انہوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"جی نہیں... میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ میرے خوف میں اب حد
درجے اضافہ ہو گیا ہے"۔

"اوہ نہیں"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

"م... میں... میں اب یہاں نہیں ٹھہر سکتا... میں گھر جا رہا
ہوں"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی خان رحمان نے دوڑ لگا دی۔

"ارے ارے... خان رحمان سنو... ہم تمہیں گاڑی پر چھوڑ
آتے ہیں"۔ وہ چلائے۔

خان رحمان نے جیسے سنا ہی نہیں... بس دوڑتے رہے۔

"پروفیسر صاحب آپ فوراً گاڑی لے جائیں.... اور انہیں گاڑی
میں بٹھا کر ان کے گھر چھوڑ آئیں.... پھر آپ یہیں آ جائیے گا"۔
"اوہ اچھا"۔ انہوں نے کہا اور گاڑی کی طرف دوڑ پڑے.... پھر
گاڑی خان رحمان کے پیچھے جاتی نظر آئی.... ایسے میں فاروق کی آواز
نے انہیں چونکا دیا۔
"ہم.... معاف کیجئے گا ابا جان.... اب میں بھی یہاں نہیں رہ
سکتا"۔
"کیا مطلب؟" وہ بولے۔
"میرے خوف میں اب بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے.... م
میں.... میں گھر جا رہا ہوں"۔
"ٹھہرو.... ہم خود تمہیں چھوڑ آتے ہیں"۔ یہ کہہ کر انسپکٹر
جمشید نے اسے بازو سے پکڑ لیا.... وہ بازو چھڑانے کے لیے زور لگانے
لگا۔
"نن نہیں.... مجھے چھوڑ دیں.... میں رک نہیں سکتا"۔
"آؤ.... میں بھی چلتا ہوں.... محمود.... فرزانہ تم یہیں ٹھہرو
ڈاکٹر کو فون کر دو"۔
"اچھی بات ہے"۔
انسپکٹر جمشید اسے لے سڑک کی طرف چلے گئے.... غالباً
ٹیکسی پر اسے چھوڑ کر آنا چاہتے تھے.... ان کی نظروں سے اوجھل

ہونے کے بعد محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔
"یہ.... یہ کیا ہو رہا ہے.... اب تو ابا جان کو بھی خوف محسوس
ہونے لگا ہے.... اگر ان کے خوف میں بھی اچانک اضافہ ہو گیا.... تو پھر
کیا ہو گا؟"
"وہی ہو گا جو خدا کو منظور ہو گا.... فی الحال تو ڈاکٹر کو فون کرتے
ہیں"۔
اور پھر محمود نے ڈاکٹر فاضل کو فون کیا.... صورت حال بتائی....
گھر کا پتا بتایا اور ریسور رکھ دیا۔
"اف فرزانہ.... اب.... اب کیا ہو گا"۔
"پہلی بات تو یہ ہے کہ میرا نام اف فرزانہ نہیں ہے"۔
"اگر ابا جان کے خوف میں بھی اضافہ ہو گیا.... تو.... رہ جائیں
گے ہم دونوں"۔ محمود نے جیسے اس کا جملہ سنا ہی نہیں۔
"ہم دونوں نہیں.... ہم تینوں"۔ فرزانہ نے منہ بنایا۔
"کیا تم امی جان کو بھی شامل کر رہی ہو.... جب کہ وہ ہمارے
ساتھ کیس حل نہیں کرتی پھرتیں"۔ محمود نے اسے گھورا۔
"میں اتنی پاگل نہیں.... میں نے پروفیسر انکل کو شامل کیا ہے....
ہمارے اس انوکھے مجرم کی اگر سٹی گم ہوتی ہے تو پروفیسر انکل سے....
اس نے فون پر بھی یہی ہدایات دی تھیں تاکہ پروفیسر داؤد کے پاس
ہرگز نہ جانا.... ورنہ انجام بہت بھیانک ہو گا.... آخر وہ خوف محسوس

کرنے والوں سے یہ کیوں چاہتے ہیں کہ وہ پروفیسر انکل کے پاس
جائیں"۔

"ہاں! یہ بات تو ہے"۔

"اس کا تو پھر صاف مطلب یہ ہے کہ اس خوف کا تعلق
سائنس کی ایجاد سے ہے۔۔۔ اور وہ ڈرتا ہے کہ پروفیسر داؤد کہیں یہ
معلوم نہ کرلیں کہ وہ کس طرح خوف میں مبتلا کر رہا ہے"۔

"تب پھر ہمیں فوری طور پر یہ کام کرنا چاہیے۔۔۔ ابا جان
غلطی ہوئی۔۔۔ انہیں تو پروفیسر انکل سے کہنا چاہیے تھا کہ وہ انکل
رحمان کو تجربہ گاہ لے جائیں"۔

"تو ہم یہ بات ان سے اب کہہ دیتے ہیں۔۔۔ موبائل فون
کے پاس ہے"۔

"بالکل ٹھیک"۔

انہوں نے فوراً پروفیسر داؤد کے موبائل والے نمبر ملائے۔

"جی پروفیسر بات کر رہا ہوں"۔

"انکل۔۔۔ آپ انکل خان رحمان کو ان کے گھر کی طرف
رہے ہیں نا"۔

"ہاں بالکل۔۔۔ تم فکر نہ کرو"۔

"لیکن ہماری درخواست ہے۔۔۔ آپ انہیں تجربہ گاہ
جائیں"۔

"یہ کیوں؟" وہ چونکے۔

"ان کا علاج وہیں ہو سکتا ہے۔۔۔ کوئی ڈاکٹر علاج نہیں کر سکے
۔۔۔ آپ کرلیں گے۔۔۔ یہی ہمارا اندازہ ہے"۔

"او کے۔۔۔ لیکن اگر یہ اڑ گئے۔۔۔ کہ نہیں۔۔۔ مجھے تو گھر ہی جانا
"۔

"اس صورت میں جو آپ محسوس کریں۔۔۔ دوسری بات' انکل
رحمان اور آپ کے جانے کے بعد فاروق کی حالت بھی ایسی ہی ہو
گئی۔۔۔ اس نے بھی گھر کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔۔۔ ابا جان اسے
تک چھوڑنے گئے ہیں۔۔۔ ہم انہیں بھی فون کر رہے ہیں۔۔۔ تاکہ وہ
فاروق کو براہ راست آپ کے پاس پہنچا دیں"۔

"اور۔۔۔ اور خود انسپکٹر جمشید جو یہ خوف محسوس کر رہے تھے"۔

"پتا نہیں۔۔۔ ان کے خوف میں اضافہ ہوا یا نہیں۔۔۔ اگر انہوں
بھی اضافہ محسوس کیا تو پھر انہیں بھی آپ کے ہسپتال میں داخل
پڑے گا"۔

"پھر رہ جاؤ گے تم دو۔۔۔ اور تم اس اکیلے اور خوفناک ترین
کے لیے کیا کرو گے"۔

"جو بن پڑا۔۔۔ وہ کریں گے۔۔۔ اور ہم دو نہیں۔۔۔ تین ہیں۔۔۔
بھی تو ہمارے ساتھ شامل ہیں"۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"میں ان لوگوں کو سنبھالوں گا یا۔۔۔ تم دونوں کا ساتھ دوں گا"۔

انھوں نے گھبرا کر کہا۔
"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا... دیکھا جائے گا"۔
"اچھی بات ہے"۔ انھوں نے کہا۔
اب محمود نے اپنے والد کا موبائل نمبر ڈائل کیا... جلد
کی آواز سنائی دی۔
"ہاں محمود... کیا بات ہے"۔
"فاروق کا اب کیا حال ہے"۔
"وہی حال ہے"۔
"تب پھر آپ ہسپتال کی بجائے اسے پروفیسر انکل کے پاس
جائیں... اس کا علاج وہاں ہو سکے گا"۔
"اوہ ہاں... حیرت ہے... یہ خیال مجھے کیوں نہیں آیا"۔
"خیال کو ٹھہرا... آئے آئے... نہ آئے نہ آئے"۔
مسکرایا۔
"شکریہ محمود... میں سیدھا وہیں جا رہا ہوں"۔
محمود نے فون بند کر دیا اور فرزانہ کی طرف مڑا۔
"فرض کیا فرزانہ... میں یا تم بھی خوف محسوس کرنے لگے
ہو گا"۔
"لیکن ہم ایسی کوئی بات فرض ہی کیوں کریں"۔ فرزانہ
بنایا۔

"جس شخص نے ہمارے تین ساتھیوں کو خوف میں مبتلا کر دیا
ہے... اس کے لیے ہمیں بھی خوف میں مبتلا کرنا کیا مشکل کام ہے"۔
"بات مشکل اور آسان کی نہیں... اس کے پروگرام کی ہے....
اور ہمیں نہیں معلوم، اس کا پروگرام کیا ہے.... بظاہر وہ اس لیے آیا
ہے کہ جیک پانڈے کو رہا کرائے... لیکن اس کام کے لیے اس قدر
گھماؤ پھراؤ کی کیا ضرورت تھی... یہ بات ابھی تک سمجھ میں نہیں
آئی"۔
"آ جائے گی آہستہ آہستہ"۔ محمود نے مسکرا کر کہا۔
پھر وہاں ڈاکٹر فاضل پہنچ گئے... انھوں نے بے ہوش افراد کا
معائنہ کیا... انھیں ایک ایک انجکشن دیا... تھوڑی دیر تک انتظار
کرتے رہے... جب ہوش نہ آیا تو ایک ایک انجکشن اور دیا... آخر
بولے۔
"یہ بے ہوشی میری سمجھ سے باہر ہے.... ان لوگوں کو ہسپتال
لے جانا پڑے گا.... میں ایمبولینس کو فون کرتا ہوں"۔
"بہت خوب... تب پھر یہ بے ہوش لوگ آپ کے حوالے...
ان کے ہوش میں آنے پر ہم خود ہسپتال آ جائیں گے"۔
"اچھی بات ہے"۔ ڈاکٹر صاحب بولے۔
وہ وہاں سے باہر نکلے اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر تجربہ گاہ پہنچے....
خان رحمان اور فاروق وہاں موجود تھے.... انسپکٹر جمشید اور پروفیسر داؤد

ساکت بیٹھے تھے۔

"آپ لوگوں کو کیا ہوا؟"

"سکتہ"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیوں.... یہ آپ کی سکتے سے کب دوستی ہو گئی"۔

"پروفیسر صاحب! نے مجھے ابھی ابھی ایک بات بتائی ہے... بس اس نے مجھے اور خود انہیں بھی سکتے میں مبتلا کر دیا ہے"۔

"اور وہ کیا؟" محمود نے فوراً کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا"۔ انسپکٹر جمشید جھلا اٹھے۔

"جی کیا مطلب... اس میں دماغ چلنے کی بات کہاں سے نکل آئی"۔ محمود گھبرا گیا۔

"بھئی بات نکلنے کی بھی ایک ہی کہی.... کہیں سے بھی نکل سکتی ہے"۔ فرزانہ نے فوراً کہا۔

"جس بات کو سن کر میں سکتے میں آ گیا.... خود سنانے والا سکتے میں آ گیا.... بات وہ بات سن کر کیا کرو گے"۔

"اوہ اچھا... یہ بات ہے... لیکن اس بات میں بھی ایک بات سمجھ میں نہیں آئی"۔ محمود نے کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"پروفیسر انکل کی کوئی بات سن کر آپ کا سکتے میں آنا تو سمجھ میں آتا ہے.... لیکن خود پروفیسر انکل کا سکتے میں آنا سمجھ میں نہیں آتا"۔

"وہ بات ہی ایسی ہے"۔

"آخر کیا؟"

"پھر وہی... بھئی ہم نہیں چاہتے کہ تم بھی سکتے میں آ جاؤ... اچھا ہاں.... تم یہاں کیوں آ گئے... جاؤ اور جا کر اس کیس پر کام کرو"۔

"کیس پر کام کرنے کے راستے بند ہیں... ریکارڈ کیپر کو ہوش نہیں آ سکا... مطلب یہ کہ جب تک وہ ہوش میں نہیں آ جائیں گے... ہم فائل نہیں حاصل کر سکیں گے"۔

"کوئی پروا نہ کرو... اب فائل کی بات جانے دو... تم کام کرو... بس جاؤ"۔

"اتنا تو بتا دیں.... اب ہم کام کہاں سے شروع کریں"۔

"کہیں سے بھی... یہ میں تم پر چھوڑتا ہوں... جلدی یہاں سے نکل جاؤ.... اس جگہ تمہارے لیے خطرہ ہے... جاؤ نکل جاؤ"۔

"یہ.... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... یعنی ہمارے لیے خطرہ ہے... اور آپ کے لیے؟"

"ہمارے لیے نہیں رہا اب... ہم تو پہلے ہی زد میں ہیں"۔

"اوہ اچھا... خیر.... آؤ فرزانہ چلیں"۔

وہ دوڑتے ہوئے باہر آ گئے۔ تجربہ گاہ سے نکل کر ہی انہوں نے سکون کا سانس لیا... پھر محمود نے کہا۔

"اب پہلے گھر چل کر کار لے لیتے ہیں... بار بار ٹیکسی پکڑنا بھی

آسان کام نہیں"۔

"ٹھیک ہے"۔ فرزانہ نے تائید کی۔

وہ فوراً گھر پہنچے.... دروازہ اندر سے بند تھا.... انہوں نے دستک دی۔۔۔ انہیں یوں لگا جیسے اندر کوئی نہ ہو۔۔۔ لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔۔۔ دوبارہ دستک دی۔۔۔ کوئی جواب نہ ملا.... تیسری بار دستک دی۔۔ لیکن دروازہ کھولنے کوئی نہ آیا۔۔۔ اب تو ان کی سٹی گم ہو گئی۔۔۔ وہ تیزی سے بیگم شیرازی کے دروازے پر آئے۔۔۔ جونہی محمود نے دستک دی۔۔۔ اندر سے ایک حد درجے خوفناک آواز سنائی دی۔

"جاؤ۔۔۔ چلے جاؤ"۔

OO

جو ہوتا ہے ہو جائے

دونوں نے بوکھلا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا.... آواز بیگم شیرازی کی تھی۔۔۔ لیکن انہوں نے دروازہ کھولے بغیر اس طرح آج تک کسی کو بھی نہیں کہا تھا۔۔۔ جاؤ چلے جاؤ۔۔۔ جب کہ اس کے دستک دینے کے انداز کو وہ بخوبی پہچانتی تھیں۔۔۔ آخر محمود نے گھبرا کر کہا۔

"آنٹی میں ہوں.... محمود"۔

"پہچانتی ہوں.... اچھی طرح.... اسی لیے کہا ہے نا۔۔۔ جاؤ چلے جاؤ"۔

"ہماری امی تو آپ کے ہاں نہیں ہیں"۔

"تمہاری امی.... ہاں۔۔۔ ہیں.... پھر اس سے کیا ہوتا ہے"۔

"امی جان۔۔۔ یہ سب کیا ہے.... دروازہ کھول دیں"۔

"تم نے اپنی آنٹی کی ہدایت نہیں سنی.... جاؤ چلے جاؤ"۔ وہ چلائیں۔

"گویا آپ بھی یہی کہہ رہی ہیں.... جاؤ چلے جاؤ"۔

"ہاں۔۔۔ کیوں نہ کہوں۔۔۔ تم جاتے ہو یا پھر"۔ انہوں نے دھمکی

دینے کے انداز میں کہا۔

ان کی سٹی گم ہو گئی.... ان کی والدہ نے بھی آج تک ان سے ایسے لہجے میں بات نہیں کی تھی۔

"امی جان! آپ ٹھیک تو ہیں.... دروازہ کھول دیں.... تاکہ ہم اپنا اطمینان کر سکیں"۔

"دروازہ نہیں کھلے گا.... چلتے پھرتے نظر آؤ.... ورنہ تمہاری وجہ سے ہم بھی مشکل میں پھنس جائیں گے"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے"۔

اندر سے کوئی جواب نہ ملا.... فرزانہ نے اسے اشارے میں کہا۔

"یوں بات نہیں بنے گی.... آؤ میرے ساتھ"۔

وہ اسے پائیں باغ میں لے آئی.... یہاں سے وہ ایک درخت کے ذریعے اپنی چھت پر اتر سکتے تھے.... اور ایسا پہلے بھی بہت مرتبہ کر چکے تھے.... لہٰذا پہلے وہ اپنی چھت پر اترے.... پھر بیگم شیرازی کی چھت پر آئے.... وہ دبے پاؤں سیڑھیاں اتر کر صحن میں آ گئے.... بیگم شیرازی والے کمرے سے دونوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں.... وہ دبے پاؤں دروازے تک آ گئے اور پھر کان لگا دیے.... اندر بیگم جمشید ہنس کر کہہ رہی تھیں۔

"چلے گئے دونوں بے وقوف.... ہم نے انھیں الو بنا دیا۔ ہاہاہا"۔ بیگم جمشید کہہ رہی تھیں۔

"ہوتے جو الو کے پٹھے.... الو نہ بنتے تو کیا بنتے"۔

دونوں کو غصہ آ گیا.... لیکن پھر انھوں نے اپنے غصے پر قابو پا لیا۔ ظاہر ہے.... وہ تو اپنے ہوش و حواس میں تھیں ہی نہیں.... ان سے کیا بات کی جا سکتی ہے.... لہٰذا چپ چاپ کھڑے رہے۔

"ویسے مجھے ان دونوں پر ترس آ رہا تھا"۔ بیگم شیرازی کی آواز سنائی دی۔

"ترس.... ہاں.... وہ تو خیر مجھے بھی آیا تھا.... لیکن ہم کیا کرتے.... مجبور تھے.... ان کے لیے دروازہ نہیں کھول سکتے تھے.... ادھر ہم دروازہ کھولتے.... ادھر ہماری موت خوف سے واقع ہو جاتی.... یہی کہا تھا نا اس نے فون پر"۔

"بالکل یہی کہا تھا' لیکن وہ کون تھا؟"

"پتا نہیں.... کون تھا.... اتنا ہے.... جب سے اس نے ہم سے فون پر بات کی ہے.... اسی وقت سے ہم بے تحاشا خوف محسوس کر رہی ہیں"۔

دونوں چونک اٹھے.... پھر گھر سے باہر نکل آئے۔

"کیا اس خوف کا تعلق فون سے ہے"۔ محمود نے سرسراتی آواز منہ سے نکالی۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر فاروق نے کس کا فون سنا تھا.... اس وقت تو کسی کا فون نہیں آیا تھا"۔

"ذہن دوڑاؤ۔۔۔ شاید کوئی فون آیا ہو"۔
دونوں سوچ میں ڈوب گئے۔۔۔ آخر فرزانہ نے کہا۔
"نہیں۔۔۔ کوئی فون نہیں آیا تھا۔۔۔ اس نے تو بس بیٹھے بٹھائے
خوف محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔۔۔ پہلے وہ کسی کیس کے شروع ہونے
کے خیال سے پریشان تھا۔۔۔ پھر جب گھنٹی بجی۔۔۔ تو اس پر خوف کا حملہ
ہوا اور وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔۔۔ یہی ہوا تھا نا"۔
"ہاں! یہی ہوا تھا۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ یہ خوف فون کے
ذریعے نہیں حملہ آور ہوتا"۔ محمود نے اس کی تائید کی۔
"تب پھر۔۔۔ آخر کیسے محسوس ہوتا ہے۔۔۔ اور انکل خان رحمان
نے بھی یہی بتایا ہے کہ جب وہ ملاقاتی آیا۔۔۔ اس وقت انہوں نے
خوف محسوس کرنا شروع کر دیا"۔
"اور ابا جان"۔
"ان سے بھی بہرحال اس ملاقاتی کی ملاقات ہوئی تھی"۔
"تب پھر ہم پہلے رئیس سالاری کے ہاں کیوں نہ چلیں۔۔۔ شاید
یہ چکر وہیں سے شروع ہوا ہے"۔
"کوئی حرج نہیں۔۔۔ اب ہمیں کام تو کرنا ہوگا"۔
"اور کام بھی مسلسل۔۔۔ یعنی رکے بغیر۔۔۔ آرام کیے بغیر۔۔۔
کھانے پینے کا ہوش کیے بغیر"۔ فرزانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
وہ اسی وقت رئیس سالاری کے ہاں پہنچ گئے۔۔۔ وہ اب ل

ہوش میں تھے۔۔۔ ان کے گھر کے افراد ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔۔۔
انہوں نے ان دونوں کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔
"خیر تو ہے۔۔۔ آپ ہمیں حیران ہو کر کیوں دیکھ رہے ہیں؟"
"حیران ہو کر نہیں۔۔۔ خوف زدہ ہو کر"۔ وہ بولے۔
"کیا مطلب؟"
"آپ مجھ پر حملہ کرنے کی نیت سے آئے ہیں۔۔۔ یہی بات ہے
نا"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے اپنا پستول نکال لیا۔۔۔ دونوں گھبرا
گئے۔
"یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں"۔
"میں تم دونوں کو شوٹ کر دوں گا۔۔۔ ورنہ فوراً یہاں سے چلے
جائیں"۔
"ہم آپ سے صرف آپ کے دوست میک کے بارے میں بات
کرنے آئے ہیں۔۔۔ اور کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ آپ یہ پستول جیب میں
رکھ لیں"۔
"نہیں۔۔۔ تم چلے جاؤ بس"۔ وہ چلائے۔
"ہمیں افسوس ہے۔۔۔ ہم اس طرح نہیں جا سکتے"۔
"وہ کیوں جناب؟" وہ تلملا کر بولے۔
"وہ اس لیے کہ ہمیں آخر اس کیس پر کام کرنا ہے۔۔۔ اگر ہم
اس طرح ہر جگہ سے ناکام ہوتے رہے۔۔۔ تو کام کیسے چلے گا"۔

"تب پھر میں فائر کرنے لگا ہوں"۔ وہ چیخے۔

"مجبوری ہے"۔ فرزانہ نے کندھے اچکائے۔

"مجبوری ہے... کیسی مجبوری"۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہم نہیں جا سکتے... آپ کو جو کرنا ہے... ذرا جلدی سے کریں"۔

"او کے"۔ اس نے کہا اور ایک فائر محمود پر اور ایک فرزانہ پر جھونک مارا۔

دونوں تڑپے گرے اور لڑھک گئے۔

"مارے گئے بے چارے... اگرچہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا"۔ اس نے افسوس ناک انداز میں کہا۔

"آپ کا اندازہ غلط ہے"۔ یہ کہتے ہوئے محمود اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوہ تم بچ گئے"۔ وہ دھاڑے۔

"صرف یہ نہیں... میں بھی بچ گئی"۔ فرزانہ بولی۔

"اب میں تم پر مسلسل فائرنگ کروں گا"۔

"ہم تو پہلے ہی کہہ چکے ہیں... جو کرنا ہے... ذرا جلدی کریں... لیکن پستول میں ایک آخری گولی ضرور بچا لیجیے گا"۔

"آخری گولی... کیا مطلب؟" وہ چونک کر بولے۔

"آخری گولی کا مطلب... آخری گولی ہی ہوتا ہے"۔ محمود نے کہا۔

"تم لوگ یوں نہیں مانو گے"۔

انہوں نے غرا کر کہا اور پے در پے ٹریگر دباتے چلے گئے... وہ ادھر ادھر اچھل کود اور لڑھک کر آسانی سے وار بچاتے گئے... یہاں تک کہ پستول خالی ہو گیا۔

"افسوس! آپ نے ایک گولی بھی نہیں بچائی"۔

"بچا کر میں اس کا اچار ڈالتا؟"

"نہیں... آپ اس گولی کو اپنے لیے رکھ سکتے تھے... جو ہم آپ کے دماغ میں اتار دیتے... خیر... اب یہ کام ہم اپنے پستول سے کر لیں گے"۔ یہ کہہ کر محمود نے جیب سے اپنا پستول نکال لیا... اور ان کی طرف تان لیا۔

"یہ... یہ کیا... تم... تم ایک سرکاری عہدیدار پر فائر کرو گے"۔

"اگر سرکاری عہدیدار ہم پر فائرنگ کر سکتے ہیں تو ہم کیوں ایسا نہیں کر سکتے"۔

"فوراً گرفتار کر لیے جاؤ گے"۔

"ایسا نہیں ہو گا... اب آپ جلدی سے بتائیں... میک سے آپ کی ملاقات کس طرح ہوئی تھی؟"

"نہیں بتاؤں گا... کچھ نہیں بتاؤں گا"۔ انہوں نے مارے خوف کے کہا۔

"آخر کیوں۔۔۔ وجہ؟" فرزانہ چلائی۔

"اس لیے کہ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔۔۔ خوف کے ہتھیار سے ہی مار ڈالے گا"۔

"خوف کے ہتھیار سے۔۔۔ کیا مطلب؟"

"یہ اس کا بہت زبردست ہتھیار ہے۔۔۔ جسے چاہتا ہے۔۔۔ خو
میں مبتلا کر دیتا ہے۔۔۔ تم پر بھی نہ جانے کب خوف کا حملہ ہو جائے
ڈرو اس وقت سے اور اپنے گھر چلے جاؤ۔۔۔ یہ پستول تمہارے کسی کا
کا نہیں آئے گا"۔

"پہلے آپ میک کے بارے میں بتائیں۔۔۔ وہ آپ کا دوست
کیسے بنا تھا۔۔۔ بس صرف اتنا بتا دیں۔۔۔ اس کے بعد ہم یہاں سے چ
جائیں گے"۔

عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

"اوہ میری بیوی اور بیٹی آ گئیں۔۔۔ آپ ذرا زحمت کریں۔۔۔
کے لیے دروازہ کھول دیں۔۔۔ میں اپنے اندر دروازے تک جانے کی
ہمت نہیں پا رہا"۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ فرزانہ تم یہیں ٹھہرو۔۔۔ اور ان پر
رکھو"۔

"نظر رکھو۔۔۔ کیوں۔۔۔ کیا میں اپنے ہی گھر میں سے کچھ چرا
گا"۔ انہوں نے جھلا کر کہا۔

"یہ بات نہیں۔۔۔ اور جو بات ہے۔۔۔ وہ ہم جانتے ہیں"۔

یہ کہہ کر محمود تیز تیز قدم اٹھاتا دروازے کی طرف چلا گیا۔۔۔
دروازے کھلتے ہی اس کی نظریں ایک عورت اور ایک لڑکی پر پڑیں۔۔۔
لڑکی کی عمر پندرہ سولہ سال کی ہو گی اور عورت چالیس سال کے قریب
عمر کی تھی۔

دونوں نے مارے حیرت کے اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔

"کون ہیں آپ؟" لڑکی چلائی۔

"بن بلائے مہمان۔۔۔ آپ غالباً مسز رئیس ہیں اور آپ رئیس
صاحب کی صاحبزادی ہیں"۔

"ہاں! ہیں۔۔۔ لیکن آپ کون ہیں؟" لڑکی پھاڑ کھانے والے
انداز میں بولی۔

"خادم کو محمود کہتے ہیں"۔

"کہتے ہوں گے۔۔۔ آپ ہیں کون اور ہمارے گھر میں کیا کر رہے
ہیں؟" لڑکی بولی۔

"کیوں۔۔۔ کیا آپ کے والد سے کوئی ملنے نہیں آ سکتا"۔

"اوہ۔۔۔ تو آپ ڈیڈی سے ملنے آئے ہیں۔۔۔ لیکن دروازہ کھولنے
آپ کیوں آئے۔۔۔ ہمیں حیرت تو دراصل اس بات پر ہوئی ہے"۔

"آپ کے والد صاحب کی طبیعت خراب ہے۔۔۔ اس لیے
انہوں نے دروازہ کھولنے کے لیے مجھے کہہ دیا۔۔۔ اس میں ایسی کون سی

بات ہو گئی"۔

"اچھا خیر... لیکن ڈیڈی کو ہوا کیا؟" ساتھ ہی اس نے اور
کی والدہ نے اندر کی طرف دوڑ لگا دی... اور اندر رئیس سالاری کے
سامنے جا کر دم لیا۔

"ڈیڈی.... آپ کو کیا ہوا؟"

"مم... مجھ پر خوف کا حملہ ہوا ہے"۔

"خوف کا حملہ... کک... کیا مطلب؟"

"اب میں آپ کو کیسے بتاؤں... بس خوف مجھ پر سوار ہو گیا
ہے"۔

"یہ لوگ کون ہیں... اور یہاں کیا کر رہے ہیں"۔

"یہ انسپکٹر جمشید کے بچے محمود اور فرزانہ ہیں"۔

"کیا!!!" لڑکی چلائی... اس کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی۔
اس نے حیرت میں ڈوبی آواز منہ سے نکالی۔

"لیکن یہ تو تین ہیں.... مم... میرا مطلب ہے... فاروق
صاحب ان کے ساتھ نظر نہیں آ رہے"۔

"اتفاق کی بات ہے کہ اس پر بھی خوف کا حملہ ہوا ہے"۔

"کیا مطلب... خوف کا حملہ... آپ بھی یہی کہہ رہے ہیں"
بیگم رئیس بولیں۔

"مجبوری ہے... ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں.... جیسے آپ کے ابا

مجبور ہیں"۔

"ڈیڈی... ہوا کیا ہے... آپ بتائیں نا"۔

"اچھی بات ہے... بیٹھ جائیں... اور آپ دونوں بھی بیٹھ
جائیں"۔

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی... ان کی بیٹی نے فوراً ہاتھ فون
کی طرف بڑھایا... لیکن وہ چلا اٹھے۔

"نہ... نہ... پونی... فون کو ہاتھ نہ لگانا"۔ وہ چلائے۔

لڑکی ان کی چلانے سے سہم سی گئی... اور اس نے خوف زدہ
آواز میں ان سے پوچھا۔

"کک... کیوں... کیا ہو جائے گا... اگر میں نے فون کو ہاتھ
لگایا"۔

"تم پر بھی خوف کا حملہ ہو جائے گا"۔
رئیس سالاری بولے۔

ان کی یہ بات سن کر بیگم بھڑک اٹھی اور بولی۔

"آپ آج کیسی باتیں کر رہے ہیں؟"
رئیس سالاری نے بے چارگی کے انداز میں کہا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں"۔

"تب پھر کیا فون آپ سنیں گے؟"
لڑکی نے رئیس سالاری کی طرف دیکھتے ہوئے سوالیہ انداز میں

کہا۔

"نہیں۔۔۔ میں تو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا"۔

"تو پھر۔۔۔ آپ ہمیں اجازت دیں"۔ محمود نے فوراً کہا۔

"ضرور۔۔۔ کیوں نہیں"۔ وہ خوش ہو کر بولے

محمود نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فرزانہ چلائی۔

"نہیں نہیں محمود۔۔۔ نہیں۔۔۔ کہیں تم پر بھی خوف نہ سوار ہو جائے"۔

"اب جو ہوتا ہے۔۔۔ ہو جائے۔۔۔ ہم کب تک اس خوف [illegible] ڈرتے رہیں گے"۔ محمود نے جھلا کر کہا۔

اور پھر اس نے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔

OO

خوف کی کہانی

"السلام علیکم"۔ محمود نے پرسکون آواز میں کہا۔

"کیا حال ہے دوستو"۔ ایک عجیب سرد اور بھرائی ہوئی سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"آپ کی تعریف"۔

"ارے۔۔۔ تم نے ابھی تک یہ نہیں جانا کہ میں کون ہوں؟"

"لوگوں کو خوف میں مبتلا کرنے والے؟" محمود نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"خوب پہچانا۔۔۔ کہو تو ابھی تمہیں بھی خوف میں مبتلا کر دوں۔۔۔ یعنی تم فون کا ریسیور رکھ نہیں پاؤ گے کہ خوف تم پر حملہ آور ہو جائے گا"۔

"اچھا۔۔۔ کمال ہے۔۔۔ لیکن اپنے اوپر خوف کا حملہ کرانے سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔۔۔ کہ آپ دوسروں پر خوف کس طرح سوار کر دیتے ہیں"۔

"یہی تو وہ راز ہے۔۔۔ جو میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔۔۔ بتا دیا تو پھر

کوئی خوف زدہ نہیں ہو گا"۔
"اچھا۔۔۔ صرف اتنا بتا دیں۔۔۔ کہ کیا آپ وہی ملاقاتی ہیں۔۔۔
میک کے روپ میں مسٹر رئیس سالاری صاحب سے ملنے آئے تھے"۔
"ہاں! میں وہی ہوں۔۔۔ اور میں وہی ہوں۔۔۔ جو تمہارے گھر
آیا تھا۔۔۔ اور میں وہی ہوں۔۔۔ جو خان رحمان کے گھر بھی گیا تھا۔۔۔
کچھ؟"
"آپ چاہتے کیا ہیں؟"
"ہاہا۔۔۔ میں بہت کچھ چاہتا ہوں۔۔۔ اور جو میں چاہتا ہوں۔۔۔
حاصل کر کے ہی یہاں سے جاؤں گا۔۔۔ اس سے پہلے میں یہاں
نہیں جاؤں گا"۔
"کیا مطلب۔۔۔ آپ کہاں چلے جائیں گے۔۔۔ کیا آپ
غیر ملکی ہیں؟" محمود نے بوکھلا کر کہا۔۔۔ کیونکہ وہ بہت صاف ستھری
میں بات کر رہا تھا۔۔۔ اور لہجے سے بالکل محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ
کوئی غیر ملکی ہے۔
"تو اور کیا۔۔۔ تمہارے ملک کا کوئی آدمی کب لوگوں کو اس
خوف میں مبتلا کر سکتا ہے۔۔۔ چلو تم لوگ صرف اتنا معلوم کر کے
دو۔۔۔ کہ میں لوگوں کو خوف میں مبتلا کس طرح کر رہا ہوں۔۔۔ میں
ہار مان لوں گا اور یہاں سے چلا جاؤں گا"۔ اس نے جلدی جلدی کہا
"یہ شرط ہمیں منظور نہیں"۔ محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"کون سی شرط؟"
"ہار ماننے تک تو بات ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن اس کے بعد چلے
جانے والی بات ہمیں منظور نہیں۔۔۔ کیونکہ دوسروں کو شکست دینے کے
بعد ہم ایک کام اور بھی کرنے کے عادی ہیں۔۔۔ یہ کہ مجرموں کو جیل
بھجوانا یا موت کے گھاٹ اتارنا۔۔۔ آپ کو یا تو جیل بھجوائیں گے یا
موت کے گھاٹ اتاریں گے"۔
"اچھا اچھا۔۔۔ میں سمجھ گیا۔۔۔ تم اپنی سی کوشش کر لو۔۔۔ دو ہی تو
رہ گئے ہو"۔
"ایسی بھی کوئی بات نہیں۔۔۔ ہم دو بھی تمہارے مقابلے میں کچھ
کم نہیں۔۔۔ اور ضرورت پیش آنے پر ہم اپنے انکل کامران مرزا کو بلا
سکتے ہیں۔۔۔ شوکی برادرز کو آواز دے سکتے ہیں"۔
"ایسا ضرور کرنا۔۔۔ کوئی حسرت نہ رہ جائے۔۔۔ مجھے تم سے اگر
کوئی خوف ہوتا تو پہلے ہی تمہیں خوف میں مبتلا کر دیتا"۔
"تب پھر ہمارے بھائی فاروق کو بھی کیوں خوف زدہ کیا۔۔۔
ہمارے انکل خان رحمان کو کیوں کیا اور اب ہمارے والد کو بھی۔۔۔ آخر
کیوں؟"
"والد اور بھائی تو بلاوجہ لپیٹ میں آ گئے۔۔۔ پروگرام نہیں تھا۔۔۔
ہاں خان رحمان کو خوف زدہ کرنا میری مجبوری تھی"۔
"کیا مطلب۔۔۔ اس میں مجبوری کہاں سے ٹپک پڑی"۔

"نہیں تھی کوئی مجبوری"۔

"تو پھر یہ دھمکی کیوں دیتے ہیں کہ پروفیسر داؤد کی طرف ہرگز ہ
نہ جائیں"۔

"وہ اس خوف کا کوئی علاج نہ دریافت کر لیں.... میں اس ملک
میں سب سے زیادہ پروفیسر داؤد سے ڈرتا ہوں"۔

"اوہو اچھا.... یہ بات بہت شاندار ہے"۔ محمود نے خوش ہو
کہا۔

"میں تم لوگوں کو ابھی اس سے بھی شاندار باتیں بتا سکتا
ہوں"۔ وہ چہکا۔

"ایک بات آپ بھی لکھ لیں.... آپ ہمارے ہاتھوں سے بچ
نہیں سکیں گے"۔

"ارے میاں جاؤ.... تم تو میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے"۔

"ہاں! آپ ڈینگیں مار سکتے ہیں.... اس لیے کہ ہمارے
ساتھی جو آپ نے خوف میں مبتلا کر دیے ہیں.... اب وہ تو کام
کرنے کے قابل رہے نہیں"۔

"ارے تو انسپکٹر کامران مرزا کو بلا لیں"۔ اس نے ہنس کر کہا

"تو آپ ان پر سے ہی کیوں خوف نہیں ہٹا لیتے"۔ محمود
کچھ سوچ کر کہا۔

"ابھی میں ایسا نہیں کروں گا.... پہلے یہاں کچھ اپنے کام

لوں.... پھر تم لوگوں کو کھلی چھٹی دوں گا.... اس وقت تم میرے خلاف
جو کرنا چاہو کرنا"۔

"اچھی بات ہے.... یونہی سہی"۔

"اس کا مطلب ہے.... تم انسپکٹر کامران مرزا کو بلا رہے ہو"۔

"ہاں.... اب انہیں بلانا ہی پڑے گا"۔ محمود نے برا سا منہ
بنایا۔

"اچھا تو پھر اب میں اجازت چاہوں گا.... مسٹر رمیض سالاری
اور ان کے بیوی بچوں کو تو آپ لوگ پریشان نہ کریں.... یہ لوگ بے
قصور ہیں.... اور میرے دوست ہیں"۔

"اور وہ جیک پانڈے"۔

"اس کی رہائی کا تو چکر ہے.... اس چکر میں کچھ اور چکر بھی چلا
رہے ہیں.... بس میں جیک کو لے کر چلا جاؤں گا"۔

"ارے باپ رے"۔ محمود گھبرا گیا۔

"کیوں.... کیا ہوا؟"

"کک.... کچھ نہیں.... بس آپ فون بند کر دیں"۔

"ضرور کوئی بات ہے.... بتاؤ"۔

"جی نہیں"۔ محمود نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا اور فون کا
ریسیور رکھ دیا۔

"کیا ہوا محمود؟" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"فکر نہ کرو... مجھ پر خوف کا حملہ نہیں ہوا"۔ اس نے کہا۔

"تب پھر تم پریشان کیوں ہو گئے"۔

"مجھے خیال ہی اب آیا ہے... آؤ چلیں"۔

"ارے ارے... آپ لوگ جا رہے ہیں... ابھی تو میں نے آپ لوگوں سے ملاقات بھی نہیں کی... باتیں نہیں کیں... سوالات نہیں کیے... ان گنت سوالات میرے دماغ میں گونجتے رہتے ہیں"۔

"وہ پھر کسی وقت کر لیجئے گا... اس وقت ہم بہت جلدی میں ہیں"۔

انہوں نے کہا اور قریباً دوڑتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اب وہ کار میں بیٹھے اڑے جا رہے تھے۔

"آخر ہوا کیا ہے"۔ فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"ہمیں فوری طور پر تیاری صاحب سے ملنا ہے... ورنہ شاید یہ شخص جیک پانڈے کو لے جانے میں کامیاب ہو جائے گا"۔

"ابھی آخر کیسے... جیک پانڈے جیل میں ہے... ابھی اس پر مقدمہ چل رہا ہے"۔

"جو بھی ہے... ہمیں اس فائل کا مطالعہ کرنا ہو گا... ورنہ ہم بری طرح ناکام ہو جائیں گے"۔

"اچھی بات ہے... یونہی سہی"۔ فرزانہ نے کہا۔

اور پھر وہ تیاری صاحب کی کوٹھی پہنچ گئے... انہوں نے

ناخوشگوار انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

"اب کیا ہے... آپ پھر آ گئے... اب تو آپ نے فائل کا مطالعہ کر لیا ہے"۔

"یہی تو مشکل ہے جناب"۔ محمود بولا۔

"کیا مشکل ہے؟" انہوں نے جھلا کر کہا۔

"ہم اب تک فائل حاصل نہیں کر سکے... مجرم نے آپ کے ریکارڈ کیپر پر ہاتھ صاف کر ڈالا"۔

"کک... کیا مطلب... کیا اس نے ریکارڈ کیپر کو اغوا کر لیا"۔

"ایک طرح سے یہ اغوا ہی ہے... اس نے دراصل انہیں بے ہوش کر دیا ہے اور اب وہ کسی قابل نہیں رہ گئے... ادھر مجرم نے ہمیں فون پر دھمکی دی ہے کہ کچھ ہو جائے... وہ جیک پانڈے کو نکال لے جائے گا"۔

"نہیں... وہ ایسا نہیں کر سکے گا... جیک پانڈے جیل میں ہے... اور عدالت میں اس پر مقدمہ چل رہا ہے... پھر بھلا وہ اسے کس طرح لے جائے گا"۔

"اس نے تو بڑے بڑوں کو خوف میں مبتلا کر ڈالا ہے"۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

اب انہوں نے خوف کی کہانی سنائی... وہ دھک سے رہ گئے۔

"آخر یہ ہو کیا رہا ہے؟"

"ان حالات میں ہمارے لیے اس فائل کو فوری طور پر نکا[illegible]
بہت ضروری ہے... اور آپ جیل میں اس کی حفاظت کے انتظا[illegible]
کرائیں... اس کی عدالت میں حاضری بند کرائیں... تاکہ اسے جی[illegible]
سے نکلوایا ہی نہ جائے"۔

"اچھی بات ہے... میں یہ کام ابھی اور اسی وقت کرتا ہوں...
لیکن فائل تو آپ کو ریکارڈ کیپر ہی دے سکے گا"۔

"آپ کو فائل کا نمبر معلوم نہیں... ہم خود تلاش کر لیں گے"۔

"نہیں... فائل کا نمبر بھی معلوم نہیں"۔ وہ بولے۔

"اچھی بات ہے... آپ نے کیس کون سے تھانے میں د[illegible]
کرایا تھا"۔

"کسی تھانے میں نہیں... کیونکہ یہ خفیہ قسم کا معاملہ تھا... ل[illegible]
یہیں سے کیس عدالت میں داخل کر دیا گیا"۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر اس کی تصویر اخبار میں کس طرح چھ[illegible]
گئی"۔

"عدالت میں تو آخر مجرم کو پیش کیا ہی گیا تھا"۔

"وہ پکڑا کس طرح گیا تھا"۔

"ایک روز دفتر سے نکل رہا تھا... میں اس وقت گاڑی میں ا[illegible]
کے بعد نکلا... لہٰذا میں نے نکلتے ہوئے اس سے کہا کہ آؤ... میں ا[illegible]
دوں گا... میری پیش کش سن کر وہ گھبرا گیا اور گاڑی میں بیٹھ[illegible]

کترانے لگا... لیکن میں نے کہا کہ بیٹھ جائیں... گھبرانے اور شرمانے
کی ضرورت نہیں... اس طرح وہ بیٹھ گیا... میں نے اس کی قمیض کے
نیچے کوئی چیز ہلتی محسوس کی... تو پوچھ بیٹھا... بھئی یہ تمہاری قمیض کے
نیچے کیا ہے... اس پر وہ اور بھی گھبرا گیا... میں نے کار روک لی اور
اسے قمیض اٹھانے کو کہا... اچانک وہ باہر نکل کر بھاگ کھڑا ہوا... میں
اس کی طرف کار لے کر ہی دوڑ پڑا... اس طرح میں نے اسے کار کی
سائیڈ دے ماری... اور وہ ٹکر کھا کر بری طرح گرا... فوراً ہی بے ہوش
ہو گیا... اب جو میں نے قمیض ہٹائی تو وہاں ایک بہت اہم اور خفیہ
فائل تھی... میں نے فوراً اپنے دفتر کے محافظوں کو بلوایا اور اسے ان
کے حوالے کر دیا... پھر اسی روز اسے جیل بھجوا دیا... اور عدالت میں
دوسرے دن مقدمہ دائر کر دیا... یہ ہے کہانی... لیکن اس کا مطلب
ہے... وہ اس سے پہلے بھی یہ کام کرتا رہا تھا"۔ یہاں تک کہہ کر وہ
خاموش ہو گئے۔

"کیا اس کے گھر کی تلاشی لی گئی؟"

"ہاں! لیکن وہاں سے کچھ نہیں ملا تھا"۔

"کیا دفتر میں کچھ فائلیں کم پائی گئیں"۔

"نہیں... وہ غالباً گھر لے جا کر فائل کی مائیکرو فلم بناتا تھا اور
پھر دوسرے دن فائل اس کی جگہ پر رکھ دیتا تھا"۔

"ہوں... کیا گھر میں مائیکرو فلم بنانے کا سامان بھی ملا؟"

"نہیں... ایسی کوئی چیز نہیں ملی... شاید وہ یہ کام کہیں او
تھا"۔

"پھر اس سے معلوم کرنے کی کوشش کی گئی؟"

"ہاں بہت... لیکن اس نے آج تک کوئی لفظ نہیں اگلا"۔

"جو فائل اس سے ملی... اس بارے میں وہ کیا کہتا ہے"۔

"وہ کہتا ہے... یہ اس کے خلاف کوئی سازش تھی... نہیں معلوم کہ اس کے لباس میں فائل کہاں سے آ گئی تھی"۔

"یہ تو بہت فضول جواب ہے... جب کہ اسے رنگے ہاتھوں
گیا ہے"۔

"ہاں! یہی میں نے کہا تھا... عدالت نے بھی اسے مجرم ق
ہے اور اگلی پیشی پر وہ اس کا فیصلہ سنانے والی ہے"۔

"اوہو اچھا... آپ کو کیسے پتا چلا کہ عدالت اسے مجرم ق
چکی ہے"۔

"جج صاحب سے میری بات ہوئی ہے... انہوں نے بتایا
اس کا جرم ثابت ہو چکا ہے"۔

"ہوں اچھا... شکریہ... اس کا پتا بتا سکتے ہیں آپ"۔

"دفتر کے ریکارڈ سے مل سکتا ہے... یا شاید دفتر کے چوک
معلوم ہو گا"۔

"آپ مہربانی کر کے ہمیں ریکارڈ روم کی چابی دے دیں

فائل تلاش کر لیں گے"۔

"ابھی نمبر کے بغیر یہ ممکن نہیں... ارے ہاں! آپ جج خاور بیگ سے کیوں ملاقات نہیں کر لیتے"۔

"خاور بیگ؟"

"ہاں! انہی کی عدالت میں اس کا کیس ہے... فائل تو ان کے پاس بھی ہو گی"۔

"بہت خوب! یہ ٹھیک رہے گا"۔ وہ خوش ہو گئے... پھر فرزانہ نے کہا۔

"چلیے پھر جج صاحب کا پتا بتا دیں"۔

"ہاں ضرور... کیوں نہیں... ۵۲/۷ تارن روڈ"۔

وہ اسی وقت کوٹھی نمبر ۵۲/۷ تارن روڈ کی طرف روانہ ہو گئے... تلاش کرنے میں انہیں کوئی وقت نہ ہوئی... محمود نے گھنٹی کا بٹن دبایا تو ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا۔

"جی... فرمائیے... آپ کو کس سے ملنا ہے... جج صاحب تو کسی سے ملتے نہیں... گھر والے اس وقت آرام کر رہے ہیں"۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ ہمارا کارڈ جج صاحب کو دے دیں... وہ بے شک نہ ملیں... لیکن کارڈ دیکھ کر فون پر بات ضرور کر لیں گے"۔

"فون پر... کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"ہم باہر موجود ہیں.... ہمارے پاس موبائل فون موجود ہے۔
کارڈ پر ہمارا نمبر بھی درج ہے.... کیا مزید وضاحت کروں"۔

"جی نہیں.... بات سمجھ میں آ گئی"۔ وہ مسکرایا اور اندر چلا
گیا.... فوراً ہی اس کی واپسی ہوئی۔

"صاحب آپ سے ملیں گے"۔

"یہ اور اچھی بات ہے.... چلیے پھر"۔

"وہ آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں.... آیئے"۔

جونہی وہ جج صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے.... انہیں ایک
جھٹکا سا لگا۔

OO

جھٹکا

"اب تم کیا محسوس کر رہے ہو خان رحمان"۔ پروفیسر داؤد
بولے۔

وہ گذشتہ دو گھنٹے سے ان کا علاج کرنے کی کوشش کر رہے
تھے.... ان کا خوف دور کرنے کے لیے اب تک ان گنت پاپڑ بیل چکے
تھے.... اور آخرکار اب نتیجہ معلوم کرنے کے لیے انہوں نے ان سے
پوچھا تھا کہ کیا محسوس کر رہے ہو.... ساتھ ہی انسپکٹر جمشید بھی موجود
تھے.... ان کی حالت بھی اب خان رحمان جیسی ہی تھی۔

"پہلے جیسا ہی محسوس کر رہا ہوں"۔ خان رحمان مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"مطلب یہ کہ میرے خوف میں اب تک کوئی کمی نہیں ہوئی"۔

"حیرت ہے.... کمال ہے.... افسوس ہے"۔ پروفیسر داؤد نے
بوکھلا کر کہا۔

"ہو گی.... ہو گا.... ہو گا"۔ خان رحمان نے فوراً کہا۔

"اب تم محمود، فاروق اور فرزانہ کے انداز میں باتیں کر رہے

ہو"۔ پروفیسر داؤد نے جھلا کر کہا۔

"اور کیا آپ نہیں کر رہے ان کے انداز میں باتیں"۔ جمشید بول اٹھے۔

"اوہ سوری"۔ وہ فوراً بولے۔

"چلئے معاف کیا... آپ بھی کیا یاد کریں گے"۔

"جمشید... کیا تم بھی خوف محسوس کر رہے ہو"۔

"ہاں بالکل... اور کیوں نہ کروں محسوس... خوف محسوس کیے بغیر کیسے کام چلے گا"۔ انہوں نے کہا۔

"ارے باپ رے... تم دونوں تو چاٹ جاؤ گے میرا دماغ"۔

"آپ نے اپنے دماغ پر شہد لگا رکھا ہے کیا؟" خان رحمان حیران ہو کر کہا۔

"لگا تو نہیں رکھا... لیکن شاید اب لگانا ہی پڑے گا"۔ پروفیسر داؤد نے برا سا منہ بنایا۔

"اس صورت میں ہم بھی چاٹ لیں گے آپ کا دماغ"۔

"اچھا یار چپ رہو اور مجھے سوچنے دو"۔ وہ جھلا کر بولے۔

"آپ کو سوچنے سے روک کون رہا ہے... آپ تو زبردستی [illegible] رہے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"کیا کہا... میں زبردستی رک رہا ہوں"۔ انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

"ہاں اور کیا؟" جواب میں خان رحمان نے بھی آنکھیں نکالیں۔

"بہت خوب... خان رحمان... اسے کہتے ہیں... لوے کا [illegible]"۔ انسپکٹر جمشید نے ان کی تعریف کی۔

"تو پھر ملاؤ ہاتھ"۔ خان رحمان خوش ہو گئے۔

دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پر زور سے ہاتھ مارا... اس [illegible] زور سے کہ شدید چوٹ کا احساس ہوا... یہ دیکھ کر پروفیسر داؤد [illegible]لے۔

"حد... تم... تم مجھے پاگل کر دو گے"۔

"اگر اللہ کی مرضی یہی ہے... تو ہم کیا کر سکتے ہیں"۔ انسپکٹر [illegible] نے کندھے اچکائے۔

"اچھا ٹھہرو... میں ایک اور ترکیب لڑاتا ہوں"۔

"ترکیب لڑانا تو آپ اس طرح کہہ رہے ہیں... جیسے لوگ کہتے [illegible] پیچ لڑاتا ہوں"۔ خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"حیرت ہے... تم دونوں کا خوف تمہارے دماغ پر کیوں اثر انداز [illegible]ا ہے... اگر یہی حال رہا تو تم پاگل بھی ہو سکتے ہو"۔ پروفیسر داؤد [illegible] پریشان انداز میں کہا۔

"اللہ مالک ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے سرد آہ بھری۔

"جمشید... کیا تم جانتے ہو... ہم لوگ کن حالات میں گھرے [illegible]ے ہیں"۔

"ہاں بالکل جانتا ہوں... میں نے اپنے دماغ کے دروا
کھڑکیاں بند تو نہیں کر لیے"۔ انہوں نے فوراً کہا۔
"کیا کہا... کس چیز کے دروازے اور کھڑکیاں؟" پروفیسر دا
خیالی کے عالم میں بولے۔
"دماغ کے"۔ وہ فوراً بولے۔
"اوہ اچھا... دماغ کے... ارے... تم نے مجھے بھی پاگل
الجھا لیا... اپنا علاج کرنے دو گے یا نہیں؟" انہوں نے تملا کر ک
"کریں علاج... روک کون رہا ہے... لیکن کر نہیں
گے... آپ ہمارا خوف دور نہیں کر سکیں گے"۔
"سوال یہ ہے... آخر تم کس سے خوف محسوس کر رہے
"ہر چیز سے... ہمیں ہر چیز خوفناک لگ رہی ہے... بلکہ
کہ آپ بھی"۔ خان رحمان نے جلدی جلدی کہا۔
"حد ہو گئی یعنی کہ"۔ پروفیسر داؤد کا منہ بن گیا۔
"یہ سچ ہے... ہمیں سچ مچ سب سے زیادہ خوف آپ
محسوس ہو رہا ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے ان کی تائید کی۔
"اچھا بابا ہو گا... کر رہے ہو گے تم خوف محسوس مجھ سے
چلائے۔
"آپ... کہیں آپ بھی پاگل تو نہیں ہونے والے؟"
رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"اگر یہی حال رہا تو مجھے پاگل ہونا ہی پڑے گا"۔ پروفیسر داؤد
نے جلے کٹے انداز میں کہا۔
"خوشی ہو گی... اگر آپ پاگل ہو گئے"۔ انسپکٹر جمشید نے تائید
کی۔
"ہائیں یہ... یہ کیا... یہ کون لوگ باتیں کر رہے ہیں... بالکل
عجیب انداز میں... وہ بھی میرے یہاں موجود ہوتے ہوئے"۔ ایسے
میں فاروق کی آواز سنائی دی... اس وقت تک نیند کے عالم میں تھا یا
بے ہوشی کی حالت میں، کیونکہ جب سے انسپکٹر جمشید اسے یہاں لائے
تھے... وہ برابر سو رہا تھا... ادھر پروفیسر داؤد چونکہ خان رحمان کی طرف
متوجہ تھے... اس لیے فاروق کے لیے کچھ نہیں کر سکے تھے... فاروق
سے پہلے انہیں انسپکٹر جمشید کو دیکھنا پڑ گیا تھا... کیونکہ وہاں پہنچتے ہی
انہوں نے اعلان کیا تھا... کہ ان کے خوف میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔
"خدا کا شکر ہے... تم خود بخود ہوش میں آ گئے... اب تمہارے
خوف کا کیا عالم ہے"۔
"میرا خوف... ارے باپ رے... وہ تو جوں کا توں موجود
ہے... آخر ہم اس خوف سے کب نجات حاصل کریں گے... اوہ...
ارے... ہائیں... محمود اور فرزانہ نظر نہیں آ رہے"۔
"بس وہی دو بچے ہیں... وہ ابھی تک خوف سے محفوظ ہیں... یا
پھر میں... دونوں نہ جانے کہاں دھکے کھا رہے ہوں گے"۔ پروفیسر داؤد

نے دکھ بھرے انداز میں کہا۔

"میں کیا کروں پروفیسر صاحب.... میں نے تو بہت کوشش کی ہے کہ فوراً اس کیس پر کام شروع کر دوں.... ان کی مدد کروں اور مجرموں کو پکڑ کر سلاخوں کے پیچھے پہنچا دوں.... لیکن.... ہمت ہی نہیں پڑتی۔ خوف نے اس بری طرح جکڑا ہے کہ کیا بتاؤں"۔

"بس کچھ نہ بتائیں.... اور پروفیسر صاحب.... آپ ان کا علاج کریں"۔ خان رحمان بولے۔

"میں تو تینوں کا علاج کر دینا چاہتا ہوں.... لیکن کروں کیسے؟"

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی.... پروفیسر داؤد نے فوراً ریسیور اٹھایا۔

"پروفیسر داؤد بات کر رہا ہوں"۔

"اور میں وزیر خارجہ سلیم کاشانی ہوں"۔

"آہا.... کاشانی صاحب.... فرمائیے.... کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"فوراً یہاں آ جائیں.... آپ کو میرا اور میرے گھر کا علاج کرنا ہے"۔

"آپ بھول رہے ہیں کاشانی صاحب.... میں ڈاکٹر نہیں ہوں.... سائنس دان ہوں"۔ انہوں نے منہ بنایا۔

"اسی لیے تو آپ کو فون کیا ہے"۔ کاشانی صاحب بولے۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مجھ پر اور میرے گھر کے افراد پر اچانک خوف کا حملہ ہوا ہے.... لہٰذا آپ علاج کرنے کے لیے آئیں"۔

"آپ سے کس نے کہہ دیا کہ علاج مجھ سے کرائیں"۔

"ایک نامعلوم شخص نے.... اس کا کہنا ہے.... اس مرض کا علاج شہر میں اگر کوئی کر سکتا ہے تو وہ ہیں آپ"۔ انہوں نے کہا۔

"حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے"۔

"وہ کیسے؟" انہوں نے چونک کر کہا۔

"وہ ایسے کہ میں اس مرض کے علاج میں بری طرح ناکام ہو چکا ہوں.... آپ سے پہلے خوف کا حملہ میرے دوستوں انسپکٹر جمشید، خان رحمان اور انسپکٹر جمشید کے بیٹے فاروق پر ہو چکا ہے.... میں ان کا علاج کرنے کی سر توڑ کوشش کر چکا ہوں، لیکن ابھی تک کوئی کامیابی نہیں ہوئی.... لہٰذا آپ انتظار فرمائیں.... جونہی کوئی کامیابی ہو گی.... میں آپ لوگوں تک پہنچ جاؤں گا"۔

"تت.... کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"

"بالکل.... جھوٹ بولنے کی مجھے عادت نہیں"۔

"تب پھر اس نے یہ کیوں کہا کہ صرف اور صرف آپ اس کا علاج کر سکتے ہیں"۔

"پتا نہیں.... اس نے یہ بات کیسے کہہ دی.... یہ بات اس نے پہلے بھی فون پر کی تھی.... اسی لیے تو میں ان کا علاج کرنے کی کوشش

کر رہا ہوں... ورنہ مجھے تو علاج کرنے کا خیال بھی نہ آتا... غالباً اس
کا مطلب یہ ہے کہ اس مرض کا علاج... ارے"۔ وہ کہتے کہتے رک
گئے۔

"ٹک... کیا ہوا؟"

"شاید... سر... شاید سر شاید"۔

"یہ کیا بات ہوئی... شاید سر شاید"۔

"میرا خیال ہے علاج میرے ذہن میں آگیا ہے... آپ ا
کریں کہ فوراً یہاں آجائیں"۔

"تو آپ یہاں کیوں نہیں آجاتے؟"

"میں کون کون سے آلات ساتھ لاؤں گا... جب کہ یہاں آ
میں آسانی ہے"۔

"اچھی بات ہے... ہم آرہے ہیں... آپ بس تیاری
رکھیں"۔

"آپ فکر نہ کریں"۔

"اچھا تو پھر ہم آرہے ہیں"۔

انہوں نے فون کا ریسیور رکھا ہی تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔

"اوہو... اب کون ہے... اس طرح تو میں کام بھی نہیں کر
سکوں گا"۔ انہوں نے جھنا کر کہا اور ریسیور اٹھا لیا... پھر وہ سر پکڑ کر
بیٹھ گئے... کیونکہ ایک بڑے سرکاری آفیسر بات کر رہے تھے اور وہ بھی

وہی کہانی دہرا رہے تھے... انہوں نے انہیں بھی تجربہ گاہ میں بلا لیا۔

پھر انہوں نے اپنے ماتحتوں کو طلب کیا اور انہیں چند ہدایات
دیں... اس کے فوراً بعد انسپکٹر جمشید، خان رحمان اور فاروق کے خون
کے نمونے لے گئے... خون کو چیک کیا گیا... اس میں موجود ہر چیز کو
الگ الگ کیا گیا... پندرہ منٹ بعد ان کے نائب شبیر فارانی نے آکر
بتایا۔

"خون میں ایک انوکھی قسم کے جراثیم پائے گئے... اس قسم کے
جراثیم آج تک کسی کے خون میں نہیں پائے گئے"۔

"بہت خوب... اب ان جراثیموں پر تجربہ شروع کر دو... اور
میرا خون بھی لے لو... دیکھو میرے خون میں یہ جراثیم ہیں یا نہیں"۔

"او کے سر"۔

ان کے ماتحت اس کام میں جت گئے... جلد ہی انہیں یہ
رپورٹ موصول ہو گئی... کہ ان کے خون میں جراثیم نہیں تھے...
ماتحتوں نے ان جراثیموں پر تجربات کیے تھے... ان پر سخت ترین چیزیں
یہاں تک کہ مختلف قسم کے تیزاب تک ڈال کر دیکھے گئے تھے... لیکن
وہ جراثیم ہلاک نہیں ہوئے تھے... بلکہ ان کی تعداد میں ہر لمحے اضافہ
ہو رہا تھا... یہ رپورٹ پڑھ کر پروفیسر داؤد دھک سے رہ گئے... لہٰذا وہ
بولے۔

"جب تک ہم ان جراثیموں کو ہلاک کرنے کی دوا دریافت

نہیں کر لیتے، اس وقت تک مسلسل کام کریں گے"۔

"لیکن پروفیسر صاحب.... یہ کام صرف آپ ہی کیوں کریں گے.... دوسری لیبارٹریوں میں یہ کام کیوں شروع نہیں کیا جاتا"۔

"ایسا بھی کیا جائے گا"۔

عین اس وقت ملازم نے آکر بتایا کہ وزیر خارجہ اور ان کے گھر کے افراد آئے ہیں۔

"انہیں بھی لے آؤ"۔ وہ بولے۔

ان سب کے خون کے نمونے لیے گئے.... جلد ہی انہیں معلوم ہو گیا کہ ان سب کے خون میں بھی بالکل وہی جراثیم تھے.... اب تو ان کا مارے پریشانی کے برا حال ہو گیا۔

"آپ پریشان ہو گئے؟" شبیر فارانی بولا۔

"تو اور کیا کروں، ابھی تک ہم یہ نہیں جان سکے کہ ان جراثیم کو کون سی دوا سے ہلاک کیا جا سکتا ہے.... اگر نہ جان سکے.... تو ہم اس مرض کے علاج میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے.... اگر کامیاب نہ ہو سکے تو اس صورت میں کیا ہو گا.... میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں.... اور ایک دوسری مصیبت یہ ہے کہ وہ شخص یہ خبر بھی چھوڑ رہا ہے کہ اس مرض کا علاج اگر کوئی کر سکتا ہے تو وہ ہیں پروفیسر داؤد.... اس طرح میری مشکلات میں اضافہ ہو جائے گا.... ہر کوئی ادھر کا رخ کرے گا"۔

"ارے باپ رے.... یہ تو واقعی پریشان کن خبر ہے"۔

"ہے نا.... تب پھر میں پریشان نہ ہوں تو اور کیا کروں.... اس پر ایک اور مشکل بھی ہے"۔

"اور وہ کیا پروفیسر انکل؟" فاروق گھبرا گیا۔

"ابھی تک ہم یہ بھی نہیں جان سکے.... کہ وہ جراثیم جسموں میں داخل کس طرح کر رہا ہے.... اگر یہ بات ہم معلوم کر لیتے.... تو بھی کچھ کیا جا سکتا تھا.... لیکن اب یہ کون معلوم کرے.... انسپکٹر جمشید خود ان جراثیموں کا شکار ہو گئے ہیں.... فاروق اور تم بھی خان رحمان.... لے دے کر محمود اور فرزانہ باقی ہیں.... وہ کوشش کر رہے ہیں.... لیکن نہ جانے کب وہ بھی جراثیموں کا شکار ہو جائیں"۔

"تب پھر.... اس کا ایک ہی حل ہے.... اور وہ یہ کہ ہم انسپکٹر کامران مرزا کو بلا لیتے ہیں"۔

"اور وہ بھی یہاں آکر جراثیموں کا شکار ہو گئے تو؟"

"یہ بعد کی بات ہے.... پتا نہیں ہوتے ہیں یا نہیں"۔

"اچھی بات ہے.... میں فون کرتا ہوں"۔

.... یہ کہہ کر پروفیسر داؤد نے انسپکٹر کامران مرزا کے نمبر ڈائل کیے.... اس وقت رات ہو چکی تھی.... لہٰذا وہ گھر پر ہی ہو سکتے تھے.... جلد ہی دوسری طرف سے آفتاب کی آواز سنائی دی۔

"آفتاب احمد بات کر رہا ہوں"۔

"اور یہ میں ہوں... پروفیسر داؤد"۔

"کیا... یہ آپ ہیں... یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ آفتاب کی حیرت میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

"کیوں... یہ کیوں نہیں ہو سکتا"۔

پروفیسر داؤد کو ایک زبردست دھکا لگا۔

○○

فائل نہیں ہے

جج صاحب کمرے کے فرش پر سر کے بل کھڑے تھے... ان کا گنجا سر فرش پر ٹکا ہوا تھا... دونوں ہاتھوں سے انہوں نے صرف سہارا لیا ہوا تھا کہ گرنے نہ پائیں... ورنہ وہ صرف سر کے بل کھڑے تھے۔

"یہ... یہ... یہ کیا؟" محمود بوکھلا اٹھا۔

"کک... کون؟" جج صاحب بوکھلائے۔

"کک... کیا ملازم نے ہمارا کارڈ کو آپ کو نہیں دیا تھا؟" فرزانہ بولی۔

"دیا تھا... اور میں نے ہی تو اس سے کہا تھا کہ آپ لوگوں کو اندر لے آئے... کیا وہ آپ لوگوں کو اندر نہیں لایا"۔

"کیا کیا فرمایا آپ نے... کیا ملازم ہمیں اندر نہیں لایا... اگر وہ ہمیں اندر نہیں لایا تو آپ ہم سے باتیں کس طرح کر رہے ہیں"۔

"زبان سے"۔ انہوں نے فوراً کہا۔

"جواب معقول ہے... تب آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دیں کہ ہم اندر آ چکے ہیں... لہٰذا آپ سیدھے ہو جائیں"۔

"نہ... نہ... یہ نہیں ہو گا"۔ انہوں نے جھٹکے دار آواز میں کہا۔

"لیکن کیوں نہیں ہو گا... یہ بھی تو بتائیں نا"۔

"اس لیے کہ پھر مجھے ہر چیز الٹی نظر آنے لگے گی... بڑی مشکل سے تو سیدھی نظر آنے لگی ہے"۔

"میں سمجھا نہیں... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں"۔

"ابھی جب میں سیدھا تھا تو گھر کی ہر چیز الٹی نظر آ رہی تھی... یہاں تک کہ جب ملازم اندر آیا تم لوگوں کے کارڈ لے کر وہ بھی الٹا... یعنی سر کے بل چلتا ہوا اندر آیا تھا... ایسے میں میں نے سوچا... یہ سب چیزیں الٹی نہیں ہو سکتیں... میرا دماغ الٹ گیا ہے لہٰذا میں نے سر کے بل کھڑے ہو کر دیکھا... تو ہر چیز سیدھی نظر آنے لگی"۔

"اوہ... لیکن آپ کب تک اس طرح کھڑے رہیں گے"۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا"۔

"پھر ہم آپ سے بات کس طرح کریں گے"۔

"اسی طرح"۔ انہوں نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی... آپ جیک پانڈے کا فیصلہ سنانے والے ہیں... یہ بات ہمیں تیاری صاحب نے بتائی ہے"۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے... تو پھر؟"

"ہم اس کی فائل دیکھنا چاہتے ہیں"۔

"فیصلے سے پہلے میں فائل کس طرح دکھا سکتا ہوں"۔ وہ بولے۔

"آپ فکر نہ کریں... اس طرح آپ کے فیصلے پر کوئی فرق نہیں پڑے گا... آپ وہی فیصلہ سنائیں گے... جو آپ لکھ چکے ہیں"۔

"آخر آپ فائل دیکھ کر کیا کریں گے... اور پھر یہ فائل تو آپ کو تیاری صاحب بھی دے سکتے تھے"۔

"انہوں نے ریکارڈ کیپر کو حکم دیا تھا... لیکن مجرم نے اسے بے ہوش کر دیا"۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"آپ کا مطلب ہے... اب وہ فائل دینے کے قابل نہیں رہا"۔

"بالکل... یہی بات ہے"۔

"تب پھر میں وہ فائل دے دیتا ہوں... اتفاق سے وہ گھر میں ہی ہے"۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ"۔ فرزانہ خوش ہو گئی۔

"لیکن... ایک شرط ہے"۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ... کہ آپ فائل کا مطالعہ یہیں بیٹھ کر کریں گے... فائل ساتھ نہیں لے جائیں گے"۔

"ٹھیک ہے.... اب تو آپ سیدھے ہو جائیں"۔

"نہ.... نہ.... یہ نہیں ہو گا"۔

"ارے تو کیا آپ اسی طرح فائل نکال کر دیں گے"۔

"یہ کام تو میں ملازم سے بھی لے لوں گا"۔

"اوہ اچھا.... تو پھر بلائیے اسے"۔

انہوں نے اسی طرح گھنٹی کا بٹن دبا دیا.... اور ملازم دوڑا آیا۔

"وہ فائل.... جیک پانڈے کی انہیں دے دو"۔

"جی.... جیک پانڈے کی فائل.... میں سمجھا نہیں"۔ ملازم حیران ہو کر کہا۔

"ارے بھئی.... میری ٹوکری میں سے"۔

"اوہ اچھا سر"۔ اس نے بوکھلا کر کہا.... پھر وہ اسی کمرے رکھی ہوئی جج صاحب کی ٹوکری کی طرف گیا.... اس کا ڈھکنا اٹھایا سرسراتی آواز میں بولا۔

"اس.... اس میں فائل نہیں ہے سر"۔

"کک.... کیا کہا.... فائل اس میں نہیں ہے"۔

وہ یک دم گرے اور سیدھے ہو گئے.... ساتھ ہی ان کے سے چیخ نکل گئی اور وہ فوراً پھر سر کے بل کھڑے ہو گئے۔

"اف! اب میں کیا کروں.... فائل کہاں گئی.... میں فیصلہ پڑھ کر سناؤں گا"۔ جج صاحب نے لرزتی آواز میں کہا۔

"مشکل یہ ہے کہ آپ سیدھے نہیں ہو رہے.... سیدھے ہو کر جائیں' تبھی کوئی بات چیت آپ سے کی جا سکے گی"۔

"نہیں.... جونہی میں سیدھا ہوتا ہوں.... میری تکلیف میں فہ ہو جاتا ہے"۔

"کیا آج آپ سے کوئی ملنے آیا تھا؟"

"ہاں! آئے تھے ایک صاحب"۔

"اور اسے بھی آپ نے اسی کمرے میں بلا لیا تھا"۔

"تو اور کیا کرتا.... سر کے بل چل کر ڈرائنگ روم میں کس ح جاتا"۔

"اچھا خیر.... وہ کون تھا اور آپ سے ملنے کیوں آیا تھا؟"

"اسے ایک قانونی مشورہ لینا تھا"۔

"اس کام کے لیے تو اسے کسی وکیل کے پاس جانا چاہیے تھا"۔

"وکیل سے بہتر مشورہ جج دے سکتے ہیں' اس لیے کہ جج پہلے ل رہ چکے ہوتے ہیں"۔

"کیا ایک جج ہوتے ہوئے آپ اسے مشورہ دے سکتے ہیں"۔

"ہاں کیوں نہیں.... لیکن میں مشورہ دینے کی فیس لیتا ہوں.... نچہ میں نے اس سے بھی فیس لی تھی"۔

"اس حالت میں بھی.... یعنی سر کے بل کھڑے ہوتے ہوئے"۔ محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

فائلوں کی چوری کا مجرم"۔ اس نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں! وہی"۔ محمود نے کہا۔

"ابھی ملواتا ہوں"۔ اس نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد جیل کے ایک حصے میں جیک باؤ...
سامنے بیٹھا تھا اور انہیں ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔

"آپ لوگ کون ہیں اور مجھ سے ملنے کیوں آئے ہیں"

"میرا نام محمود ہے اور یہ ہیں فرزانہ صاحب۔ ہمارا...
سراغرسانی سے ہے"۔ محمود بولا۔

"اچھا تو پھر؟" وہ بولا۔

"کیا آپ عدالت میں اپنا جرم قبول کر چکے ہیں؟"

"نہیں... بالکل نہیں... جو جرم میں نے کیا ہی نہیں...
کیسے قبول کر سکتا ہوں"۔

"آپ کا مطلب ہے... آپ نے کوئی فائل نہیں چرائی..."

"بالکل بھی نہیں"۔

"اور وہ جو... تیاری صاحب کا بیان ہے"۔

"تیاری صاحب جھوٹے ہیں... جرم وہ خود کر رہے تھے...
انہوں نے تھوپ دیا میرے سر... مطلب یہ کہ وہ فائل...
رہے تھے... میں نے ان کی قمیض کے نیچے کوئی چیز چھپی...
پوچھ لیا... بس انہوں نے فوراً اپنے محکمے کے آدمیوں کو بلا...

اپنی قمیض کے نیچے سے پہلے ہی نکال کر اپنے پاس رکھ لی تھی... وہ
فائل انہوں نے ان لوگوں کو دکھائی اور بتایا کہ وہ میں نے دفتر سے
چرائی ہے... میں نے لاکھ ان لوگوں کو بتایا کہ مجرم میں نہیں... تیاری
صاحب ہیں... لیکن میری کون سنتا ہے... جج تک نے میرے بیان کو
تسلیم نہیں کیا اور میرے بیان کے دوران وہ مسکراتے رہے... اب میرا
خیال ہے... وہ مجھے سزا سنا دیں گے"۔

"ہوں شاید... لیکن ہو سکتا ہے... ہم تمہیں سزا سے بچا
لیں"۔ محمود نے خیالات میں گم انداز میں کہا۔

"وہ... وہ کیسے؟"

"ہم جج صاحب سے مل کر آرہے ہیں"۔

"ارے... تو پھر... وہ کیا کہتے ہیں"۔

"تم ان کی بات چھوڑو... اپنی کہو... جج صاحب کا فیصلہ
تمہارے خلاف ہے... غور کرو... تمہیں دس سال تک کی سزا سنائی جا
سکتی ہے... لیکن ہم تمہیں بچا سکتے ہیں"۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"لیکن کیسے؟"

"اس بات کو بھی چھوڑو"۔

"تو پھر... اور میں کس بات کو پکڑوں"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"تمہارا دنیا میں کوئی رشتے دار... کوئی عزیز ہے... تم کس ملک
کے رہنے والے ہو"۔

"انشارچہ کا"۔ اس نے کہا۔
"اور بھائی بہن؟"
"ہاں! میرا ایک بھائی ہے... میک پانڈے"۔ اس نے کہا۔
"کیا تمہیں پتا ہے... وہ تمہاری رہائی کے سلسلے میں ان دنوں
یہاں آیا ہوا ہے"۔
"ارے... کیا واقعی؟" وہ اچھل پڑا۔
"تو وہ ابھی تک تم سے نہیں ملا"۔
"نہیں... بالکل نہیں"۔ اس نے کہا۔
"حیرت ہے... اور لوگوں سے تو وہ ملاقاتیں کرتا پھر رہا ہے
اور آپ سے ملا تک نہیں... حیرت ہے... کمال ہے... افسوس ہے"
محمود نے جلدی جلدی کہا۔
"اس پر حیرت مجھے بھی ہے... لیکن میں کیا کر سکتا ہوں"۔ اس
نے برا سا منہ بنا کر کہا۔
"یہ جو آپ کا بھائی ہے میک پانڈے... یہ اپنے ملک میں
کرتا ہے... کیا یہ کوئی ڈاکٹر ہے... یا پھر کوئی سائنس دان ہے"۔
"کیا بات کرتے ہیں... وہ انشارچہ کی خفیہ پولیس کے ایک
اہم رکن ہیں... میں نہیں جانتا' وہ کیا لگے ہوئے ہیں... لیکن وہ
عہدہ ہے بہت اہم اور بڑا"۔
"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا... یہ نئی بات انہیں معلوم

گیا۔
"اور آپ انشارچہ سے یہاں کیوں آئے تھے... کیسے آئے
تھے"۔ محمود نے ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔
"بس... مجھے اپنا ملک اچھا نہیں لگتا تھا... میں کسی اور ملک میں
اپنی زندگی گزارنا چاہتا تھا... سو ادھر چلا آیا"۔
"اور آپ کے بھائی اور دوسرے عزیزوں نے آپ کو خوشی سے
جانے کی اجازت دے دی"۔
"اور وہ کیا کرتے؟"
"اس دوران آپ اپنے بھائی کو خط وغیرہ تو لکھتے رہے ہوں
گے"۔
"ہاں! کیوں نہیں"۔
"اور وہ بھی آپ کو خط لکھتا رہا ہو گا"۔
"بالکل لکھتا رہا ہے"۔
"ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں... اگر آپ بے گناہ ہیں تو ضرور
آپ کو سزا نہیں سنائی جا سکے گی... لیکن اس سلسلے میں ہمیں آپ کا
تعاون درکار ہے"۔
"اور میں کیا کر سکتا ہوں... میں تو جیل میں بند ہوں"۔
"آپ جیل میں رہ کر بھی اپنے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں"۔
"اچھی بات ہے... بتائیں... مجھے کیا کرنا ہو گا"۔

"صرف اتنا بتا دیں.... آپ رہتے کہاں تھے؟"

"111 لین روڈ"۔ اس نے فوراً کہا۔

محمود نے پتا نوٹ کر لیا.... پھر بولا۔

"جو خطوط آپ کے بھائی میک پانڈے آپ کو لکھا کرتے تھے وہ گھر میں کس جگہ ملیں گے"۔

"میں ان کے خط بچا کر نہیں رکھتا تھا"۔

"خیر.... وہاں آپ کے کچھ تو کاغذات ہوں گے"۔

"ہاں! کیوں نہیں.... جو چیزیں بھی ہیں.... گھر میں ہی ہیں"۔

"شکریہ.... پہلے ہم آپ کے گھر جائیں گے.... اس کے بعد [illegible] صاحب سے ملیں گے"۔

"مجھے ایک فیصد بھی یقین نہیں کہ آپ میرے لیے کچھ کر [illegible] گے.... اس کے باوجود نہ جانے کیوں مجھے امید کی ایک کرن [illegible] ہونے لگی ہے"۔

"اگر آپ مجرم نہیں.... تب آپ ضرور بچ جائیں گے اور [illegible] آپ مجرم ہیں.... تو ہرگز نہیں بچ سکیں گے"۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا.... اصل مجرم تیاری ہیں۔ ان کے بارے میں کوئی شک کرنے کے لیے تیار نہیں"۔

"ہم انہیں بھی چیک کریں گے"۔

"مشکل ہے"۔ وہ بولا۔

"کیا مشکل ہے؟"

"یہ کہ آپ مسٹر تیاری کو چیک کر سکیں.... وہ وزیر خارجہ کا خاص آدمی ہے"۔

"کوئی بات نہیں.... ہم بھی صدر صاحب کے خاص آدمی ہیں"۔ محمود مسکرایا۔

"اچھی بات ہے.... میں دیکھتا ہوں.... آپ اس سلسلے میں کیا کرتے ہیں"۔ اس نے سر کو ایک جھٹکا دیا اور وہ باہر چلے آئے۔

جلد ہی وہ 111 لین روڈ کے سامنے کھڑے تھے.... انہوں نے ماسٹر کی کی مدد سے دروازہ کھولا ہی تھا کہ اندر آہٹ سنائی دی.... اور عین اس وقت موبائل فون کی گھنٹی سنائی دی۔

○○

نقلی کہیں کے

آفتاب کی بات سن کر کئی سیکنڈ بعد تک پروفیسر داؤد کے منہ سے
کوئی لفظ نہ نکل سکا.... پھر آفتاب کی ہی آواز سنائی دی۔

"کیا ہوا نقلی پروفیسر انکل.... غبارے میں سے ہوا نکل گئی...
سٹی گم ہو گئی.... یا پھر آپ کو چار چاند نظر آنے لگے.... بلکہ یہ ک
چاہیے کہ آپ کو دن میں تارے نظر آ گئے"۔ آفتاب رکے بغیر کہ
گیا۔

"ہم.... مان گیا"۔ پروفیسر بولے۔

"مان گئے.... کیا مان گئے.... اور پھر آپ ٹھہرے نقلی پروفیسر
داؤد.... آپ کے کچھ ماننے.... نہ ماننے سے مجھے کیا؟" اس نے بے
انداز میں کہا۔

"تم نے مجھے نقلی پروفیسر کیسے کہ دیا؟"

"تو اور کیا کروں.... اصلی کہوں آپ کو.... نقلی کہیں کے"۔ ا
نے بھنا کر کہا۔

"ہاں! اس لیے کہ میں سو فیصد اصلی ہوں"۔

"ارے میاں جاؤ.... بہت دیکھے ہیں اصلی.... اصل پروفیسر انکل
تو اس وقت ہماری طرف آئے ہوئے ہیں.... اور وہ آج نائب صدر سے
ملاقات کر رہے ہیں.... سنا ہے ان کی یہ ملاقات بہت اہم ہے.... اور
اس میں کئی بڑے فیصلے ملک کے بارے میں کیے جائیں گے"۔ آفتاب
نے جلدی جلدی کہا۔

"ارے باپ رے.... کیا کہ رہے ہو آفتاب.... تم یہ بات فوراً
انسپکٹر کامران مرزا کو بتاؤ.... بلکہ ان سے میری بات کراؤ.... یہ ہمارے
ملک کے خلاف کوئی بہت بڑی سازش ہے.... بہت بڑی"۔ انہوں نے
بوکھلا کر کہا۔

"آپ مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کریں.... میں آپ کے ڈرانے
میں نہیں آؤں گا.... اور دوسری بات یہ کہ آپ کی بات ابا جان سے
نہیں کرا سکتا.... انہیں نائب صدر صاحب نے بلوایا ہوا ہے.... اس
ملاقات کے دوران وہ وہیں رہیں گے.... یعنی نائب صدر کی حفاظت کے
انتظامات کریں گے"۔

"اوہ.... یہ.... یہ بہت برا ہوا.... وہاں نقلی پروفیسر داؤد بھی موجود
ہوں گے اور اس طرح نہ جانے وہ کیا کر گزریں"۔

"آپ کو ضرور وہم ہو گیا ہے.... اب میرے پاس تو اتنا وقت
نہیں ہے کہ فون سنتا رہوں.... لہٰذا اجازت"۔

"ارے ارے.... ایک منٹ.... جلدی نہ کرو.... میری بات سن

لو۔۔۔ اچھا سنو۔۔۔ میں منہ سے الو کی آواز نکالتا ہوں۔۔۔ تم فوراً اس نقلی پروفیسر سے جا کر کہو۔۔۔ ہم لوگوں کے درمیان کون سا خفیہ اشارہ مقرر ہے۔۔۔ یہ اگر وہ بتا دے تو پھر اس سے کہو۔۔۔ وہ منہ سے الو کی آواز نکال کر دکھائے۔۔۔ اور وہ ایسا نہیں کر سکے گا"۔

"کک۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ اے نقلی پروفیسر۔۔۔ یہ آپ نے کیا کہا۔۔۔ اصلی پروفیسر حلق سے الو کی آواز نہیں نکال سکے گا۔۔۔ آپ کا دماغ چل گیا ہے کیا؟"

"نہیں چلا نا۔۔۔ اگر وہ نقلی ہے تو نہیں نکال سکے گا۔۔۔ آخر تمہارا ایسا کرنے میں کیا حرج ہے۔۔۔ اور یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اتنے کم وقت میں ادھر سے کسی کو نہیں بھیجا جا سکتا"۔

"مجھے ایسا بے وقوفانہ کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔ میں بلاوجہ ایسے شوشے چھوڑنے کا عادی نہیں"۔ آفتاب نے منہ بنایا۔

"اف! اب میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔۔۔ اچھا تم یوں کرو۔۔۔ محمود یا فرزانہ میں سے کسی کو فون کر کے اصل حقیقت معلوم کر لو۔۔۔ شاید اس طرح تم جان لو کہ کیا ہونے والا ہے"۔

"اچھی بات ہے"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا۔۔۔ پروفیسر داؤد نے سر پکڑ لیا۔

"اب۔۔۔ اب میں کیا کروں۔۔۔ ارے ہاں۔۔۔ ٹھیک ہے"۔

انہوں نے جلدی سے صدر صاحب کے نمبر ڈائل کیے۔۔۔ جونہی

سلسلہ ملا۔۔۔ وہ بول اٹھے۔

"صاحب صدر۔۔۔ خطرہ۔۔۔ شدید خطرہ"۔

"کیا مطلب۔۔۔ آپ کون ہیں۔۔۔ اور یہ کس انداز میں بات کر رہے ہیں"۔ صدر نے حیران ہو کر کہا۔

"ہائیں۔۔۔ آپ نے میری آواز نہیں پہچانی"۔

"نہیں۔۔۔ میں آواز نہیں پہچان سکا"۔

"اف! یہ سب کیا ہے۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ کہ آپ میری آواز نہ پہچان سکیں۔۔۔ آپریٹر نے میری آواز پہچان کر ہی تو سلسلہ آپ سے ملایا ہے۔۔۔ ورنہ کیا وہ ہر شخص کی بات بغیر پوچھے آپ سے کرا دیتے ہیں"۔ انہوں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"تب پھر آپریٹر سے بات کریں"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا۔

پروفیسر صاحب کا سر گھوم گیا۔۔۔ انہیں پوری دنیا گھومتی نظر آنے لگی۔۔۔ وہ دوڑے انسپکٹر جمشید کے بستر کی طرف۔۔۔ وہ، خان رحمان اور فاروق بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔۔۔ لیکن ان کی آنکھیں کھلی تھیں۔

"تم نے سنا جمشید۔۔۔ اب تمہیں ہوش میں آنا ہو گا۔۔۔ ورنہ کوئی زبردست گڑبڑ ہو جائے گی۔۔۔ ادھر مشرقی حصے میں ایک عدد نقلی پروفیسر داؤد موجود ہے۔۔۔ اور آج اس نقلی کی نائب صدر سے ملاقات طے ہے۔۔۔ آفتاب مجھے اصلی ماننے کو تیار نہیں۔۔۔ میں نے تنگ آ کر

اپنے صدر کو حالات سے باخبر کرنا چاہا.... وہ میری آواز نہیں پہچان
رہے.... اب بتاؤ.... میں کیا کروں"۔
"آپ ہماری طرح آرام کریں.... آرام کرنے میں بہت مزا
رہا ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔
"جمشید نے بالکل ٹھیک کہا پروفیسر صاحب"۔ خان رحمان نے
ان کی تائید کی۔
"اور میں بھی یہی کہتا ہوں"۔ فاروق ہنسا۔
"شاید تم تینوں پر جراثیم پوری طرح اثر انداز ہو چکے ہیں.... تم
سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو رہے ہو.... کچھ دیر اور گزرنے پر تو نہ
جانے کیا حال ہو جائے گا.... میرے لیے اب یہ ضروری ہے کہ میں
سکون اور اطمینان سے ان جراثیموں کی موت کی دوا تلاش کروں۔
لیکن میں سکون اور اطمینان کہاں سے لاؤں.... بڑے بڑے لوگ
جراثیموں کا شکار ہو رہے ہیں اور مجھے فون کر رہے ہیں.... ادھر شہر کے
حصے میں نقلی پروفیسر داؤد نہ جانے کیا گل کھلائیں.... جمشید.... کیا تم
مشورہ دینے کی حد تک بھی میری مدد نہیں کر سکتے؟"
"دے تو رہا ہوں.... آپ بس آرام کریں"۔
"اچھا.... تم سے کوئی امید نہیں کی جا سکتی"۔ انہوں نے
مایوسانہ انداز میں کہا اور وہاں سے ہٹ آئے.... ابھی راستے میں تھے
کہ ایک ماتحت نے آکر بتایا۔

"سلیم کاشانی صاحب آئے ہیں"۔
"انہیں الگ کمرے میں لٹا دو.... کہ دو.... میں تھوڑی دیر تک
آؤں گا"۔
"جی بہتر.... آپ نے کیا کہا.... لٹا دوں انہیں"۔ ماتحت نے
حیران ہو کر کہا۔
"ہاں! وہ بھی جراثیموں کا شکار ہو چکے ہیں"۔
"اف مالک.... یہ سب کیا ہو رہا ہے"۔
"پتا نہیں.... یہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھتا نظر نہیں آتا.... بلکہ اس
اونٹ کی کوئی کل سیدھی ہے ہی نہیں"۔
ماتحت بوکھلائے ہوئے انداز میں چلا گیا.... وہ تجربہ گاہ میں آگئے
اور سر پکڑ کر بیٹھ گئے.... ایسے میں انہیں محمود اور فرزانہ کا خیال آیا....
وہ چونک اٹھے.... ان حالات میں وہ تو کوئی ترکیب بتا ہی سکتے تھے....
انہوں نے فوراً ان کا موبائل نمبر ڈائل کیا.... دوسری طرف گھنٹی بجتی
رہی.... لیکن فون کسی نے نہ آن کیا.... تنگ آکر انہوں نے فون بند کر
دیا.... اور پھر سر پکڑ لیا.... اچانک ان کے ذہن میں ایک بات آئی....
انہوں نے فوراً ایک نمبر ڈائل کیا.... دوسری طرف سے فوراً کہا گیا۔
"یہ شوکی برادرز کا دفتر ہے.... کیا آپ ہم سے کوئی کیس حل
کرانا چاہتے ہیں.... نوٹ فرما لیجیے کہ ہم پوری فیس پہلے لیتے ہیں....
اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آج ہمارے بنک میں صرف پانچ سو

روپے رہ گئے ہیں.... گویا ہم کچھ بھی نکالنے کے قابل نہیں ہیں"۔

"ہاں! میں تم سے کیس حل کرانا چاہتا ہوں"۔ وہ بولے۔

"ارے! یہ.... یہ تو اپنے پروفیسر انکل کی آواز ہے.... دھت تیرے کی.... گویا کیس ہاتھ آتے آتے رہ گیا"۔

"اوہو نہیں رہا.... میں تمہیں کیس سونپ رہا ہوں.... معاوضہ بھی پورا پہلے ملے گا.... بس تم آ جاؤ"۔

"آ کیسے جائیں؟" شوکی نے کہنا چاہا۔

"ہاں ہاں.... جانتا ہوں.... میں تم لوگوں کی پرواز کا انتظام کر رہا ہوں.... تم پہلی ملنے والی پرواز پر آ جاؤ"۔

"آپ کیا انتظام کر رہے ہیں.... کچھ پتا تو چلے"۔

"ابھی تم لوگوں کو گاڑی لینے کے لیے آتی ہو گی"۔

"لیکن یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے ہمیں اپنے گھر والوں کو بھی تو کچھ رقم دینا ہو گی"۔

"اچھا.... جو گاڑی تمہیں لینے کے لیے آئے گی.... اس کا ڈرائیور تمہیں کچھ نقدی بھی دے گا"۔ انہوں نے جل کر کہا۔

"ہاں! یہ ہوئی بات.... بلکہ بہت خوب بات.... کاش ایسی بہت خوب باتیں کرنے والے اور...."

اور پروفیسر داؤد نے فون بند کر دیا۔ اب وہ ایک اور جگہ فون کر رہے تھے.... پھر اس طرف سے فارغ ہو کر وہ سلیم کاشانی کے

کمرے میں پہنچے۔

"آپ نے.... آنے میں اتنی دیر لگا دی"۔

"بہت ضروری کام کر رہا تھا"۔

"اور کیا میرا کام آپ کو ضروری نظر نہیں آتا"۔ وہ چیخے۔

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی.... انہوں نے چونک کر فون کی طرف دیکھا.... ادھر سلیم کاشانی بول پڑے۔

"بجنے دیں.... اسے.... ریسیور نہ اٹھائیں.... پہلے میری طرف توجہ دیں"۔

"لیکن یہ فون بہت اہم بھی ہو سکتا ہے"۔

یہ کہہ کر انہوں نے ریسور اٹھا لیا.... دوسری طرف سے کوئی کہہ رہا تھا۔

"کیا یہ پروفیسر داؤد کا نمبر ہے"۔

"جی ہاں.... بات کر رہا ہوں"۔

محمود اور فرزانہ ایک عمارت میں پھنس گئے ہیں.... میں نے انہیں اس عمارت میں داخل ہوتے دیکھا ہے.... اور اس کے بعد انہیں باہر نکلتے نہیں دیکھا گیا.... عمارت کا نمبر ہے ۱۱۱ لین روڈ"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا۔

انہوں نے پھر محمود کے نمبر ملائے.... گھنٹی بجتی رہی.... لیکن فون ریسیو نہیں کیا گیا.... اب انہوں نے تیزی سے سر کو حرکت دی.... اور

اکرام کے نمبر ڈائل کیے۔

"جی انسپکٹر اکرام پلیز"۔ دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

"خدا کا شکر ہے۔۔۔ تمہاری آواز تو سنائی دی"۔

"آپ بہت پریشان لگتے ہیں۔۔۔ خیر تو ہے"۔

"سب سے پہلے تو تم اکرام ... لین روڈ پہنچو۔۔۔ وہاں محمود ا
فرزانہ پھنس گئے ہیں۔۔۔ انہیں وہاں سے نکالو اور سیدھے میرے پاس
لے آؤ۔۔۔ دیکھو انہیں لے کر ادھر ادھر نہ جانا"۔

"بہت بہتر سر۔۔۔ لیکن یہ چکر کیا ہے؟"

"ابھی میں چکر کی وضاحت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔
بس تم حرکت میں آجاؤ"۔

"او کے۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔۔۔ میں اسی وقت روانہ ہو رہا
ہوں"۔

فون بند کر کے وہ سلیم کاشانی کی طرف متوجہ ہوئے۔۔۔ پہلے
انہوں نے ان سے خون لیا اور اپنے ماتحت کے حوالے کیا۔

"جب تک خون کا تجزیہ نہیں ہو جاتا۔۔۔ اس وقت تک میں
آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔ اس بات کو ذہن میں رکھیے گا"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ تجزیے میں کتنی دیر لگے گی"۔

"پندرہ منٹ یا بیس منٹ"۔

"اچھی بات ہے"۔

وہ پھر تجربہ گاہ میں آ گئے۔۔۔ شرقی حصے میں پھر اس شخص کو فون
کیا جسے شوکی برادرز کے بارے میں ہدایات دی تھیں۔

"ہاں! کیا بنا"۔

"انہیں جہاز میں سوار کر دیا گیا ہے۔۔۔ ڈیڑھ گھنٹے تک آپ کے
پاس پہنچ جائیں گے۔۔۔ لیکن میرے دوست یہ چکر کیا ہے؟"

"پھر بتاؤں گا۔۔۔ ابھی میں بہت جلدی میں ہوں"۔ یہ کہہ کر
انہوں نے فون بند کر دیا۔

"خدا کا شکر ہے۔۔۔ شوکی برادرز تو آتے نظر آئے"۔

کچھ خیال آنے پر انہوں نے پھر انسپکٹر کامران مرزا کے نمبر
ملائے۔۔۔ اس بار بیگم کامران مرزا نے فون اٹھایا۔

"یہ آپ ہیں بھابی"۔ پروفیسر داؤد بات کر رہا ہوں"۔

"ارے پھر نقلی پروفیسر۔۔۔ آفتاب مجھے بتا گیا ہے"۔

"اف۔۔۔ میں نقلی نہیں۔۔۔ اصلی ہوں۔۔۔ آخر انسپکٹر کامران مرزا
کہاں ہیں۔۔۔ وہ فوراً جان لیں گے کہ میں اصلی ہوں"۔

"وہ اس وقت نائب صدر کے ساتھ موجود ہیں۔۔۔ جہاں اصلی
پروفیسر داؤد کی ملاقات نائب صدر سے ہونے والی ہے"۔

"میں وہاں فون کر رہا ہوں"۔

"کوئی فائدہ نہیں۔۔۔ وہ پوری طرح خبردار ہیں۔۔۔ آپ کو گھاس
نہیں ڈالیں گے۔۔۔ نقلی صاحب۔۔۔ آپ چاہے کتنی کوشش کر لیں"۔

"اچھا اچھا۔۔۔ بعد میں آپ لوگوں کو افسوس ہو گا کہ آپ اصل
کو نقلی خیال کرتے رہے"۔

"دیکھا جائے گا"۔

اب پروفیسر داؤد نے نائب صدر کے نمبر ڈائل کیے۔۔۔ آپریٹر نے
فون سنا اور یہ کہہ کر بند کر دیا کہ اس وقت نائب صدر سے بات نہیں
ہو سکتی۔۔۔ انھوں نے جھنجلا کر پھر فون کیا اور اس سے پہلے کہ آپریٹر
جملہ دہراتا۔۔۔ وہ چلائے۔

"نائب صدر سے بات نہیں ہو سکتی تو کیا آپ بھی بات نہیں
سن سکتے۔۔۔ کیا ہو گیا ہے سب کو۔۔۔ وہاں نقلی پروفیسر داؤد نائب صدر
سے ملاقات کرنے والا ہے۔۔۔ ہوشیار ہو جاؤ۔۔۔ کوئی زبردست سازش
گئی ہے"۔

لیکن دوسری طرف سے فون بند کیا جا چکا تھا۔۔۔ انھوں نے
سر پکڑ لیا۔۔۔ اسی وقت تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔

○○

ہو جاؤ حیران

"اب کیا کریں۔۔۔۔ اندر آہٹ سنائی دی ہے۔۔۔۔ جب کہ ادھر
موبائل کی گھنٹی بج رہی ہے"۔ محمود نے فرزانہ کی طرف سوالیہ انداز
میں دیکھا۔

"اب اس وقت فون کون سنے۔۔۔۔ اندر چلتے ہیں۔۔۔ بہت دیر ہو
گئی۔۔۔ اس کیس کے سلسلے میں دھکے کھاتے۔۔۔ اب تو جی چاہتا ہے۔۔۔
بس کچھ ہو جائے"۔ فرزانہ بولی۔

"تو پھر آؤ۔۔۔ دیکھا جائے گا"۔

محمود نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔۔۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔۔۔ محمود
نے فوراً ٹارچ ہاتھ میں لے لی اور اس کی روشنی میں آگے بڑھنے
لگے۔۔۔ پھر سوئچ بورڈ کو تلاش کر کے بٹن دبا دیا گیا۔۔۔ پورا گھر روشن ہو
گیا۔۔۔ شاید صرف مین سوئچ بند تھا۔۔۔ باقی تمام بٹن آن ہی تھے۔

"حیرت ہے۔۔۔ وہ آہٹ پھر سنائی نہیں دی"۔ فرزانہ بڑبڑائی۔

"وہ ہمارا وہم بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ باہر تالا لگا ہوا تھا۔۔۔ لہٰذا اندر
کون ہو گا"۔ محمود نے منہ بنایا۔

"اس سے تو پھر بہتر تھا... ہم فون ہی سن لیتے... نہ جانے کس کا فون تھا... اب تو گھنٹی بھی بند ہو چکی ہے"۔ فرزانہ نے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار نمودار ہو گئے۔

"کوئی بات نہیں... وہ پھر فون کرے گا"۔

وہ آگے بڑھتے چلے گئے... مکان تین کمروں کا تھا... اور ایک اس میں ڈرائنگ روم تھا... اچانک انہیں وہ آہٹ پھر سنائی دی... اب تو ان کے کان کھڑے ہو گئے اور رونگٹے بھی کھڑے ہوتے محسوس ہوئے... گویا مکان میں کوئی تھا ضرور... اب دونوں نے پستول نکال لئے اور کمر سے کمر ملا کر آگے بڑھنے لگے... اچانک تین میں سے ایک کمرے کا دروازہ بہت آہستہ کھلا... وہ اس وقت صحن میں تھے... اور تینوں کمروں کے دروازے صحن میں کھلتے تھے... ان کے دل دھک دھک کرنے لگے... پستول کی نالوں کے رخ اس کمرے کے دروازے کی طرف ہو گئے... آخر دروازہ پورا کھل گیا... انہیں اندر ایک شخص کمرے میں بیٹھا نظر آیا... اس کے چہرے پر کوئی نقاب نہیں تھا... اس شخص کو انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"خوش آمدید"۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"وعلیکم خوش آمدید"۔ محمود نے فوراً کہا۔

"مجھے یقین تھا... تم یہاں آؤ گے... اس لیے میں تمہارے استقبال کے لیے پہلے ہی یہاں آ گیا تھا"۔

"شش... شکریہ"۔ محمود ہکلایا۔

"ڈر گئے"۔ وہ ہنسا۔

"کک... کوشش کر رہے ہیں"۔ محمود نے کہا۔

"کوشش... کس بات کی؟"

"ڈرنے کی"۔ محمود نے فوراً کہا... اس کا منہ بن گیا۔

"مجھے افسوس ہے"۔ اس نے کہا۔

"کس بات پر؟"

"اس بات پر کہ اب تم اس گھر سے جا نہیں سکو گے"۔

"آپ کی تعریف؟"

"ارے! تم نے مجھے نہیں پہچانا"۔ اس نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں... اگر پہچان لیا ہوتا... تو ایسی بات کیوں کہتا"۔ محمود نے منہ بنایا۔

"جواب معقول ہے... لیکن مجھے پہچاننا تو تمہیں پڑے گا... نہیں پہچانو گے تو بہت پچھتاؤ گے... اور پہچانو گے، تب بھی پچھتاؤ گے"۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"اگر یہ کوئی بات ہوئی... تب بھی تم پچھتاؤ گے... نہیں ہوئی... تب بھی تم پچھتاؤ گے"۔

"اچھا بابا... پچھتا لیں گے... ہمارا کیا جاتا ہے"۔ فرزانہ نے

جھلا کر کہا۔

"ہاں! یہ ہوئی نا بات... اچھا پہلے تم اپنا کام کر لو... یعنی اس مکان کی پوری طرح تلاشی لے لو... اس لیے کہ جیک پانڈے اس مکان میں رہتا تھا... جب سے اسے گرفتار کیا گیا ہے... یہ مکان بند پڑا ہے... صرف میں یہاں آیا ہوں یا تم... اور کسی نے اس مکان کی تلاشی لینے کا خیال تک نہیں کیا... عجیب لوگ ہیں... اور ان سب سے زیادہ تم عجیب ہو... ہر جگہ پہنچ جاتے ہو... لیکن شاید اس بار تمہاری دال نہیں گل رہی"۔

"جی ہاں! یہی بات ہے... نہ جانے آج کل کی دالوں کو ہو کیا گیا ہے"۔

"میرے پاس ایسی دال ہے... جو فوراً گل جائے گی"۔ وہ مسکرایا۔

"یہ سن کر ہماری امی جان بہت خوش ہوتیں... لیکن وہ یہاں نہیں ہیں"۔

"پسند کرو تو بلوا لیتے ہیں... رہنا تو اب تم لوگوں کو یہیں ہے... ہاں ٹھیک تو رہے گا... تم لوگوں کو پکا کر کھلایا تو کریں گی"۔

"نہیں... آپ انہیں تکلیف نہ دیں... ہم خود ہی پکا لیا کریں گے"۔

"جیسے تم لوگوں کی مرضی... میں تو چاہتا تھا... تم سب کے سب

اس مکان میں جمع ہو کر زندگی کے باقی دن گزار لیتے... پورا شہر تمہیں تلاش کرتا رہتا... لیکن تمہیں تلاش نہ کر پاتا... یہاں تک کہ اس مکان کی تلاشی لینے پر بھی تمہیں نہ تلاش کر پاتا"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔

"بس ہو سکتا ہے... اسی لیے کہہ رہا ہوں نا"۔ اس نے منہ بنایا۔

"آپ کا مطلب ہے... اب ہم اس مکان کے قیدی ہیں"۔

"ہاں... بالکل"۔

"آپ نے شاید دیکھا نہیں... ہم دونوں کے ہاتھوں میں پستول ہیں"۔

"یہ... کھلونے... میں ایسی چیزوں کی طرف دیکھا ہی نہیں کرتا... ویسے تم اپنا شوق پورا کرنا چاہو تو کر لو... میں حرکت بھی نہیں کروں گا... گولیاں پھر بھی میرے دائیں بائیں سے کنی کترا کر نکل جائیں گی... ڈرتی ہیں نا مجھ سے"۔

"میرا خیال ہے... ہم ایسا کر کے دیکھ ہی لیں... کیا خیال ہے فرزانہ؟"

"چلو کوئی حرج نہیں... ہو سکتا ہے... یہ صاحب بلاوجہ اس قدر بلند ڈینگیں مار رہے ہوں"۔

"او کے"۔ اس نے کہا... پھر دونوں نے نشانہ لے کر فائر کیا...

گولیاں واقعی اس کے دائیں بائیں سے گزر کر دیوار میں جا کر لگیں۔ پلستر اکھڑ کر نیچے گرا۔

"اب اس کمرے کی صفائی بھی تم خود کرو گے"۔

انھوں نے پھر فائر کیے۔ اور پھر تو وہ کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ دونوں کا پستول خالی ہو گیا۔

"اب پستول بھی مجھ پر کھینچ مارو۔ تاکہ کوئی حسرت نہ رہ جائے"۔

"نہیں جناب۔ ہم اپنے پستول اپنے پاس رکھنا پسند کریں گے"۔ محمود مسکرایا۔

"تم حیران نظر نہیں آ رہے"۔ اس نے حیران ہو کر کہا۔

"اگر آپ چاہتے ہیں۔ تو ہم حیران ہو جاتے ہیں۔ ہو جاؤ فرزانہ۔ ہو جاؤ حیران۔ یہ صاحب بھی کیا یاد کریں گے"۔

"بہت بہتر"۔ فرزانہ نے کہا اور پھر اس کے چہرے پر حیرت ہی حیرت نظر آنے لگی۔ محمود بھی کچھ کم حیران نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہو۔ کیا خیال ہے۔ کسی فلم کمپنی میں بھرتی کرا دوں؟"

"ایسے فضول شوق نہیں پالتے ہم لوگ"۔ فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ویسے۔ ابھی تک آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا"۔

"کرا تو چکا ہوں۔ پہچاننا تو تمہیں خود پڑے گا"۔

"اچھی بات ہے۔ پہچان لیں گے۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ اب ذرا اس کیس پر روشنی ڈال دیں"۔ فرزانہ بولی۔

"لاؤ۔ ٹارچ مجھے دے دو۔ روشنی ڈال دیتا ہوں"۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ محمود نے ٹارچ اس کی طرف بڑھا دی۔ اس نے ٹارچ لے لی۔ اور اس کو آن کر دیا۔ ٹارچ کی روشنی ان کے چہروں پر پڑنے لگی۔

"کچھ سمجھ میں آیا؟"

"جی نہیں"۔ دونوں بولے۔

"بس تو پھر۔ روشنی ڈالنے سے جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو میں کیا کر سکتا ہوں"۔

"شاید آپ کو مذاق کی بہت عادت ہے"۔

"مذاق کی نہیں۔ مزے لینے کی۔ میں دشمن کو نچا کر مزے لینے کا عادی ہوں۔ اب تم خود دیکھ لو۔ جب سے یہ کیس شروع ہوا ہے۔ تم لوگ میرے مقابلے میں بالکل بے بس ہو نا"۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

"جراثیموں کے ذریعے ہم لوگوں کو بے بس کیا جا رہا ہے۔ یہ کوئی بہادری تو نہیں"۔

"یہ سراسر الزام ہے۔ اس لیے کہ تم دونوں پر جراثیم کا کوئی اثر نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود۔ تم میرے مقابلے میں بالکل

بے بس ہو۔۔۔

"ایسی کوئی بات نہیں"۔

یہ کہتے ہی فرزانہ نے اس پر چھلانگ لگائی۔۔۔ محمود بھی اندازہ لگا چکا تھا کہ فرزانہ کیا کرنے والی ہے۔۔۔ لہٰذا اس نے بھی چھلانگ لگانے میں دیر نہ لگائی۔۔۔ ادھر اس شخص نے بچنے کے لیے ادھر ادھر جھکنے۔۔۔ یا جوابی وار کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔۔۔ بس جوں کا توں بیٹھا رہا۔ وہ اس سے پوری قوت سے ٹکرائے اور ادھر ادھر گرے۔۔۔ ان کے ہوش اڑ گئے۔۔۔ انھیں یوں لگا جیسے وہ لوہے کے کسی آدمی سے ٹکرائے ہوں۔

"زیادہ چوٹ تو نہیں آئی"۔

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔ بولے کچھ نہیں۔۔۔ بس اسے گھورتے رہے۔۔۔ شاید سوچ رہے تھے کہ آخر اس پر کس رخ سے حملہ کریں"۔

"جس طرف سے جی چاہے حملہ کرو۔۔۔ اور کوئی پروانہ کرو"۔

"بس۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں۔۔۔ تم نے اپنے جسم پر لوہے کا لباس پہن رکھا ہے۔۔۔ لہٰذا ہم اپنے ہاتھ پیر کیوں تڑوائیں۔۔۔ ہم وار کریں گے۔۔۔ لیکن۔۔۔ ابھی نہیں"۔

"ارے بھئی۔۔۔ بالکل غلط خیال ہے تم دونوں کا۔۔۔ میرے جسم پر لوہے کا لباس نہیں ہے"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"نہیں ہو گا۔۔۔ تب بھی ہم ابھی حملہ نہیں کریں گے"۔

"تمہاری مرضی۔۔۔ پھر میں تم دونوں پر حملہ کروں گا۔۔۔ اپنا بچاؤ تو کرو گے؟"

"اس سے بہتر ہے۔۔۔ ہم آپس میں بات چیت کر لیں۔۔۔ آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔۔۔ کیا یہ سارا چکر صرف جیک پانڈے کی رہائی کے لیے ہے"۔

"جیک پانڈے تم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئے گا"۔

"ہم سمجھنے کی کوشش تو کر سکتے ہیں"۔

"ضرور کوشش کرو۔۔۔ کس نے منع کیا ہے۔۔۔ لیکن جان نہیں سکو گے"۔

"خیر کوئی بات نہیں"۔ محمود نے منہ بنایا۔

"تم نے ایک بات نہیں پوچھی"۔ وہ ہنسا۔

"کک۔۔۔ کون سی بات؟" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"آخر تم اور تمہارا بھائی خوف کا شکار کیوں نہیں ہوئے۔۔۔ جب کہ خان رحمان، فاروق اور انسپکٹر جمشید تک شکار ہو چکے ہیں"۔

"اپنے سے زیادہ ہم پروفیسر صاحب کے لیے حیران ہیں۔۔۔ وہ کیوں شکار نہیں ہوئے"۔

"دونوں باتوں کا جواب ایک ہی ہے۔۔۔ اگر تم دونوں میں سے کوئی دے دے تو میں انعام دوں گا"۔

"لیکن کیا... کیا انعام دیں گے آپ"۔ فرزانہ نے منہ بنایا۔

"درست جواب پر دونوں کو ایک ہی کمرے میں بند کروں گا۔ ورنہ الگ الگ کمرے میں رکھوں گا"۔ اس نے سرد آواز میں کہا۔

"ہمیں اس کی پروا نہیں... کہ ہمیں کس طرح رکھا جاتا ہے"۔ محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"گویا جواب نہیں سوجھ رہا"۔

"یہ بات نہیں... جواب ہم بغیر کسی لالچ کے دینا پسند کریں گے"۔

"تو دو جواب"۔ اس نے کہا۔

"جی بہتر... آپ نے ہمیں جراثیموں کا شکار اس لیے نہیں کیا کہ مزے لے سکیں"۔ محمود نے فوراً کہا۔

"اوہ... بہت خوب... تم لوگ تو واقعی جان گئے ہو... ٹھیک ہے... اچھا خیر اب میں اپنے وعدے کے مطابق تم دونوں کو ایک کمرے میں بند کر رہا ہوں... اس کمرے میں ضرورت کی چیزیں موجود ہیں۔ مکان سے نکلنے کی کوشش خطرناک ہو گی، اس کا نقصان تمہیں پہنچے گا... یہ دھمکی نہیں... نصیحت ہے... ورنہ تم جب چاہو... یہاں سے نکلنے کی کوشش کر سکتے ہو... کمرے کا دروازہ بھی بند نہیں ہو گا... تم جب چاہو کمرے سے نکل سکتے ہو... کوئی پابندی نہیں... مکان میں گھوم پھر سکتے ہو... بس باہر نکلنے کی کوشش نہیں کر سکتے... ہو سکتا

ہے... اس مکان میں کچھ اور مہمان بھی آئیں... ان کے ساتھ تمہیں ہی رہنا ہو گا"۔

"سوال یہ ہے کہ آپ ہمیں قید کیوں کرنا چاہتے ہیں؟" محمود نے جھلا کر کہا۔

"تم نے کافی دوڑ دھوپ کر لی... اب آرام کرو"۔

"آپ ہمیں نہیں روک سکتے... ہم جا رہے ہیں"۔ فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

"ضرور... کیوں نہیں"۔ وہ مسکرایا۔

"چلو فرزانہ... چلیں"۔ محمود نے اچانک کہا اور پھر وہ دروازے کی طرف دوڑ پڑے... اس شخص نے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کی... یہاں تک کہ وہ بیرونی دروازے پر پہنچ گئے... پھر جونہی انہوں نے دروازے کو ہاتھ لگائے... وہ اچھل کر اندر کی طرف گرے... دروازے میں کرنٹ دوڑ رہا تھا... وہ فوری طور پر بے ہوش ہو گئے... ہوش میں آئے تو وہ نامعلوم آدمی جا چکا تھا... بیرونی دروازہ بند تھا اور اس پر ایک کاغذ لگا دیا گیا تھا... اس پر لکھا تھا۔

"دروازے میں کرنٹ دوڑ رہا ہے... اگر مرنے کا شوق ہو تو ضرور دروازے کو ہاتھ لگاؤ"۔

"اف مالک! یہ ہم کس مشکل میں پھنس گئے"۔ محمود گھبرا اٹھا۔

"گھبرانے سے کچھ نہیں ہو گا... آؤ دیکھیں... اس مکان سے

نکلنے کا کوئی اور راستا ہے یا نہیں"۔

انہوں نے مکان کا چکر لگایا پھر چھت پر آئے... لیکن دائیں بائیں... پیچھے کی طرف سے نکلنے کا کوئی راستا نہیں تھا۔

"نہیں فرزانہ... ہم اس مکان سے نہیں نکل سکتے"۔

"جب کہ میرا خیال یہ نہیں ہے"۔ فرزانہ مسکرائی۔

عین اس لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔

○○

آخری کوشش

"نقلی کہیں کے"۔ آفتاب بڑبڑایا۔

"کسے نقلی کہہ رہے ہو بھئی"۔ آصف نے اسے گھورا۔

"پروفیسر داؤد انکل کی جگہ بات کرنے والے کو"۔

"کیا کہہ رہے ہو"۔

"ہم جانتے ہیں... آج کل پروفیسر داؤد دورے پر یہاں آئے ہوئے ہیں... اور آج ان کی ملاقات نائب صدر سے ہو رہی ہے... جب کہ مغربی حصے سے ایک صاحب نے فون کیا ہے... وہ کہہ رہے تھے... پروفیسر داؤد بات کر رہا ہوں"۔

"کیا!!!" آصف اور فرحت ایک ساتھ چلائے۔

"اوہو... بھئی اس قدر اچھلنے کی ضرورت نہیں"۔ آفتاب گھبرا گیا۔

"تب تو پھر... کس قدر اچھلنے کی ضرورت ہے"۔ آصف نے فوراً پوچھا۔

"میرا مطلب ہے... وہ کوئی نقلی تھا"۔

"آخر اس نے کیا کہا تھا؟"

وہ انہیں بتانے لگا۔ ان کے چہروں پر حیرت دوڑتی چلی گئی۔

جب وہ خاموش ہوا تو آصف نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"لیکن ۔۔۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی پروفیسر انکل ہوں۔۔۔ اور اس طرف واقعی نقلی پروفیسر ہوں۔"

"آخر کیوں۔۔۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"ضرورت کی بات بعد میں۔۔۔ پہلے طے کر لیا جائے۔"

یہ کہہ کر آصف نے جلدی سے پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ کے نمبر ملائے۔۔۔ دوسری طرف سے فوراً ہی پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

"ہائیں۔۔۔ انکل۔۔۔ یہ آپ ہیں۔"

"کیا۔۔۔ کون آصف۔۔۔ یہ تم ہو۔۔۔ ابھی ابھی مجھ سے آفتاب نے بات کی تھی۔۔۔ اس نے تو میری ایک نہیں سنی تھی۔۔۔ تم ہی سن لو۔"

"اسی لیے تو فون کیا ہے۔۔۔ لیکن سننے سے پہلے ایک بات بتائیں۔"

"اور وہ کیا؟" وہ بولے۔

"جب میری اور آپ کی ملاقات۔۔۔ راولا ڈیم پر ہوئی تھی۔۔۔ تو آپ نے مجھے ایک بہت خاص بات بتائی تھی۔۔۔ بتائی تھی نا۔" فوراً جواب دیں۔

"ہماری راولا ڈیم پر کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔" وہ بولے۔

"ایک منٹ جناب۔۔۔ میں ایک بات اور پوچھ لوں۔۔۔ لنٹی پلانٹ والے کیس میں۔۔۔ ہمارے درمیان کیا معاملہ طے ہوا تھا۔ اگر آپ یہ بتا دیں تو پھر آپ اصلی اور یہاں والا نقلی۔"

"ہاں ضرور کیوں نہیں۔۔۔ ہمارے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ جان اپنے [illegible] تو سب سے آخر میں جان میں ڈالوں گا۔۔۔ اور یہ بات [illegible] نے مجھ سے زبردستی طے کرائی تھی۔" دوسری طرف سے [illegible] میں کہا گیا۔

"اف میرے۔۔۔ یہ بات صرف ہمارے اور آپ کے درمیان طے ہوئی تھی اور کسی کو بھی معلوم نہیں۔۔۔ بہت پرانی بات ہے۔۔۔ لہٰذا آپ کے اصل ہونے کے امکانات بہت بڑھ گئے ہیں۔"

"ابھی صرف امکانات بڑھے ہیں۔" پروفیسر داؤد چلا اٹھے

اور وہ ہنس پڑے۔۔۔ پھر آصف نے فوراً کہا۔

"ایسے معاملات میں بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"اچھا خیر۔۔۔ آج تم اپنی تمام احتیاط پوری کر لو۔۔۔ لیکن ایسا نہ ہو۔۔۔ ادھر ملاقات ہو جائے اور تم امکانات بڑھاتے رہ جاؤ۔" انہوں نے جل بھن کر کہا۔

"امید ہے۔۔۔ ایسا نہیں ہو گا۔۔۔ بس اتنا اور بتا دیں۔۔۔ ہمارے درمیان الو کی آواز کے علاوہ آپس میں ملنے کا اور کون سا طریقہ ہے؟"

"اور کوئی طریقہ ہے نہیں ہے... میرا دماغ نہ چاٹو"۔ وہ
چلائے۔

"تب پھر آپ بھی جواب سن لیں"۔ آصف نے بھی چیخ کر کہا۔

"ہائیں... تم مجھ سے ایسے لہجے میں بات کر رہے ہو"۔ پروفیسر
گرجے۔

"ہاں! اس لیے کہ آپ سو فیصد اصلی ہیں... ارے باپ
رے... ہمیں تو ایوان صدر کی طرف دوڑ پڑنا چاہیے... اف مالک...
انکل! اب ہم آپ سے بات نہیں کر سکتے"۔

آصف نے بلا کی تیزی سے کہا اور پھر وہ باہر کی طرف دوڑ
پڑے... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ کار میں بیٹھ کر ایوان صدر کی طرف
روانہ ہو گئے۔

"فون کرنے کی بھی کوشش کرو"۔

"کوئی نہیں سنے گا"۔

"لیکن ابا جان ضرور فون سنیں گے، ہم ان کے نمبر پر فون کریں
گے... ان کی جیب میں موبائل فون ہے"۔

"ٹھیک ہے... کوشش کر لیتے ہیں"۔

یہ کہہ کر آفتاب نے ان کے نمبر ملائے... کار اس وقت آصف
چلا رہا تھا اور وہ دونوں پچھلی سیٹ پر تھے... دوسری طرف گھنٹی بجنے کی
آواز سنائی نہ دی... اس نے دو تین بار کوشش کی... پھر نائب صدر

کے نمبر ملائے، ان کا فون بھی بند تھا... اب اس نے ان کے دفتر کے
نمبر ملائے... فوراً ہی آپریٹر کی آواز سنائی دی۔

"آفتاب احمد بات کر رہا ہوں"۔

"کون؟" دوسری طرف سے حیران ہو کر کہا گیا۔

"ادھر بہت گڑبڑ ہے... میرے والد صاحب کو اس گڑبڑ کے
بارے میں بتانا ضروری ہے... کیا آپ اس سلسلے میں ہماری کوئی مدد کر
سکتے ہیں... ورنہ ہمارا گھر تباہ ہو سکتا ہے"۔

"کون بات کر رہا ہے... اور کس کے بارے میں کہہ رہے
ہیں"۔

"بتا چکا ہوں جناب، آفتاب احمد بات کر رہا ہوں... انسپکٹر
کامران مرزا کا بیٹا"۔

"اوہ... یہ آپ ہیں... آپ نے کیا کہا... آپ کے گھر میں
بہت گڑبڑ ہے... لیکن افسوس... میں انہیں کوئی اطلاع نہیں دے
سکتا... ہدایات یہی ہیں... دراصل اس قسم کی اطلاعات پہلے ہی مل چکی
ہیں... کہ اس پروگرام میں ہر حال میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی
جائے گی... کبھی اطلاع دی جائے گی... اصل پروفیسر داؤد کی جگہ نقلی
پروفیسر آج صدر صاحب سے بات کر رہے ہیں... کبھی کہا جائے گا...
ایوان صدر میں بم پھٹ جائے گا، وغیرہ وغیرہ... ان اطلاعات کی بنیاد پر
انسپکٹر کامران مرزا صاحب نے پہلے ہی ہر طرح کی چیکنگ کر لی تھی...

اور انتظامات ایسے کیے ہیں کہ کوئی گڑبڑ نہ ہو سکے.... اب جب تک یہ
ملاقات نہیں ہو جاتی.... اس وقت تک ان میں سے کسی سے بھی رابطہ
نہیں ہو سکے گا.... یہاں تک کہ انسپکٹر کامران مرزا بھی کسی سے کوئی
بات نہیں کریں گے"۔

"اف مالک.... تب تو گڑبڑ ہو جائے گی"۔

"نہیں ہو گی.... یہ سب سازش ہے.... گڑبڑ کرنے کی"۔

"آپ ایوان صدر کی بات کر رہے ہیں.... میں اپنے گھر کی بات
کر رہا ہوں"۔

"اوہ ہاں.... آپ کے گھر کا مسئلہ ہے.... تو آپ پولیس کی مد(د)
حاصل کریں"۔ آپریٹر نے مشورہ دیا۔

"اب یوں کام نہیں چلے گا"۔

"تو جیسے چلے گا.... چلا لیں"۔

"آپ کو میں اطلاع دے چکا ہوں.... اب ذمے دار آپ ہوں
گے"۔

"نہیں ہوں گا.... جب مجھے ہدایات یہی ہیں"۔

"اس کے باوجود آپ ذمے دار ہوں گے"۔ وہ چلا اٹھا۔

"نہیں ہوں گا"۔ جواب میں وہ بھی چلایا اور فون بند کر دیا۔

"ہمیں ایوان صدر جانا ہی ہو گا.... اس کے سوا کوئی چا(رہ)
نہیں"۔

"وہ تو ہم جا ہی رہے ہیں"۔ فرحت نے منہ بنایا۔

"فرحت.... تم کوئی ترکیب سوچو.... ان تک پہنچنے کے تمام
راستے بند ہیں"۔

"تمہاری طرح میں بے وقوف نہیں ہوں.... سوچ چکی ہوں"۔
وہ مسکرائی۔

"اچھا.... تو پھر جلدی بتاؤ"۔

"ہمیں ایوان صدر کے اس حصے میں جانا ہو گا.... جس میں صدر
صاحب کے گھر والے رہتے ہیں.... اور اس طرف جانے سے ہمیں
کوئی نہیں روکے گا"۔

"لیکن ہم وہاں جا کر کیا کریں گے.... ملاقات وہاں تو نہیں ہو
رہی"۔

"اوہو بھئی.... اس وقت اگر ان لوگوں سے کوئی رابطہ کر سکتا
ہے.... تو وہ ان کی بیگم کر سکتی ہیں"۔

"ہو سکتا ہے.... وہ بیگم کی بات بھی نہ سنیں"۔

"کوشش تو کی جا سکتی ہے نا"۔

"اچھی بات ہے.... یونہی سہی"۔

اور پھر وہ ایوان صدر کے رہائشی حصے کی طرف چلے آئے....
باڈی گارڈ انہیں بہت اچھی طرح پہچانتے تھے.... لہٰذا ان کا راستہ کسی
نے روکنے کی کوشش نہ کی.... اندرونی محافظ نے انہیں دیکھ کر اندر پیغام

بھجوا دیا۔۔۔ اور انھیں فوراً اندر بلا لیا گیا۔۔۔ نائب صدر کی بیگم صاحب
نے انھیں مسکرا کر دیکھا اور بولیں۔

"آج ادھر کیسے بھول پڑے"۔

"ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔۔۔ الگ کمرے میں چل کر بتا سکتے
ہیں"۔

"آؤ"۔ وہ بولیں اور انھیں کمرے میں لے آئیں۔۔۔ کمرے کا
دروازہ بند کر دیا گیا۔

"ہاں! اب بتاؤ۔۔۔ ویسے تم بہت فکرمند لگ رہے ہو"۔

"فکرمند نہ لگیں تو کیا لگیں۔۔۔ مسئلہ ہی ایسا ہے"۔

"بتاؤ پھر"۔

"پہلے آپ بتائیں۔۔۔ کیا آپ صدر صاحب سے رابطہ کر سکتی
ہیں"۔

"ہاں کیوں نہیں۔۔۔ میں اور ان سے رابطہ نہ کر سکوں۔۔۔ ویسے
میرے لیے ان کے پاس ایک الگ فون ہے۔۔۔ اس پر کوئی اور فون
نہیں کرتا۔۔۔ اسی طرح ان کے لیے میرے پاس بالکل الگ فون ہے"۔

"تب پھر آپ اس فون پر ان سے رابطہ کریں"۔

"لیکن مجھے افسوس ہے۔۔۔ میں ایسا نہیں کر سکتی"۔

"جی۔۔۔ جی کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آج کے دن ان کی خاص ہدایت ہے۔۔۔ آج میں

انھیں فون نہیں کروں گی"۔

"چاہے کچھ ہو جائے؟"

"ہاں! چاہے کچھ ہو جائے"۔ وہ مسکرائیں۔

"لل۔۔۔ لیکن آپ کو نہیں معلوم وہاں کیا ہونے والا ہے"۔

"کچھ بھی ہونے والا ہو۔۔۔ میں انھیں فون نہیں کر سکوں گی"۔

"یہ تو کوئی بات نہیں۔۔۔ جب میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ کیا
آپ انھیں فون کر سکتی ہیں تو آپ نے فوراً کہا تھا' کیوں نہیں کر
سکتی"۔ آفتاب نے منہ بنایا۔

"اس وقت آپ نے یہ نہیں بتایا تھا کہ آج فون کرنا ہے۔۔۔
جب کہ آج کے لیے سخت پابندی ہے۔۔۔ یوں بھی اگر میں فون کروں گی
تو اس کی گھنٹی ان تک نہیں جائے گی"۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا انھوں نے وہ فون بھی بند کر رکھا ہے"۔

"ہاں! کم از کم آج کے لیے"۔

"تب پھر آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا"۔ آفتاب سرد آواز
میں بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکیں۔

"مطلب یہ کہ۔۔۔ آپ ہمیں اپنے ساتھ لے کر ان تک جائیں
گی۔۔۔ آپ کو تو نہیں روکا جائے گا"۔

"میرا خیال ہے۔۔۔ روکا جائے گا"۔ وہ بولیں۔

"آپ کو بھی"۔ فرحت دھک سے رہ گئی۔

"میرا خیال یہی ہے"۔

"آخر آج یہ کیسی ملاقات ہے جس میں کوئی دخل دے ہی نہیں سکتا"۔

"مجھے یہ بات معلوم نہیں... ان کے سرکاری معاملات سے میں کوئی تعلق نہیں رکھتی... بس تھوڑی بہت معلومات ہوتی ہیں مجھے تو"۔

"دیکھئے... ہم بتاتے ہیں... مسئلہ کیا ہے... آج پروفیسر داؤد جو ہمارے ملک کے سب سے بڑے سائنس دان ہیں... نائب صدر سے ملاقات کر رہے ہیں"۔

"یہ بات مجھے معلوم ہے"۔ انہوں نے منہ بنایا۔

"لیکن آپ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اصلی پروفیسر داؤد تو یہاں ہیں ہی نہیں... وہ دارالحکومت میں ہیں... اور یہ خبر ہمیں انسپکٹر جمشید انکل کے گھر سے ملی ہے"۔

"کیا"۔ وہ چلائیں۔

"جی ہاں! انہوں نے پہلے نائب صدر کو فون کرنے کی کوشش کی... آپریٹر نے بتایا کہ وہ ان سے فون نہیں ملا سکتا... حکم نہیں ہے... پھر انہوں نے آپریٹر کو ساری بات سنائی' لیکن اس نے پھر بھی رابطہ نہیں کرایا... تنگ آ کر انہوں نے ہمیں اطلاع دی... پھر ہم نے فون پر کوشش کی' جب کام نہ بنا تو ہم خود یہاں آ گئے... اب ہم نے

آپ کو اصل بات بتا دی ہے... صدر صاحب سے ملاقات کرنے والا شخص پروفیسر داؤد نہیں ہے... کوئی اور شخص ہے... ان کے میک اپ میں اور اس طرح نہ جانے ملک کو کیا نقصان پہنچنے والا ہے"۔ فرحت جلدی جلدی کہتی چلی گئی۔

"لیکن .... تم... ایک بات بھول رہے ہو"۔ صدر صاحب کی بیگم بولیں۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ اندر ان کے ساتھ انسپکٹر کامران مرزا بھی موجود ہیں... کیا وہ یہ بات نہیں جان لیں گے کہ ملاقات کرنے والا نقلی پروفیسر داؤد ہے"۔

"اس بات کا امکان ہے... لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نہ پہچانیں... آخر دشمنوں نے کچھ تو ایسا انتظام کر رکھا ہو گا"۔

"ناممکن... صدر صاحب نے انسپکٹر کامران مرزا کو اسی لیے تو ساتھ رکھا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی چال نہ چلی جا سکے"۔

"آپ یہ بات کس طرح کہہ سکتی ہیں"۔

"انہوں نے مجھے بتائی تھی یہ بات... یعنی انہیں پہلے سے ڈر تھا کہ اس پروگرام میں کوئی گڑبڑ کی جائے گی"۔

"اس کے باوجود ہمارا اطمینان نہیں ہو رہا... مہربانی فرما کر آپ ہمارے ساتھ چلیں"۔

"نہیں.... میں نہیں جاؤں گی.... ورنہ وہ مجھ پر بہت ناراض ہوں گے"۔

"ہم تمام ناراضگی اپنے سر لے لیں گے"۔

"اس کے باوجود وہ مجھ پر ہی بگڑیں گے"۔

"آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا"۔ آصف سرد آواز میں بولا۔

"یہ.... یہ آپ مجھ سے کس لہجے میں بات کر رہے ہیں"۔

"اور ہم کیا کریں.... آپ بات مان ہی نہیں رہیں"۔

"تب پھر میں بھی نہیں جاؤں گی.... تم خود جو کرنا چاہو کرو"۔

"اچھی بات ہے.... اب ذمے داری آپ پر ہی ہو گی.... اگر ملک کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو ہم صدر صاحب کو بتا دیں گے کہ ہم نے کہاں تک کوشش کی تھی.... انہیں خبردار کرنے کی"۔

"ضرور بتا دیں.... اس لیے کہ یہ حکم بھی تو انہی کا ہے.... کہ دخل اندازی نہیں کی جائے گی"۔

"او کے.... آؤ بھئی چلیں"۔ آفتاب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"لیکن کہاں"۔ آصف بولا۔

"گھر جائیں گے.... اور کہاں.... اب ہم اور کیا کر سکتے ہیں"۔

"ہمارے پاس ابھی ایک حربہ باقی ہے"۔

"اور وہ کیا"۔

"باہر چل کر بتاتا ہوں"۔

وہ رہائشی حصے سے نکل آئے.... بیگم صاحبہ نے ناخوشگوار انداز میں انہیں رخصت کیا.... باہر نکل کر انہوں نے پہلے کھسر پھسر کی.... پھر کانفرنس روم کا رخ کیا.... وہاں زبردست پہرہ تھا.... انہیں کافی دور روک لیا گیا۔

"آپ آگے نہیں جا سکتے"۔

"ہم جانتے ہیں"۔ آصف بولا۔

"تب پھر کیوں اس طرف آئے ہیں"۔

"آپ کو یہ بتانے کے لیے اندر صدر صاحب جس شخص سے ملاقات کر رہے ہیں.... وہ پروفیسر داؤد نہیں ہیں"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔

"وہ نقلی پروفیسر داؤد ہیں"۔ آفتاب نے کہا۔

"نہیں.... آپ کے والد بھی اندر ساتھ موجود ہیں.... یہ ملاقات صرف صدر صاحب اور پروفیسر داؤد کے درمیان ہو رہی ہے اور نگرانی کے لیے اندر صرف انسپکٹر کامران مرزا موجود ہیں.... لہٰذا کسی نقلی کی موجودگی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"۔

"امکان ہے.... اس لیے کہ انسپکٹر جمشید کے گھر سے ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ اصلی پروفیسر داؤد تو اس طرف موجود ہیں"۔

"کیا.... نہیں"۔ وہ چلائے۔

اور پھر کئی محافظ ان کے گرد جمع ہو گئے.... محافظوں کے لیے یہ

بات حیرت کی بات ثابت ہو گئی تھی۔۔۔ یہ دیکھ کر انہیں بہت خوشی ہوئی۔

"ہاں جناب! بات یہی ہے۔۔۔ ہم پوری کوشش کر چکے ہیں۔۔۔ لیکن ان سے رابطہ نہیں ہو رہا۔۔۔ مجبور ہو کر ہم اس طرف آئے ہیں۔۔۔ اب آپ بتائیں۔۔۔ آپ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟"

"افسوس! ہم کچھ نہیں کر سکتے"۔ محافظوں کا انچارج بولا۔

"ان حالات میں بھی؟"

"ہاں! نہیں کر سکتے۔۔۔ ان حالات میں بھی۔۔۔ اس لیے کہ حکم نہیں ہے"۔

"تب آپ ہمیں اجازت دیں۔۔۔۔ صرف اس دروازے تک جانے کی"۔

"اس طرح بھی کچھ نہیں ہو گا۔۔۔۔ دروازہ دوسری طرف سے بند ہے اور ہال مکمل طور پر ساؤنڈ پروف ہے"۔

"ہم پھر بھی ایک کوشش کرنا چاہتے ہیں"۔

"لیکن ہم آپ کو آگے جانے کی اجازت نہیں دے سکتے"۔

"اور اگر ہم آگے کی طرف دوڑ لگا دیں؟"

"تو مجبوراً ہمیں آپ پر فائرنگ کرنا پڑے گی۔۔۔ اور آپ کی موت کا ہمیں اس قدر صدمہ ہو گا کہ بیان نہیں کر سکتے۔۔۔ شاید ہم مدت تک روتے رہیں"۔

"آپ لوگ عجیب ہیں۔۔۔۔ بہت عجیب"۔ فرحت نے جھلا کر کہا۔

"عجیب سے زیادہ ہم مجبور ہیں۔۔۔۔ بہت مجبور"۔

"لیکن ہم آپ سے زیادہ مجبور ہیں"۔ آفتاب مسکرایا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم ایک آخری کوشش ضرور کریں گے۔۔۔ کر کے رہیں گے۔۔۔ اور آپ ہمیں روک نہیں سکیں گے"۔

"دیکھئے۔۔۔ خدا کے لیے کوئی غلط حرکت نہ کیجئے گا۔۔۔ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں"۔

"لینے کے دینے ہمیں نہیں پڑیں گے۔۔۔۔ آپ کو پڑ سکتے ہیں"۔ آفتاب نے کہا۔

پھر اچانک اس نے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر پوری قوت سے الو کی آواز نکالی۔

آواز اس قدر بلند تھی کہ محافظ بری طرح بوکھلا گئے۔

○○

مسئلہ

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"یہ... یہاں کون آ گیا؟" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"آ گیا ہو گا کوئی... ہمیں کیا"۔ فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"لیکن ہم دروازہ کس طرح کھولیں... دروازے میں تو کرنٹ ہے"۔ محمود بولا۔

"آؤ... دیکھتے ہیں"۔

دونوں دروازے کے پاس آ گئے.... اسی وقت دستک پھر ہوئی۔

"باہر کون ہے؟"

"اندر کون ہے؟" باہر سے کہا گیا.... آواز میں حیرت تھی۔

"کیوں.... کیا بات ہے؟"

"یہ گھر میرا ہے.... تم کون ہو... جو اندر گھسے ہوئے ہو.... فوراً دروازہ کھول دو.... ورنہ"۔

"ورنہ کیا؟"

"ورنہ میں پولیس کو بلا لوں گا"۔

"تو پھر تم پہلے پولیس کو بلا لو... دروازہ بعد میں کھولا جائے گا"۔

"اچھا... یہ تم کر رہے ہو... چوری اور سینہ زوری"۔

"نہیں... زوری اور سینہ چوری"۔ محمود نے جل کر کہا اور فرزانہ مسکرا دی۔

"یہ کیا جواب ہوا؟"

"اسے کہتے ہیں... جیسے کو تیسا"۔

"تم لوگ پاگل تو نہیں ہو گئے؟"

"نہیں... لیکن ہم دوسروں کو پاگل کر دیتے ہیں... جلدی کریں... پولیس کو بلائیں... لیکن دروازے کو ہاتھ نہ لگائیں... ورنہ کرنٹ لگے گا"۔

"کیا کہا... کرنٹ لگے گا"۔

"ہاں! ہم نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی... کرنٹ لگا تھا... اور ہم بے ہوش ہو گئے تھے... ابھی ابھی ہوش میں آئے ہیں... ادھر ہم ہوش میں آئے... ادھر آپ آ گئے ہیں... مکان کے مالک"۔

"ہاں... وہ تو خیر میں ہوں"۔ باہر سے کہا گیا اور قدموں کی آواز سنائی دی... غالباً وہ پولیس کو فون کرنے گیا تھا... تھوڑی دیر بعد آواز سنائی دی۔

"میں نے فون کر دیا ہے... پولیس آنے والی ہے"۔

"یہ جان کر خوشی ہوئی"۔

"ساری خوشی دھری کی دھری رہ جائے گی"۔

"دیکھا جائے گا... ویسے اگر خوشی دھری کی دھری رہ گئی تو کیا
کیا ہے... خوشی کا تو کام ہی یہ ہے"۔ فرزانہ نے جلے کٹے انداز میں
کہا۔

"تم لوگوں کا ضرور دماغ خراب ہے... ایک تو میرے مکان میں
گھس کر اس پر قبضہ کر لیا... اوپر سے باتیں بگھار رہے ہو"۔

"ہم نے آپ کے مکان پر قبضہ نہیں کیا... نہ اپنی مرضی سے
یہاں آئے ہیں... ہمیں تو یہاں زبردستی لایا گیا ہے"۔

"اب ایک اور کہانی شروع کر دی"۔

"یہ کہانی نہیں... سچ ہے... بالکل سچ"۔

"اب پولیس ہی تم سے بات کرے گی"۔

"اچھی بات ہے... پھر ہم اس کا انتظار کر لیتے ہیں"۔ اس نے
تنگ آ کر کہا۔

جلد ہی بھاری قدموں کی آواز سنائی دی... پھر دروازے پر
زوردار انداز میں دستک ہوئی... اور کسی نے چیخ کر کہا۔

"کھولو دروازہ"۔

"اگر ہم دروازہ کھولنے کے قابل ہوتے تو کب کے کھول کر
یہاں سے چلے گئے ہوتے... اصل بات یہ ہے کہ دروازے میں کرنٹ

دوڑ رہا ہے"۔

"کیا... نہیں"۔

"ہاں جناب... پہلے آپ کرنٹ کا کچھ کریں"۔

"لیکن کرنٹ مجھے کیوں نہیں لگا... میں نے بھی تو ہاتھ سے
دستک دی ہے"۔

"ہو سکتا ہے... کرنٹ صرف اندر کی طرف ہو"۔

"اچھی بات ہے... ابھی چیک کراتے ہیں"۔

آخر چند منٹ بعد باہر سے کہا گیا۔

"کرنٹ واقعی موجود تھا... اب آپ دروازہ کھول دیں... کرنٹ
ختم کر دیا گیا ہے"۔

"آپ... سچ کہہ رہے ہیں نا... ایسا نہ ہو... ہمیں کرنٹ لگ
جائے"۔ محمود بولا۔

"نہیں... ایسا نہیں ہو گا"۔ باہر سے کہا گیا۔

"اچھی بات ہے"۔

یہ کہہ کر محمود آگے بڑھا اور ڈرتے ڈرتے انداز میں دروازے کو
چھو کر دیکھا... اس بار اسے کرنٹ نہیں لگا... چنانچہ اس نے دروازہ
کھول دیا... باہر واقعی پولیس موجود تھی... وہ یک دم اندر داخل ہو
گئی... ان کے ساتھ ایک نوجوان آدمی بھی تھا... باہر تماشائی بھی تھے
ادھر جونہی پولیس والوں کی نظریں ان پر پڑیں... وہ چونک

اٹھے۔

"اوہ! یہ آپ لوگ ہیں"۔

"ہاں! ہیں تو ہم لوگ ہی... ایک خطرناک ترین مجرم کے پیچھے
میں ہم یہاں آئے تھے... اتفاق سے وہ ہم سے پہلے اندر موجود تھا...
ہے کوئی تک"۔

"ہپ پتا نہیں جناب! اب ہم کیا کریں"۔

"یہ مکان ان صاحب کا ہے؟" انہوں نے نوجوان آدمی کی
طرف دیکھا۔

"ان کا کہنا یہی ہے... اور فون بھی انہوں نے ہی کیا تھا"۔

"بہت خوب! آپ اپنا مکان سنبھال لیں... چیک کر لیں...
آپ کی چیزیں تو پوری ہیں نا... ورنہ ہم اس نامعلوم مجرم کے خلاف
چوری کا مقدمہ بھی درج کرائیں گے"۔

"اس کی ضرورت نہیں... میرے گھر میں ایسی کوئی خاص چیز
ہیں ہی نہیں۔ اس نے کہا۔

"کیا یہ مکان کرائے کا ہے"۔ فرزانہ نے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں! کرائے کا ہے"۔ وہ بولا۔

"آپ نے اس کی چابی اپنے کسی دوست کو تو نہیں دی ہوئی"

"جی ہاں! آپ کا یہ اندازہ بھی درست ہے... ایک دوست
چابی دے تو رکھی ہے... م... میں آدمی ہوں نا" اس لیے اگر وہ ک

لیے وقت آتا ہے... جب میں گھر میں نہیں ہوتا تو وہ دروازہ کھول کر
اندر بیٹھ جاتا ہے... اور میرا انتظار کرتا ہے"۔

"بہت خوب! آپ کب سے اس مکان کے کرائے دار ہیں؟"

"چھ ماہ سے"۔

"اوہ اچھا... اپنے دوست کا نام بتائیں"۔

"لیکن کیوں... اس کی کیا ضرورت ہے... آپ لوگوں کو یہاں
جو شخص ملا' وہ میرا دوست نہیں ہو سکتا... اور پھر دروازے میں کرنٹ
کیوں دوڑ رہا تھا... ذرا یہ بھی سوچیں... کسی نے یہاں اس قدر جلد یہ
انتظام کیسے کر لیا؟" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں... ہم سوچ رہے ہیں اور بہت زور و شور سے سوچ رہے
ہیں... بلکہ ہم تو آپ کو بھی سوچنے کی دعوت دیتے ہیں"۔

"جی... کیا فرمایا... سوچنے کی دعوت"۔ اس کے لہجے میں حیرت
تھی۔

اور انہیں فاروق کا خیال آ گیا... وہ اس وقت یہاں موجود ہوتا
تو یہ ضرور کہ اٹھتا... واہ! دعوت بھی دی تو کس چیز کی"۔

"ہاں! کہیں وہ آپ ہی تو نہیں تھے... جو ہم سے پہلے مکان کے
اندر موجود تھے؟"

"کیوں... کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا نہیں... کیا وہ میں
تھا؟"

"اس غرض کے لیے تو خیر میک اپ کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔ ویسے اس کا قد وغیرہ آپ جتنا ہی تھا"۔

"حد ہو گئی... اور مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ہمارے اس بار کے مجرم کو مزے لینے کا بہت شوق ہے... وہ ہمیں ستا کر، پریشان کر کے مزے لینا چاہتا ہے... ویسے آپ کا نام کیا ہے"۔

"کافی شا ہوں"۔ اس نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے آپ کافی شا ہیں... ورنہ اگر آپ اپنا نام ناکافی شا بتاتے... تب بھی ہم کیا کر لیتے"۔ محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی... کیا آپ میرے نام کا مذاق اڑا رہے ہیں"۔

"جی نہیں... ہم تو شکر کر رہے ہیں اور شکر کرنا مذاق اڑانا ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا... کیوں حوالدار صاحب"۔ محمود اس کی طرف مڑا۔

"جج... جی... جی... وہ... بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں"۔

"آپ کافی شا ہیں... اس مکان کے کرائے دار ہیں... آپ کرتے کیا ہیں"۔

"میں ایک سیاح ہوں... اس ملک کی سیاحت کے لیے آیا تھا... یہ شہر اس قدر اچھا لگا کہ کچھ ماہ یہیں گزارنے کا پروگرام بنا لیا"۔

"اچھا مسٹر کافی شا... پھر آپ کا یہاں دوست کہاں سے نکل

آیا؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کسی زمانے میں میری اس سے قلمی دوستی تھی"۔

"اوہ اچھا... آپ مہربانی فرما کر اپنے دوست کا نام بتائیں... اور پتا بھی بتائیں... ہم آپ کے بیان کی تصدیق کریں گے"۔

"اچھی بات ہے... اب جو آپ کا جی چاہے کریں... میں کچھ نہیں کہوں گا... اس کا نام انسپکٹر جمشید ہے"۔

"کیا!!!" وہ بہت زور سے چلے... آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی۔

"یہ آپ نے کیا کہا جناب؟" حوالدار نے چلا کر کہا۔

"کیوں... کیا بات ہو گئی؟" اس نے بھی حیران ہو کر کہا۔

"یہ... آپ کے سامنے انسپکٹر جمشید کے بچے کھڑے ہیں"۔

"ہائیں... نہیں"۔ وہ بری طرح اچھلا... آنکھوں میں حیرت اور بڑھ گئی۔

"آپ ایکٹر اچھے ہیں... لیکن ہماری نظروں سے آپ کی ایکٹنگ چھپی نہیں رہ سکتی"۔ محمود مسکرایا۔

"کیا مطلب؟" وہ اچھلا۔

"جب آپ یہاں آئے تھے... اس وقت سے آپ یہ بات جانتے ہیں... کہ ہم کون ہیں... لہٰذا آپ نے جان بوجھ کر اپنے دوست کا نام ہمارے والد کا بتا دیا... تاکہ ہم تصدیق نہ کر سکیں، اس لیے کہ اس وقت ان کی دماغی حالت درست نہیں ہے"۔

"پتا نہیں... آپ کیا اوٹ پٹانگ باتیں کر رہے ہیں... میرے
دوست کا نام انسپکٹر جمشید ہے' آپ ان سے اس وقت نہیں پوچھ سکتے اب
جب ان کے دماغ کی حالت درست ہو جائے... اس وقت پوچھ لیجئے
گا"۔ اس نے بھنا کر کہا۔

"اچھی بات ہے جناب... ہم ان سے پوچھ لیں گے... اب
ہمیں ایک بات کا یقین ہو گیا ہے... یہ کہ اس مکان کے اندر ہم سے
پہلے آپ ہی بیٹھے ہوئے تھے... اور یہ آپ ہی تھے جنھوں نے
دروازے میں کرنٹ چھوڑ دیا تھا"

"اس بات کا آپ کے پاس ثبوت کیا ہے؟" وہ شریر انداز میں
مسکرایا۔

"کوئی نہیں... لیکن ثبوت ہم حاصل کر لیا کرتے ہیں"۔

"شکریہ... جب مل جائے... مجھے گرفتار کر لیجئے گا"۔

"آخر آپ یہ خوف کیوں پھیلاتے پھر رہے ہیں' ہمارے شہر
میں"۔

"ارے! آپ نے مجھ پر ایک اور الزام لگا دیا... یعنی شہر میں
اس وقت کوئی شخص خوف پھیلا رہا ہے... اور آپ کے خیال میں وہ
شخص میں ہوں"۔

"ہاں بالکل"۔ فرزانہ نے جھوم کر کہا۔

"اس بات کا ثبوت؟"

"ہم ثبوت حاصل کر لیں گے... فکر نہ کریں"۔

"تو پھر مجھے بھی حاضر پائیں گے... گرفتار کر لیجئے گا' میں بھاگوں
گا نہیں... یہ میرا آپ سے وعدہ ہے"۔

"ہائیں... آپ... آپ نے یک دم پینترا بدل لیا... گویا آپ
مان گئے ہیں... ہم سے پہلے آپ ہی یہاں تھے"۔

"ہاں بالکل... میں ہی تھا... لیکن میں نے یہاں موجود رہ کر
کوئی جرم نہیں کیا... ظاہر ہے... میں اپنے مکان کے اندر تھا"۔

"تب پھر... باہر تالا کیوں لگا رکھا تھا"۔

"کچھ شریر لوگ دوسروں کو تنگ کرتے رہتے ہیں... ان سے
بچنے کے لیے میں ایسا کرتا ہوں"۔

"لیکن مکان تو جیک پانڈے کا تھا... یعنی اس نے کرائے پر لے
رکھا تھا"۔

"جب وہ گرفتار ہو گیا تھا تو مالک مکان نے پھر اس پر کرائے کے
لیے خالی کا بورڈ لگا دیا تھا اور یہ میں نے کرائے پر لے لیا تھا"۔

"مہربانی فرما کر مالک مکان کو بھی یہیں لے آئیں"۔ محمود نے
حوالدار سے کہا۔

"بہت بہتر... چلئے جناب... ہمیں مالک مکان کے گھر تک لے
چلیں... یا آپ کو ان کا فون نمبر معلوم ہے تو وہ بتا دیں... میں فون کر
کے انھیں بلا لیتا ہوں"۔ حوالدار نے کہا۔

"نہیں حوالدار صاحب... ایسا نہیں ہو گا... آپ کو خود جا کر انہیں لانا ہو گا... ورنہ وہ فرار ہو سکتے ہیں"۔

"اوہ اچھا... ٹھیک ہے... مسٹر کافی شا... ان کا پتا بتائیں"۔

"اسی محلے میں ۱۱۰ نمبر مکان"۔

"شکریہ... میں ابھی آتا ہوں اسے لے کر"۔

"ضرور... کیوں نہیں"۔ وہ مسکرایا... اس کی مسکراہٹ انہیں عجیب سی لگی۔

پھر حوالدار چلا گیا۔

"آخر آپ کیا چیز ہیں جناب؟"

"انسان"۔ وہ مسکرایا۔

"یہ بات تو خیر سمجھ میں آتی ہے... کہ آپ انسان ہیں... لیکن ہیں کس قسم کے انسان"۔ فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"خاص قسم کا انسان... آپ نے ایسے خاص قسم کے انسان بہت کم دیکھے ہوں گے"۔

"آپ نے ہمیں الجھن میں ڈال دیا ہے"۔

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں"۔

"ہم ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتے... جو ہمیں الجھن میں ڈال دیتے ہیں"۔ محمود نے منہ بنایا۔

"اور یہ میری مجبوری ہے... اپنے دشمن کو شدید الجھن کا تحفہ

دے دیا کرتا ہوں"۔

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی... انہوں نے نظریں اٹھائیں، ایک لمبے قد کا نوجوان چلا آ رہا تھا... اس کے ساتھ حوالدار بھی تھا۔

"یہی صاحب اس مکان کے مالک ہیں"۔

"آپ کا نام جناب؟"

"ادریس خاور"۔ اس نے منہ بنایا۔

"یہ مکان آپ کا ہے؟"

"ہاں جناب... بالکل"۔

"اور یہ صاحب آپ کے کرائے دار ہیں؟" محمود نے کافی شا کی طرف اشارہ کیا۔

"جی ہاں... بالکل ہیں"۔

"اس سے پہلے یہ مکان جیک پانڈے کو کرائے پر دے رکھا تھا آپ نے"۔

"بالکل یہی بات ہے"۔

"یہ صاحب کب سے کرائے دار ہیں؟"

"جب سے جیک پانڈے گرفتار ہوا... میں نے محسوس کر لیا تھا کہ اب وہ جلد تو رہا ہو گا نہیں... لہٰذا اس کا سامان ایک طرف رکھ دیا اور مکان پھر سے کرائے پر دے دیا... کرائے پر دینے کے لیے میں نے

اخبار میں اشتہار دیا تھا.... جس کو دیکھ کر یہ صاحب آ گئے... اور میں نے انھیں کرائے پر دے دیا"۔

"بہت خوب! کیا آپ وہ اشتہار دکھا سکیں گے"۔

"ہاں کیوں نہیں.... وہ میری فائل میں ضرور ہو گا"۔

"بہت خوب.... وہ ہم بعد میں دیکھ لیں گے.... اب آپ جا سکتے ہیں"۔

"لیکن یہ مسئلہ کیا ہے"۔

"مسئلہ ابھی تک ہماری اپنی سمجھ میں نہیں آیا"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے"۔ اس نے کہا اور جانے کے لیے مڑا۔

عین اس لمحے وہ اچھل کر گرا۔

OO

آواز

"یہ.... یہ آپ نے کیا کیا... اس قدر تیز آواز منہ سے نکالی.... یہ کیسی آواز تھی؟" ایک محافظ نے چیخ کر کہا۔

"جی ہاں! یہ آواز الو کی آواز تھی"۔

"کیا.... الو کی آواز.... لیکن الو کی آواز تو منحوس ہوتی ہے"۔

"ہم ایسے خیالات کو نہیں مانتے... آپ یہ بتائیں.... اس قدر تیز آواز بھی کیا اندر نہیں پہنچی ہو گی"۔

"مشکل ہے.... کمرہ زبردست طریقے سے ساؤنڈ پروف بنایا گیا ہے"۔

"اس کے باوجود ہمارا خیال ہے.... اس آواز کی بھنک اس کے کانوں میں ضرور پڑی ہو گی"۔

"بھنک"۔ اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! بھنک"۔ فرحت مسکرائی۔

"ہم کیا کر سکتے ہیں.... بلند آواز تو یہاں آج تک کسی نے نہیں نکالی.... آپ شاید پہلے ہیں.... اس لیے میں کچھ نہیں کر سکتا"۔ اس

نے برا سا منہ بنایا۔

"اچھا اگر آپ کچھ نہیں کر سکتے تو خاموش تو رہ سکتے ہیں... رہ
سکتے ہیں یا نہیں؟"

"ہاں! رہ سکتے ہیں... کیوں نہیں رہ سکتے... آپ بس جائیں۔
آپ جو کر سکتے تھے... کر چکے"۔

"ابھی کیسے جا سکتے ہیں... پہلے اس آواز کا رد عمل تو دیکھ
لیں"۔

"دیکھ لیں... اگر کچھ نظر آ رہا ہے تو ضرور دیکھ لیں"۔ اس نے
جل کر کہا۔

عین اس وقت دروازہ کھلا اور انسپکٹر کامران مرزا کا چہرہ نظر آیا۔

"تو بھئی اندر... آخر تم باز نہیں آئے... کس قدر انتظامات
کیے تھے ہم نے... سب دھرے کے دھرے رہ گئے... الو کی آواز
نکالے بغیر نہیں رہ رہے تم"۔ ان کے لہجے سے ناخوشگواری جھلک رہی
تھی۔

وہ دھک سے رہ گئے... اوسان خطا ہو گئے... اس قدر مشکلات
کے بعد وہ اگر اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے تھے تو یہ انعام مل رہا
تھا... آخر برے برے منہ بناتے ہوئے وہ اندر داخل ہو گئے... دروازہ
پھر بند کر لیا گیا۔

"آپ کو ہماری آمد ناگوار گزری اباجان... یہ جان کر حیرت

ہوئی"۔

"بھئی تم لوگ صرف یہی بتانے آئے ہو نا... کہ نائب صدر
صاحب سے جو صاحب ملاقات کر رہے ہیں... وہ صاحب نقلی پروفیسر
داؤد ہیں... اصلی نہیں"۔

"ارے باپ رے... تو آپ کو یہ بات معلوم ہے"۔

"مجھے نہیں معلوم ہو گی"۔ انھوں نے آنکھیں نکالیں۔

"اوہ! تب تو واقعی... ہم معافی چاہتے ہیں"۔

"اب معافی چاہنے سے کیا ہوتا ہے... آؤ"۔

"لیکن... سارا چکر کیا ہے"۔

"آؤ... ابھی آنکھوں سے دیکھ لو گے"۔

وہ انھیں اس کمرے میں لے آئے... جس میں نائب صدر
تھے... وہاں ایک شخص پروفیسر داؤد کے حلیے میں موجود تھا اور رسیوں
سے جکڑا ہوا تھا۔

"ارے! یہ کیا... یہ صاحب تو پہلے ہی رسیوں میں جکڑے
ہوئے ہیں"۔

"اور تمہیں ضرور آنا تھا"۔ نائب صدر صاحب ناخوشگوار انداز
میں بولے۔

"اوہ! السلام علیکم انکل صدر"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

"ہماری آمد آپ کو بہت گراں گزری... لیجیے ہم چلے جاتے

ہیں"۔

"نہیں جا سکتے.... اب یہیں ٹھہرو.... اور ایک طرف بیٹھ جاؤ"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جھلا کر کہا۔

"جج.... جی بہتر.... لیکن.... آپ نے اب تک اس کا میک اپ کیوں نہیں اتارا"۔ آفتاب نے بے چین ہو کر کہا۔

"اب تم آ گئے ہو نا.... تمہارے سامنے اتاریں گے"۔ انہوں نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"آخر ہمارے آنے سے کیا فرق پڑ گیا.... کہ آپ اس قدر ناراض ہو رہے ہیں"۔

"کارروائی میں خلل پڑا.... مجھے اس شخص کو باندھ کر دروازے پر جانا پڑا.... ورنہ اس سے پہلے میں نے اپنے پستول کی زد پر لے رکھا تھا اسے"۔

"تو آپ صدر صاحب سے کہہ سکتے.... دروازہ کھولنے کے لیے"۔

نائب صدر ہنس پڑے۔

"میں نے کہا تھا کامران مرزا سے.... لیکن انہوں نے اتنا بھی گوارا نہیں کیا کہ میں دروازہ کھولتا.... خیر چھوڑو.... اور کامران مرزا.... اب ان سے ناراضی ختم کر دو"۔

"جی بہتر.... آپ کہتے ہیں تو کر دیتا ہوں"۔ وہ بھی مسکرا دیے۔

"ناراضی ختم کرنے کا شکریہ.... اب ذرا بات بتا دیں.... آخر اس قدر سخت پابندی کیوں لگائی گئی تھی"۔

"ہم یہ جان چکے تھے کہ یہ شخص نقلی ہے.... بہت پہلے جان گئے تھے.... لیکن یہ جاننا باقی تھا کہ یہ کس چکر میں ہے.... اس نے پروفیسر داؤد بن کر ملاقات کا وقت کیوں لیا.... اور یہ کیوں کہا تھا کہ ملاقات بہت اہم اور خفیہ ہو گی.... اس ملاقات کے وقت صرف اور صرف انسپکٹر کامران مرزا موجود رہیں گے.... اور کسی قسم کی دخل اندازی کی اجازت نہیں ہو گی.... اور ہم نے اپنے ذرائع سے یہ بات معلوم کر لی کہ مغربی حصے میں پروفیسر داؤد موجود ہیں یا نہیں.... پتا چلا کہ وہ تو وہاں بدستور موجود ہیں.... لہذا اب ہم چکر میں پڑ گئے.... کہ یہ نقلی شخص آخر کیا چاہتا ہے.... یہ کس قدر دلیر ہے کہ نقلی ہوتے ہوئے میری موجودگی میں صدر صاحب سے ملاقات کرنا چاہتا ہے.... یعنی میری موجودگی تو اس کا بھانڈا پھوڑ ہی دیتی.... یہ اور بات ہے کہ میں نے پہلے ہی جان لیا تھا کہ وہ نقلی ہے.... اب ہمارے سامنے دو راستے تھے.... ایک تو اسے اسی وقت گرفتار کر لیتے.... اور پوچھ گچھ کرتے.... دوسرے یہ کہ یہاں ملاقات کی جاتی اور دیکھتے کہ یہ کیا کرنا چاہتا ہے.... چنانچہ ہم نے دوسرا طریقہ اختیار کیا.... اور ہدایات دے دیں کہ کوئی دخل اندازی نہ کرنے پائے.... یہ تو ہمیں خیال بھی نہیں تھا کہ تم لوگوں کو بھی کسی طرح اس پروگرام کا پتا چل جائے گا.... اب پہلے تم بتاؤ....

"تمہیں پتا کیسے چلا؟" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا خاموش ہو گئے۔

"کیا اس سے پہلے آپ یہ نہیں بتانا پسند کریں گے... کہ یہ … کرنا چاہتا تھا"۔

"ابھی تک ہم جان ہی نہیں سکے... اس نے ہونٹوں پر مہر لگا … ہے... ہم ابھی اسے بولنے پر مجبور کر ہی رہے تھے... کہ الو صاحب … آواز کانوں میں آ گئی"۔

"ساؤنڈ پروف کمرے میں آواز کس طرح آ گئی؟"

"اس قدر بلند آواز بہت ہلکی سی آ جاتی ہے... الفاظ تو الب… سمجھ میں نہیں آتے"۔

"اچھا خیر... تو ان صاحب نے ابھی تک کچھ بھی نہیں بتایا"۔

"نہیں"۔ وہ بولے۔

"تب پھر ہماری کہانی سن لیں... ہم یہاں کس طرح پہنچے"۔

اس نے ساری تفصیل کہہ سنائی... انسپکٹر کامران مرزا سوچ … ڈوب گئے... آخر انہوں نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے... اس سازش کا جال یہاں سے لے کر وہاں تک بچھا ہوا ہے... کیوں... اب تم کیا کہتے ہو"۔ وہ … کی طرف مڑے۔

"کچھ بھی نہیں"۔

"میں کہتا ہوں... آپ پہلے اس کا میک اپ اتاریں"۔ آفتاب …لا۔

"ہاں! اب یہی کرنا ہو گا"۔

اور انہوں نے اس کے چہرے سے میک اپ اتارنے کی کوشش … کر دی... لمحہ بہ لمحہ ان کی حیرت بڑھتی چلی گئی... جب وہ ہر … کوشش کر چکے... اور میک اپ دور نہ ہو سکا... وہ بدستور پروفیسر … نظر آتا رہا تو انہوں نے جھلا کر کہا۔

"یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے آخر؟"

"ہاہا"۔ نقلی نے قہقہہ لگایا۔

"بتاؤ... یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔

"ہاہا"۔ اس نے پھر قہقہہ لگایا۔

"حد ہو گئی... آخر یہ کس قسم کا میک اپ ہے... جو اترے … اترا"۔

"کسی ماہر کو بلائیں نا"۔ نقلی نے خود تجویز پیش کی۔

"اب یہی کرنا ہو گا"۔

آخر باہر ہدایات جاری کی گئیں... ایک ماہر کی خدمات حاصل کی … اسے اندر لایا گیا... اسے ساری بات بتائی گئی... آخر اس نے

"یہ کون سا مشکل کام ہے"۔

"تو پھر ذرا جلدی سے کر لیجئے"۔

اس نے اپنا کام شروع کیا... لوشنوں پر لوشن اس کے چہرے
لگائے اور روئی اور دوسری چیزوں سے چہرے کو رگڑتا رہا۔

"معلوم ہوتا ہے... تم میرے چہرے کو چھیل کر رکھ دو گے"۔

ادھر ماہر کی آنکھوں میں حیرت بڑھتی جا رہی تھی... وہ
ایک گھنٹے تک کوشش کرتا رہا... آخر اس نے کہا۔

"نہیں جناب! یہ صاحب میک اپ میں ہیں ہی نہیں"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے... اس نے خود تسلیم کر لیا ہے کہ یہ پ
داؤد کے روپ میں ہیں"۔

"نہیں... یہ اصل پروفیسر داؤد ہیں"۔ اس نے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں"۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا"۔

"اچھا آپ تو جائیں... اب ہم اس مسئلے کو خود ہی دیکھ
گے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

"جی بہت بہتر... لیکن آپ میرا دعویٰ یاد رکھئے گا... یہ
میک اپ میں نہیں ہے... اگر دنیا کا کوئی ماہر اسے میک اپ میں
کر دے... اور اس کا دوسرا چہرہ مجھے دکھا دے... تو جو چور کی
میری"۔

"آپ کو چور کی سزا دے کر ہمیں کیا مل جائے گا"۔

جائیں"۔

وہ برے برے منہ بناتا چلا گیا۔

"اب بتاؤ... تم کون ہو؟"

"پروفیسر داؤد... بعد میں تمہیں افسوس ہو گا کہ مجھے نقلی خیال
کرتے رہے"۔ اس نے کہا... اس کی آواز اور بولنے کا انداز بھی
پروفیسر داؤد جیسا تھا۔

"کامران مرزا تم ذرا پروفیسر داؤد سے تو رابطہ کرو"۔

"اس کا کیا فائدہ ہو گا سر... ہم جانتے ہیں... وہاں وہ موجود
ہیں"۔

"پھر بھی... شاید کوئی بات معلوم ہو ہی جائے"۔

"وہ لوگ بھی مشکل میں ہیں... کسی عجیب مشکل میں... ہمیں
مدد کے لیے فون کیا تھا... اس وقت ہمیں پتا چلا کہ پروفیسر صاحب وہاں
موجود ہیں... ارے ہاں... بلکہ فون پروفیسر صاحب نے کیا تھا... خیر...
میں معلوم کرتا ہوں"۔

اب انہوں نے پروفیسر داؤد کو فون کیا... دوسری طرف سے فوراً
ان کی آواز سنائی دی۔

"انسپکٹر کامران مرزا بات کر رہا ہوں پروفیسر صاحب"۔

"خدا کا شکر ہے... تمہاری آواز تو سنائی دی... ورنہ میں تو سوچ
رہا تھا... اس بار تم بالکل خبر نہیں لو گے"۔

"میں ادھر پھنسا ہوا تھا... ایک عدد نقلی پروفیسر داؤد سے واسطہ پڑا ہوا ہے ہمیں"۔

"ہاں! یہ خبر مل چکی ہے.... سنا ہے... وہ نقلی پروفیسر داؤد نائب صدر سے ملاقات کرنا چاہتا تھا.... آخر کیوں... کیا تم بتا سکتے ہو"۔

"ابھی تک ہم خود معلوم نہیں کر سکے... بہرحال وہ نقلی اس وقت ہمارے قبضے میں ہے.... ادھر کیا حالات ہیں.... آپ یہ بتائیں"۔

"انتہائی خوفناک.... پراسرار.... سنسنی خیز"۔ پروفیسر داؤد بولے۔

"مہربانی فرما کر وضاحت کریں"۔

وہ حالات بتانے لگے... وہ حیرت زدہ انداز میں سنتے رہے... آخر میں انہوں نے کہا۔

"اور اس وقت تک انسپکٹر جمشید' فاروق اور خان رحمان ذہنی طور پر بے کار ہو چکے ہیں... محمود اور فرزانہ اس سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہے ہیں.... لیکن معاملہ اب بھی ان کے پلے نہیں پڑا"۔

"میرا خیال ہے... اب ہمیں ایک جگہ جمع ہو جانا چاہیے"۔

"ہم نے تو شوکی برادرز کو بھی بلایا تھا... ابھی تک وہ پہنچے نہیں"۔

"خیر... آپ فکر نہ کریں... ہم آ رہے ہیں.... اس نقلی سمیت"۔

"یہ ٹھیک رہے گا"۔ پروفیسر داؤد بولے۔

فون بند کر کے وہ نائب صدر کی طرف مڑے۔

"آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں... اگر ہم اس شخص کو لے کر اس طرف چلے جائیں"۔

"نہیں... لیکن میں جلد از جلد یہ جان لینا چاہتا ہوں کہ یہ چکر کیا ہے"۔

"جونہی ہمیں معلوم ہوا.... ہم بتا دیں گے"۔

"تب آپ جا سکتے ہیں"۔

"لیکن میں اصلی پروفیسر داؤد ہوں"۔ اس شخص نے جھلا کر کہا۔

"ابھی جب ہم آپ کو اصلی کے سامنے لے کر چلیں گے.... اس وقت فیصلہ ہو جائے گا"۔

"اگر میں میک اپ میں ہوں تو میک اپ اترا کیوں نہیں؟"

"پروفیسر یہ کام بھی کریں گے"۔

"اچھی بات ہے.... چلئے پھر' جہاں لے جانا ہے"۔ اس نے تلملا کر کہا۔

اور وہ اسے ساتھ لے کر مغربی حصے کی طرف روانہ ہوئے۔

چند گھنٹے بعد وہ پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ میں پہنچ گئے۔

پھر جونہی پروفیسر داؤد کی نظریں نقلی پروفیسر پر پڑیں... ان کا رنگ اڑ گیا۔

یوں لگا جیسے انہیں بہت زبردست صدمہ پہنچا ہو۔

جب کہ دوسری طرف نقلی کے چہرے پر اطمینان ہی اطمینان تھا۔

اس لمحے اس نقلی کی آواز سنائی دی۔

"آخر تم پکڑے گئے مسٹر"۔

عین اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

OO

اصلی کون

"میں پکڑا گیا... کیا مطلب؟" پروفیسر داؤد بوکھلا اٹھے۔

"نقلی میں نہیں... یہ ہے"۔

"ارے باپ رے... کیا ہم دو پروفیسر داؤدوں کے درمیان پھنسنے والے ہیں"۔ آفتاب گھبرا گیا۔

"پھنسنے والے ہیں نہیں... پھنس چکے ہیں"۔

"تو یہ ہیں وہ صاحب... جو نائب صدر صاحب سے ملاقات کر رہے تھے"۔

"ہاں! لیکن ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ یہ اصلی پروفیسر داؤد ہیں... جب کہ اصلی یہاں پہلے سے موجود ہیں"۔

"پہلے اصلی کی شکل تو دیکھ لو... اڑھائی بج رہے ہیں... اس کے چہرے پر... ہوائیاں اڑ رہی ہیں... اوسان خطا ہوئے جا رہے ہیں"۔ نقلی والا بولا۔

انہوں نے دیکھا... واقعی اصلی پروفیسر کی یہی کیفیت تھی... اب وہ حیران اور پریشان ہوئے بغیر نہ رہ سکے... عین اس وقت دروازے

کی گھنٹی پھر بجی۔۔۔ یہ اندرونی دروازے کی تھی۔۔۔ یعنی آنے والوں کو
محافظوں نے نہیں روکا تھا۔
"پہلے تو آنے والے کو دیکھ لیں ذرا"۔ محمود بولا۔
"یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف چلا گیا۔۔۔ اور جب لوٹ کر آیا
تو اس کے ساتھ شوکی برادرز تھے۔۔۔ انہوں نے آتے ہی کہا۔
"السلام علیکم۔۔۔ ارے یہ کیا؟"
"وعلیکم السلام۔۔۔ پہلے صرف سلام کرتے۔۔۔ اس کے بعد کہتے
ارے یہ کیا"۔ فرزانہ نے منہ بنایا۔
"تو آپ نے بھی تو وعلیکم السلام کے ساتھ ہی بات شروع کر
دی"۔ شوکی مسکرایا۔
"یہ جوابی حملہ تھا"۔ محمود مسکرایا۔
"مثل۔۔۔ لیکن۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں"۔
"آؤ شوکی۔۔۔ تم وہی دیکھ رہے ہو۔۔۔ جو ہم سب دیکھ رہے
ہیں۔۔۔ اور یقین مانو۔۔۔ یہ ہمارے لیے بھی بہت انوکھا چکر ہے۔۔۔ ابھی
تک تو اس کیس کا سر پیر بھی ہمیں معلوم نہیں ہو سکا۔۔۔ اب تم آگئے
ہو۔۔۔ تو شاید ہماری کوئی مدد کر سکو"۔
"جج۔۔۔ جی۔۔۔ یہ آپ نے کیا فرما دیا؟" شوکی بوکھلا اٹھا۔
"ابھی یہ کوئی ایسی بات نہیں۔۔۔ ہو سکتا ہے۔۔۔ وہ بات تمہاری
سمجھ میں آجائے۔۔۔ جو ہماری سمجھ میں نہیں آسکی۔۔۔ فی الحال مثل

ہے۔۔۔ ان میں سے اصل کون ہے"۔
"میرا خیال ہے۔۔۔ پہلے سب لوگ اطمینان سے بیٹھ جاتے
ہیں۔۔۔ پھر بات چیت شروع کرتے ہیں۔۔۔ یوں گھبرانے۔۔۔ بوکھلانے
تلملانے اور جھلانے سے کچھ نہیں ہو گا"۔ فرزانہ نے جلدی جلدی
کہا۔
ایسے میں اچانک دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور وزیر
خارجہ سلیم کاشانی پریشانی کے عالم میں اندر داخل ہوئے۔
"آخر آپ میرا علاج کب کریں گے پروفیسر۔۔۔ ارے۔۔۔ یہ
کیا۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ یہاں تو ایک وقت میں دو پروفیسر داؤد موجود
ہیں"۔ وہ اچھل پڑے۔
"ہائیں! کاشانی صاحب آپ۔۔۔ تو کیا آپ بھی خوف کا شکار ہو
چکے ہیں۔۔۔ اور اس نقلی پروفیسر سے علاج کراتے رہے ہیں۔۔۔ یہ بے
چارہ کیا علاج کرے گا۔۔۔ آئیے میں آپ کا علاج کیے دیتا ہوں"۔
"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔۔۔ میں سمجھا نہیں"۔ سلیم کاشانی
نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔
"ہم بھی نہیں سمجھے۔۔۔ ویسے کوشش کر رہے ہیں سمجھنے کی"۔
کامران مرزا نے کہا۔
"آہا انسپکٹر کامران مرزا صاحب۔۔۔ آپ بھی آگئے۔۔۔ یہ اچھا
ہوا۔۔۔ ادھر تو انسپکٹر جمشید بالکل بیکار ہو کر رہ گئے ہیں۔۔۔ سلیم کاشانی

نے برا سا منہ بنایا۔

"لیکن سر! اس میں ان کا کیا قصور۔۔۔ آپ تک بالکل بے ب[illegible]
ہو کر رہ گئے ہیں اس وقت"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جل کر کہا۔

"اوہ ہاں! یہ تو خیر ہے۔۔۔ خیر خیر۔۔۔ پہلے تو میں ذرا اس پروفیـ[illegible]
صاحب سے اپنا علاج کرا لوں"۔ یہ کہہ کر وہ نقلی کی طرف بڑھے۔

"اصلی یہ نہیں۔۔۔ وہ ہیں"۔ محمود نے فوراً کہا۔

"سلیم کاشانی صاحب۔۔۔ ذرا اصلی پروفیسر کے چہرے کو دیکھے[illegible]
رنگ اڑ چکا ہے۔۔۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئی ہیں۔۔۔ اصلی چہرے ا[illegible]
ہوتے ہیں۔۔۔ ادھر آپ میرے چہرے کی طرف دیکھیں۔۔۔۔ میرا چہرہ ا[illegible]
نظر آتا ہے یا اس کا"۔ نقلی نے جلدی جلدی کہا۔

"آپ کا"۔ سلیم کاشانی فوراً بولے۔

"ہاں کاشانی صاحب۔۔۔ آپ دھوکے میں آ گئے۔۔۔ اصلی [illegible]
ہیں۔۔۔ رنگ اڑنے کی کوئی وجہ ہے"۔

"اور وہ وجہ کیا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہ ابھی ہمیں بھی نہیں معلوم"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جل[illegible]
سے کہا۔

"تو پھر جب معلوم ہو جائے۔۔۔ مجھے بتا دینا۔۔۔ اس وقت [illegible]
انہیں اصلی مان رہا ہوں۔۔۔ اور اپنا علاج ان سے کروا رہا ہوں۔۔۔ [illegible]
لوگ ایک طرف ہو جائیں۔۔۔ اب میں مزید اس خوف کا قیدی [illegible]

نہیں رہ سکتا"۔

"آیئے آیئے کاشانی صاحب۔۔۔ میں ابھی آپ کو ایک انجکشن
دوں گا اور آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔۔۔ اس کے بعد میں آپ کی
عدالت میں ہی یہ مقدمہ پیش کروں گا کہ اصلی کون ہے؟" ساتھ لائے
جانے والے نے جلدی جلدی کہا۔

"بالکل ٹھیک۔۔۔۔ بالکل ٹھیک"۔ انہوں نے فوراً کہا۔

"تو پھر آپ اس طرف بیٹھ جائیں۔۔۔ ان لوگوں سے بالکل
الگ۔۔۔۔ جونہی یہ خوف والا کیس شروع ہوا تھا۔۔۔ میں نے تجربات پر
تجربات شروع کر دیے تھے۔۔۔۔ اور آخر میں کامیاب ہو گیا۔

"تو پھر آپ نائب صدر سے ملاقات کرنے کیوں چلے گئے تھے۔۔۔۔
یہاں رہ کر لوگوں کا علاج کیوں نہیں کیا؟" انسپکٹر کامران مرزا نے جلے
کٹے انداز میں کہا۔

"ان کا فون مجھے ملا تھا۔۔۔۔ کہ بہت ضروری کام ہے۔۔۔۔ فوراً
آیئے۔۔۔۔ میں چلا گیا۔۔۔۔ یہ سوچ کر کہ واپس آ کر علاج شروع کروں
گا۔۔۔۔ لیکن وہاں یہ لوگ پہنچ گئے اور مجھے نقلی کہنا شروع کر دیا۔۔۔ پھر
گرفتار کر کے ادھر لے آئے۔۔۔۔ بے کوئی تک۔۔۔۔ حالانکہ میری عدم
موجودگی میں کسی نقلی نے تجربہ گاہ پر قبضہ کر لیا اور کسی کو کانوں کان پتا
تک نہیں چلا"۔ وہ کہتا چلا گیا۔

"اماں جاؤ۔۔۔ کیوں بے پر کی اڑا رہے ہو"۔

"پہلے میں ان کا علاج کر لوں.... پھر بات کریں گے"۔ اس نے کہا۔

اور پھر ان سب کے سامنے اس نے کندھے سے لٹکا بیگ اتارا.... اس کو کھولا.... اس میں سے ایک سرنج نکالی اور ایک دوا کی شیشی.... سرنج میں دوا بھری اور لگا سلیم کاشانی کو انجکشن لگانے۔

"ایک منٹ.... سلیم کاشانی صاحب۔۔۔ ذمے دار آپ ہوں گے"۔ ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا چلا اٹھے۔

"کیا مطلب.... کس بات کا ذمے دار؟"

"اگر اس نے آپ کو کوئی اوٹ پٹانگ یا الٹ پلٹ انجکشن لگا دیا تو"۔

"ہاں ہاں.... میں خود ذمے دار ہوں گا"۔

"شکریہ"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے برا سا منہ بنایا۔

اور پھر اس نے ان کے بازو میں انجکشن لگا دیا.... پھر بولا۔

"صرف آدھ گھنٹے بعد اس انجکشن کا اثر شروع ہو جائے گا اور آپ کا خوف پر لگا کر اڑ جائے گا"۔

"لیکن وہ پر لگائے بغیر کیوں نہیں اڑ سکتا"۔ آفتاب نے پوچھا۔

اور وہ مسکرانے لگے.... سلیم کاشانی اور دوسرے پروفیسر نے اسے گھور کر دیکھا.... پھر وہ بھی مسکرانے لگے۔

"پروفیسر صاحب! آپ اس قدر خاموش کیوں ہیں؟" انسپکٹر

کامران مرزا نے پہلے سے موجود پروفیسر صاحب سے کہا۔

"مجھے پتا نہیں۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ اس کی موجودگی میں میں خود کو نقلی محسوس کر رہا ہوں"۔ انہوں نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"کیا.... نہیں"۔ وہ چلائے۔

"یہ.... یہ ضرور کوئی جادوگر ہے"۔ انہوں نے کہا۔

"بہت خوب! تو اب آپ مجھے جادوگر کہہ کر خود کو بچانا چاہتے ہیں.... لیکن میں آپ کا بھانڈا پھوڑ کر رہوں گا"۔

"بھ.... بھانڈا۔۔۔ کک۔۔۔ کون سا بھانڈا"۔ آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

"یار تم تو چپ رہو"۔ محمود نے جل کر کہا۔

"یہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔۔۔ ہائیں۔۔۔ ارے.... یہ کیا.... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں"۔ ایسے میں فاروق کی آواز سنائی دی۔

پروفیسر داؤد نے انہیں الگ کمرے میں لٹایا ہوا تھا۔۔۔ سلیم کاشانی کو الگ۔۔۔ لیکن دروازے اندر سے بند نہیں کیے تھے۔۔۔ اس لیے کہ ان کا مرض خطرناک تو تھا نہیں۔۔۔ اس لیے وہ اٹھ کر اس طرف آ سکے تھے۔

سب کی نظریں فاروق کی طرف اٹھ گئیں.... وہ دھک سے رہ گئے۔۔۔ وہ برسوں کا بیمار نظر آ رہا تھا۔

"یہ.... یہ کیا ہوا تمہیں فاروق"۔ آفتاب دکھ بھرے انداز میں

چلایا۔

"ڈر بس کیا بتاؤں..... یہ کم بخت خوف..... خوف..... خوف

ارے..... یہ..... یہ کیا..... دو..... دو دو پروفیسر"۔

"ہاں! دو دو پروفیسر..... اس طرف بیٹھ جاؤ فاروق..... اور یہ

ہونے والی کارروائی کو غور سے دیکھو"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جج..... جی اچھا انکل..... لیکن میں حد درجے خوف محسوس کر

ہوں"۔

"کوئی بات نہیں فاروق..... تھوڑی دیر اور محسوس کر لو..... ا

کے بعد ان شاء اللہ تم اس خوف سے نجات پا لو گے"۔ دو

پروفیسر داؤد نے کہا۔

"آپ انکل آپ"۔ فاروق اس کی طرف مڑا۔

"خبردار فاروق..... یہ اصلی والے نہیں ہیں..... اصلی ادھر ہیں

"نہیں..... مجھے تو یہ اصلی لگ رہے ہیں..... انہوں نے مجھے

تو دی ہے..... وہ تو بس خاموش بیٹھے ہیں"۔

"یہ ضرور کوئی جال ہے..... اور ہمیں اس جال میں پھانسنے

کوشش کی جا رہی ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے گویا خبردار کیا۔

"یہ نہیں..... یہ کیسا جال ہے"۔ نقلی پروفیسر نے جل کر کہا۔

"ارے..... بھئی یہ کیا..... سب لوگ یہاں موجود ہیں اور

ادھر کمرے میں اکیلا پڑا تھا..... مجھے بتایا تک نہیں گیا کہ یہ لوگ آ

ہیں"۔

انہوں نے انسپکٹر جمشید کی آواز سنی..... وہ ایک بار پھر دھک سے

رہ گئے..... وہ بھی مدت کے بیمار نظر آ رہے تھے۔

"آؤ جمشید..... خدا کا شکر ہے..... تمہاری صورت تو نظر آئی.....

اب میں تمہارا بھی علاج کروں گا..... پہلے ان لوگوں کو یہ دیکھ لینے دو کہ

سلیم کاشانی ٹھیک ہوتے ہیں یا نہیں"۔

"آپ پروفیسر..... میرا علاج کریں گے"۔ انسپکٹر جمشید نے خوش

ہو کر کہا۔

"خبردار انسپکٹر جمشید..... یہ..... یہ نقلی والے ہیں"۔ انسپکٹر کامران

مرزا چلائے۔

"کیا کہا..... یہ نقلی والے ہیں..... تو پھر اصلی والے کون سے

ہیں؟"

"یہ رہے اصلی پروفیسر داؤد"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جواب

دیا۔

"بہت خوب..... اصلی یہ ہیں تو یہ میرا علاج کر دیں گے"۔

انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں انسپکٹر صاحب..... یہ آپ کا علاج نہیں کر سکیں گے.....

پوچھ لیں بے شک ان سے"۔ دوسرے نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کیوں پروفیسر داؤد صاحب..... آپ میرا علاج نہیں کر سکیں

گے؟"

"فی الحال نہیں.... لیکن بہت جلد میں علاج کرنے کے قابل ہو
جاؤں گا"۔ انہوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"جب کہ میں ابھی اور اسی وقت علاج کر سکتا ہوں.... اور اس
اس کا ثبوت بھی پیش کروں گا.... میں نے ابھی ابھی سب کے سامنے
سلیم کاشانی صاحب کو ایک انجکشن لگایا ہے.... صرف آدھ گھنٹے بعد یہ
بالکل ٹھیک ہو چکے ہوں گے.... بلکہ اب تو صرف پندرہ منٹ باقی رہ
گئے ہیں"۔

"اگر آپ نے سلیم کاشانی صاحب کو انجکشن لگایا ہے.... اور یہ
ٹھیک ہو جاتے ہیں تو پھر میں بھی آپ ہی سے علاج کراؤں گا....
انجکشن لگواؤں گا"۔ انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ.... آپ کیا کہ رہے ہیں.... میں نے آپ کو بتایا ہے نا..
کہ یہ نقلی پروفیسر ہیں"۔

"نقلی ہوں یا اصلی.... مجھے تو اپنے علاج سے غرض ہے.... میں
اس خوف سے بہرحال نجات حاصل کر لینا چاہتا ہوں"۔ وہ بولے۔

"اور میں بھی جمشید.... تنگ آ گیا ہوں اس خوف کم بخت
سے"۔ خان رحمان کی آواز سنائی دی.... انہوں نے دیکھا.... وہ بھی اند
داخل ہو رہے تھے۔

"حد ہو گئی.... یہ تو ہماری بات ہی نہیں سن رہے"۔

"جمع ہو گئے.... سب جمع ہو گئے"۔ پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

"کیا مطلب آپ کا.... پروفیسر صاحب"۔ انسپکٹر کامران مرزا ان
کی طرف مڑے۔

"مطلب یہ کہ.... آخر ہم سب ایک بار پھر ایک جگہ جمع ہو
گئے"۔

"اوہ ہاں! یہ تو ہے.... لیکن اس وقت صورت حال بہت پیچیدہ
ہے.... دیکھیے نا.... ہمارے تین ساتھی مکمل طور پر مجرم کے زیر اثر آ
چکے ہیں"۔

"ہاں واقعی"۔

"یہ کیا آپ لوگ اوٹ پٹانگ باتیں کر رہے ہیں اور مجھ اصلی
پروفیسر داؤد کو گھاس ہی نہیں ڈال رہے"۔ دوسرے والے پروفیسر نے
جھلا کر کہا۔

"آپ کے تیس منٹ پورے ہو گئے.... سلیم کاشانی صاحب تو
ٹھیک نہیں ہوئے"۔ پروفیسر داؤد نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"تیس نہیں.... اٹھائیس.... ابھی دو منٹ باقی ہیں.... لہٰذا ذرا
صبر کریں"۔

"دو منٹ بھی آخر گزر جائیں گے.... اور اس وقت دودھ کا
دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

اور پھر ٹھیک دو منٹ بعد سلیم کاشانی اچھل کر کھڑے ہو گئے.... ان

کے چہرے پر حیرت ہی حیرت تھی۔

"اف! میں... میں تو بالکل ٹھیک ہو گیا... خوف کا دور دور تک پتا نہیں"۔

"تب پھر آپ کو مبارک ہو... اب تو آپ مجھے اصلی پروفیسر داؤد مان لیں"۔

"بالکل بالکل... آپ بالکل اصلی ہیں اور یہ نقلی ہیں... نقلی کو گرفتار کر لیا جائے گا... لیکن پہلے آپ انسپکٹر جمشید' فاروق اور خان رحمان کو انجکشن لگا دیں"۔

"نن نہیں... نہیں... ہم انہیں انجکشن نہیں لگوائیں گے"۔ انسپکٹر کامران مرزا چلائے۔

"آپ کون ہوتے ہیں نہ لگوانے والے... اپنے نہ لگوائیں... دوسروں کو ٹھیک کیوں نہیں ہونے دیتے آپ... آپ کی ان سے کیا دشمنی ہے؟" سلیم کاشانی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یہ آپ نے کیا کہا... میری ان سے کیا دشمنی ہے... دشمنی نہیں... دوستی ہے میری ان سے"۔ وہ چلا اٹھے۔

"زیادہ آواز بلند نہ کریں... میں وزیر خارجہ ہوں... کسی دفتر کا کلرک نہیں ہوں... سمجھے"۔ سلیم کاشانی نے گرج دار آواز میں کہا۔

"بہر حال! یہ میرے دوست ہیں... اپنے ہوش میں نہیں ہیں... میں تو نہیں لگانے دوں گا انہیں انجکشن"۔

"تب آپ کا دماغ چل گیا ہے... میری مثال آپ کے سامنے ہے۔ ابھی میری کیا حالت تھی... صرف ایک انجکشن لگا اور میں ے گھنٹے میں ٹھیک ہو گیا... یہ تو بے مثال علاج ہو گیا"۔

"اور ہم خود انجکشن لگوانا چاہتے ہیں... یہ ہمیں روکنے والے تے کون ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"اور کیا... یہ ہمارے پکے دشمن ہیں اور چاہتے ہیں... ہم یک نہ ہوں"۔ خان رحمان نے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے... مہربانی فرما کر ان لوگوں کو یہاں سے یں... اور ہمیں انجکشن لگوا دیں"۔

"بالکل ٹھیک... آپ یہاں سے دوسرے کمرے میں چلے یں... بلکہ تجربہ گاہ سے ہی چلے جائیں... اور اس نقلی پروفیسر داؤد کو میں ابھی جیل بھجواتا ہوں"۔

یہ کہہ کر انہوں نے اپنی جیب سے فون سیٹ نکالا اور نمبر ڈائل رنے لگے... سلسلہ ملتے ہی انہوں نے ہدایات دیں... اور فون بند کر دیا۔

"خفیہ پولیس انہیں گرفتار کرنے کے لیے ابھی پہنچ جائے گی"۔

"نہیں نہیں... یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا ئے۔

"کیوں... کیا کسی نقلی کو گرفتار کرنا جرم ہے"۔

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ نقلی نہیں۔۔۔ جب کہ یہ
جراثیم کسی ملک دشمن کی طرف سے پھیلائے جا رہے ہیں۔۔۔ اور ان کا
علاج بھی ظاہر ہے انہی لوگوں کے پاس ہو سکتا ہے۔۔۔ اور اگر یہ علاج
کر لیتے ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہی دشمن کے آدمی ہیں
اور یہ سب ایک چال ہے۔۔۔ جس میں آپ لوگ پوری طرح آ گئے
ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا جلدی جلدی بولے۔

"جی نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ جراثیم ضرور کسی ملک
دشمن نے پھیلائے تھے۔۔۔ اور پروفیسر صاحب نے اس کا علاج دریافت
کر لیا۔۔۔ دشمنوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کی چال اس طرح ناکام ہو
جائے گی تو انہوں نے ایک عدد نقلی پروفیسر کا شوشہ چھوڑ دیا۔۔۔ تاکہ
آپ سب شک میں مبتلا ہو جائیں اور آپ ہو گئے۔۔۔ اصلی کو نقلی
خیال کر رہے ہیں"۔

"حد ہو گئی۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا تلملا اٹھے۔

"ہاں ہو گئی حد۔۔۔ لیکن آپ کی طرف سے۔۔۔ پروفیسر صاحب
آپ انہیں ایک ایک انجکشن لگا دیں"۔

"اور اگر۔۔۔ انہوں نے دخل اندازی کی؟" پروفیسر نمبر دو نے
کہا۔

"یہ ایسا نہیں کر سکیں گے"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے اپنا پستول نکال کر ان کی

طرف تان دیا اور بولے۔

"ہاں۔۔۔ جناب۔۔۔ اب لگائیں انجکشن"۔

"نہیں۔۔۔ میں نہیں لگانے دوں گا"۔

"انسپکٹر کامران مرزا کو پکڑ کر باہر نکال دیا جائے"۔ انسپکٹر جمشید
چلائے۔

"ہاں اور کیا۔۔۔ یہ ہمارے دشمن بن گئے ہیں۔۔۔ ہماری جگہ لینا
چاہتے ہیں"۔ فاروق نے گرج دار آواز میں کہا۔

"توبہ ہے۔۔۔ تم سے۔۔۔ مجھے اس قدر سنگین الزام دے ڈالا۔۔۔
یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ سب آپ پر ان جراثیموں کا اثر ہے"۔

"نہیں۔۔۔ جراثیم صرف خوف پیدا کرتے ہیں"۔

"اوہو۔۔۔ خوف بھی تو دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔۔۔ اور اگر
جراثیموں سے خوف پیدا ہو سکتا ہے تو سوجھ بوجھ کیوں نہیں زائل ہو
سکتی"۔

"لیکن ہم انجکشن لگوانا چاہتے ہیں۔۔۔ آپ ہمیں روکنے والے
ہیں کون؟"

"میں روکوں گا"۔

"نہیں روک سکیں گے"۔

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید ان کے بالکل سامنے آ کھڑے ہوئے۔۔۔ اور
گرج کر بولے۔

"پروفیسر آپ اپنا کام کریں... میں نہیں روکوں گا... کم از کم آپ فاروق اور خان رحمان کو تو انجکشن لگائیں نا... میری باری بعد میں آئے گی... جب یہاں خفیہ پولیس آ جائے گی"۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات"۔ سلیم کاشانی بولے۔

اور پھر پروفیسر نمبر ۲ خان رحمان کی طرف بڑھا... انہوں نے فوراً اپنا بازو اوپر چڑھا لیا... اور ان کے آگے کر دیا... ادھر انسپکٹر کامران مرزا نے ان کی طرف چھلانگ لگائی... لیکن اسی وقت انسپکٹر جمشید نے بھی چھلانگ لگائی۔

دونوں کے جسم پوری قوت سے ٹکرائے اور انسپکٹر کامران مرزا کو یوں لگا جیسے ان کے جسم سے جان نکل گئی ہو... ادھر انسپکٹر جمشید کا بھی یہی حال تھا... دونوں ہی فرش پر لمبے لیٹ گئے اور ادھر انجکشن کی سوئی خان رحمان کے بازو میں اتر گئی... پھر اس سے پہلے کہ انسپکٹر کامران مرزا اٹھتے... فاروق کے بازو میں انجکشن لگ گیا... اب پروفیسر انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھے... اسی وقت انسپکٹر کامران مرزا اچھل کر کھڑے ہو گئے... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... سر کی ٹکر پروفیسر کو دے ماری۔

پروفیسر اپنی جگہ سے اچھل کر کچھ دور گرا... ادھر انسپکٹر کامران مرزا کے سر پر زبردست چوٹ آئی... انہیں یوں لگا جیسے انہوں نے کسی انسان کو نہیں سیمنٹ کے کسی ستون کو سر دے مارا ہو... ان کا سر

چکرایا اور وہ بے ہوش ہو گئے۔

"لیجیے... میں نے اپنے راستے کی دیوار خود گرا دی... اب کون روکے گا مجھے انجکشن لگانے سے"۔ پروفیسر نے ہنس کر کہا۔

"نہیں... نہیں... نہیں"۔ شوکی برادرز، آفتاب، آصف، فرحت، محمود اور فرزانہ ایک ساتھ چلائے اور اس کے راستے میں آ گئے۔

"کیا مطلب... یہ نہیں نہیں کیسی تھی"۔ پروفیسر نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ ہم بولے تھے... ہم روکیں گے آپ کو"۔

"تم روکو گے... انسپکٹر کامران مرزا کا انجام نہیں دیکھا... اندھے ہو گیا"۔ اس نے گرج کر کہا۔

"کوئی پروا نہیں... بس ہم روکیں گے"۔

"اچھا تو لو... روک لو... اپنا شوق پورا کر لو"۔

یہ کہہ کر وہ انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھا اور اسی وقت وہ سب اس پر حملہ آور ہو گئے۔

○○

یہ کیا

انسپکٹر کامران مرزا کو چوٹ کھاتے دیکھ کر وہ ہوشیار ہو گئے تھے اور جان گئے تھے۔۔۔ مقابلے میں کوئی عام آدمی نہیں ہے۔۔۔ لہٰذا انہوں نے اندھادھند حملہ نہیں کیا تھا۔۔۔ سب آگے ضرور بڑھے تھے۔۔۔ لیکن سوچ سمجھ کر۔۔۔ فرزانہ تو سیدھی اس کی کمر کی طرف گئی تھی۔۔۔ اس نے اپنے خاص انداز میں اچھل کر اس کی گردن میں دونوں ہاتھ ڈال دیئے تھے۔

"اس سے کیا ہو گا؟" وہ ہنسا۔

"اس سے وہ ہو گا۔۔۔ جس کے بارے میں تم سوچ بھی نہیں سکتے۔۔۔ کم از کم اس سے اتنا تو ہو بھی چکا ہے کہ تم نقلی ہو"۔ فرزانہ نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہرگز نہیں۔۔۔ تم غلط فہمی کا شکار ہو۔۔۔ میں اصلی پروفیسر ہوں اور جب تمہیں اس بات کا علم ہو جائے گا' جب اس بات پر یقین جائے گا' اس وقت تم پچھتاؤ گے۔۔۔ روؤ گے کہ تم نے کیا کیا"۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا"۔ محمود نے اچھل کر کہا اور ساتھ ہی اس

کا دایاں ہاتھ اس کے قبضے میں آ گیا۔۔۔ آصف نے بائیں ہاتھ کو قابو میں کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

"بالکل بچوں جیسی حرکتیں کر رہے ہو"۔

"اس لیے کہ ہم ہیں ہی بچے"۔ فرحت نے کہا اور اس کی ایک ٹانگ پکڑ لی۔

"ایک ٹانگ تو تم فرحت اس طرح پکڑ کر بیٹھ گئی ہو۔۔۔ جیسے مرغے کی ایک ٹانگ"۔ آفتاب نے ہنس کر کہا اور اس کی دوسری ٹانگ پکڑ لی۔

"رہ گئے ہم۔۔۔ ہم کیا خاک پکڑیں"۔ شوکی نے برا سا منہ بنایا۔

"شوکی تم سامنے سے اس کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال دو"۔ آصف بولا۔

"اچھی بات ہے"۔ شوکی نے کہا اور ایسا ہی کیا۔

"لیکن اس سے ہو گا کیا"۔ اس نے پھر کہا۔

"وہی ہو گا۔۔۔ جو اللہ کو منظور ہو گا۔۔۔ تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم"۔

"وہ تو مجھے بھی نہیں معلوم"۔ اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہوتا وہی ہے۔۔۔ جو اللہ کو منظور ہوتا ہے"۔ آفتاب نے کہا۔

"اچھا جو کرنا ہے۔۔۔ جلدی کرو۔۔۔ مجھے اور بھی کام ہیں۔۔۔ شہر کے بڑا بڑا مریضوں کا علاج کرتا ہے مجھے۔۔۔ اور ہر مریض سے فیس

وصول کرنا ہے مجھے"۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"بھئی سمجھا کرو۔۔۔ یہ دوا مفت میں تو تیار ہو نہیں گئی۔۔۔ اب جو لوگ شہر میں خوف کا شکار ہوئے ہیں۔۔۔ ان کا علاج بھی تو کرنا ہو گا۔ اور علاج صرف اور صرف میں کر سکوں گا۔۔۔ یہ بات پہلے ہی شہر میں پھیل چکی ہے۔۔۔ اور صبح کے اخبارات میں یہ خبر چھپے گی کہ پروفیسر داؤ جراثیموں کی بیماری کا علاج کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو پھر دیکھنا۔۔۔ یہاں تو لگ جائیں گے لائنیں۔۔۔ کون ایسا شخص ہے' جو اس خوف سے نجات نہیں حاصل کرنا چاہے گا"۔

"اوہ نہیں"۔ وہ خوف زدہ ہو گئے۔

"کیوں۔۔۔ اس میں خوف زدہ ہونے کی کیا بات ہے؟"

"کیا پتا۔۔۔ یہ انجکشن کیسا ہے"۔

"تم نے سنا نہیں۔۔۔ مسٹر سلیم کاشانی نے کیا کہا ہے۔۔۔ یہ کہ میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔۔۔ میرا خوف دور ہو گیا ہے"۔

انہوں نے ایک نظر سلیم کاشانی پر ڈالی۔

"کیوں کاشانی صاحب۔۔۔ اب آپ کیا محسوس کر رہے ہیں"۔

"بہت بہتر۔۔۔ بلکہ بالکل بہتر"۔

"ہوں۔۔۔ کوئی اور بات تو محسوس نہیں کر رہے"۔

"کوئی اور بات کیا؟" اس نے پوچھا۔

"کوئی اور بات۔۔۔ یعنی ایک چیز ختم ہو کر کوئی دوسری تو شروع نہیں ہو گئی"۔

"نہیں بالکل نہیں۔۔۔ میں بالکل ٹھیک ہوں"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ تب پھر ہم بھی انجکشن لگوا لیتے ہیں"۔ آفتاب نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"پاگل ہو گئے ہو کیا۔۔۔ یہ نقلی پروفیسر ہے۔۔۔ اصلی والے ادھر کھڑے ہیں۔۔۔ لہٰذا ہم یہ انجکشن نہیں لگوائیں گے"۔

"لیکن اگر۔۔۔ اس انجکشن سے خوف دور ہو جاتا ہے اور کسی قسم کا کوئی نقصان بھی نہیں پہنچتا' تو اس میں کیا حرج ہے"۔

"پتا نہیں کوئی حرج ہے یا نہیں۔۔۔ لیکن ہم فی الحال ایسا نہیں کر سکیں گے"۔ فرزانہ نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ تب پھر تم اپنی سی کوشش کر لو"۔

"باقی لوگ بھی اسے پکڑ لیں۔۔۔ جہاں ہاتھ پڑتا ہے۔۔۔ پکڑ لیں"۔

"ہوں اچھا"۔

اب ان سب نے اسے پوری طرح جکڑ لیا۔۔۔ اس پر وہ بولا۔

"خوب مضبوطی سے پکڑ لو بھئی۔۔۔ میں جھٹکا مارنے لگا ہوں۔۔۔ اور جھٹکا لگتے ہی دو باتیں ہوں گی"۔

"دو باتیں۔۔۔ کیا مطلب؟" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں! دو باتیں.... تم سب ادھر ادھر اچھل کر گرو گے اور....“
وہ کہتے کہتے رک گیا۔

”اور کیا؟“

”اور اس کے ساتھ ہی دوسری بات ہو جائے گی“۔

”آخر کون سی دوسری بات؟“

”ابھی تم دیکھ ہی لو گے“۔

یہ کہ کر اس نے ایک زبردست جھٹکا مارا... وہ سب واقعی اچھل اچھل کر گرے.... کوئی فرش پر گرا.... کوئی دیوار سے ٹکرایا.... اس کے جسم سے کوئی بھی چپٹا نہ رہ سکا... اور ادھر اس نے انسپکٹر جمشید کی طرف چھلانگ لگا دی... اس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر اس کی طرف دوڑ سکتے اور اسے ایسا کرنے سے روک سکتے.... اس نے سوئی ان کے بازو میں اتار دی۔

وہ سکتے میں آ گئے.... ابھی وہ ساکت و جامد تھے کہ اس نے فاروق کو اور خان رحمان کو بھی انجکشن لگا دیا... اب وہ فاتحانہ انداز میں پلٹا۔

”لو... لگا دیے میں نے انجکشن... بلاوجہ اچھل کود مچا رہے تھے... اب کسی نے کوئی شرارت کی تو میں اس کو بھی انجکشن لگا دوں گا“۔

”لیکن اس سے کیا ہو گا... ہم تو خوف میں مبتلا ہیں ہی نہیں“۔

”جو لوگ خوف میں مبتلا نہیں ہیں اور یہ انجکشن انھیں لگا دیا تو وہ خطرناک پاگل بن جاتے ہیں... کیا خیال ہے... جتنا پسند کرو گے خطرناک پاگل“۔

”ارے باپ رے“۔ وہ گھبرا گئے۔

”اور اب یہ لوگ آدھے گھنٹے تک بالکل ٹھیک ہو جائیں گے“۔

عین اس وقت بت نے بھاری قدموں کی آوازیں سنائی دیں.... پھر سادہ لباس والے اندر داخل ہوئے۔

”ان لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے.... اور جیل میں ڈال دیا جائے... کوئی مقدمہ درج نہیں کرایا جائے گا“۔ سلیم کاشانی نے انھیں حکم دیا۔

”او کے سر“۔

”ہمارا جرم سر؟“ انسپکٹر کامران مرزا نے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

”تمھارا جرم یہ ہے کہ تمھارا کوئی جرم کیوں نہیں ہے“۔ اس نے منہ بنایا۔

”کیا آپ دشمن ملک کے ایجنٹوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں؟“

”تم پاگل ہو.... خود ایک نقلی شخص کا ساتھ دے رہے ہو.... اور اس طرح پوری قوم کے لیے خوف سے نجات حاصل کرنے میں رکاوٹ بن رہے ہو.... جب تم جیل چلے جاؤ گے تو لوگ آسانی سے

خوف سے نجات پالیں گے"۔

"آپ ہمیں گرفتار نہیں کر سکتے"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"کیوں نہیں کر سکتے.... کیا تم لوگوں کو سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں"۔

"سرخاب کے پر کیا چیز ہوتے ہیں.... ہم ایسی چیزوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے.... آپ یہ اجازت نامہ پڑھ لیں"۔ وہ بولے اور جیب سے اجازت نامہ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کیسا اجازت نامہ؟"

"پڑھ کر دیکھ لیں"۔

"لائیے.... دیکھ لیتا ہوں"۔ اس نے کہا۔

اور انسپکٹر کامران مرزا سے اجازت نامہ لے لیا.... لیتے ہی اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ انسپکٹر کامران مرزا زور سے چونکے۔

"ارے! یہ کیا؟"

"لے جائیے انہیں.... جیل کی طرف"۔ میں وہیں آ کر ان سے دو دو باتیں کر لوں گا اور پروفیسر صاحب۔ اب آپ قوم کے پریشان لوگوں کا علاج شروع کر دیں.... صبح کے اخبارات میں میرے اور چند دوسرے اہم لوگوں کے صحت یاب ہونے کی خبر بھی دھوم دھام سے شائع ہوں گی.... اور پھر دیکھئے گا یہاں ہجوم"۔

"ہوں ٹھیک ہے"۔

انہیں گھیرے میں لے لیا گیا۔

"کیا آپ لوگوں کا تعلق ہمارے ملک کی خفیہ پولیس سے ہے۔ یا آپ لوگ ان کے ذاتی ملازم ہیں"۔

"ہمارا تعلق ملک کی خفیہ پولیس سے ہے"۔ ان کے آفیسر نے کہا۔

"تب پھر آپ نے دیکھا ہو گا.... انہوں نے ملک کے صدر کے ایک حکم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے.... لہٰذا آپ گرفتار انہیں کریں"۔

"وہ صدر کا حکم نہیں تھا"۔ سلیم کاشانی نے کہا۔

"آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں.... جب کہ آپ نے اسے پڑھ کر نہیں دیکھا"۔

"بس نہیں پڑھا"۔ اس نے کہا۔

"آپ ہمیں چھوڑ کر انہیں گرفتار کریں"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"نہیں جناب! ہم ان کے براہ راست ماتحت ہیں.... ہم ان کا حکم مانیں گے، آپ کا نہیں"۔

"اچھی بات ہے.... جیسے آپ کی مرضی"۔ انہوں نے تلخ لہجے میں کہا۔

کلاشن کوفوں کی زد پر انہیں باہر لایا گیا.... اور ایک بڑی بند

گاڑی میں بٹھا کر وہاں سے سیدھا جیل لایا گیا... جیل سپرنٹنڈنٹ ا
ہدایات دیتے ہوئے ان سب کو اس کے حوالے کر کے چلتے بنے۔

اب وہ سب جیلر کے سامنے کھڑے تھے اور جیلر ان سب کو
ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔

"یہ... یہ سب کیا ہے جناب؟"

"آپ بتائیں... یہ سب کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے کہا... اب
وہ اپنی دماغی حالت بہتر محسوس کر رہے تھے۔

"میں... میں کیا بتاؤں... مجھے تو وزیر خارجہ کا حکم ملا ہے کہ
آپ لوگوں کو بطور امانت جیل میں رکھوں اور جب وہ واپس طلب
کریں... تو ان کے حوالے کروں... سوال یہ ہے کہ آپ لوگوں کو انہوں
نے جیل کیسے بھجوا دیا۔"

"غیر قانونی طور پر... نہ کوئی مقدمہ چلوایا... نہ کوئی مقدمہ درج
کروایا... اپنے خاص آدمیوں کے ذریعے ہمارے گرد گھیرا ڈال دیا گیا۔"

"لیکن آپ لوگ ایسے گھیروں میں آنے والے کب ہیں...
آپ نے اس گھیرے کو توڑ کیوں نہیں دیا۔" جیلر نے حیران ہو کر کہا۔

"یہی تو آپ سمجھتے نہیں۔" محمود بولا۔

"کیا نہیں سمجھتا میں۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ کہ ہم اپنے ملک کی پولیس یا فوج پر کبھی ہاتھ نہیں
اٹھاتے... پولیس اور فوج کا ہر ممکن احترام کرتے ہیں... حکم تو ہمیں

کاشانی کا تھا... ان لوگوں کا تو کوئی قصور نہیں تھا جب کہ گھیرا توڑنے
کے سلسلے میں نہ جانے کتنے آدمی اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔"

"اوہ ہاں! یہ تو ہے... آپ واقعی بہت اونچے لوگ ہیں... لیکن
آپ اپنی رہائی کے لیے کوشش تو کر سکتے ہیں... مجھے اگر صدر صاحب
حکم دے دیں تو میں آپ کو رہا کر سکتا ہوں۔"

"فی الحال ہم رہائی چاہتے نہیں۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"بس بات ہوئی یہی ہے... ابھی کچھ وقت جیل میں رہنا چاہتے
ہیں... البتہ ہمیں فون کی سہولت چاہیے۔"

"وہ آپ آزاد ہیں... جب چاہیں میرے دفتر آ کر کر سکتے
ہیں... آپ کے بارے میں ہدایات دے دیتا ہوں۔"

"شکریہ... ہمارے لیے یہ بھی بہت ہے... جیل سے نکلنا کوئی
مسئلہ نہیں ہے، لیکن معلوم تو ہو... یہ لوگ کرنا کیا چاہتے ہیں... اور
جن لوگوں کو انجکشن لگے ہیں... ان کا کیا حال ہوتا ہے... یہ بھی دیکھنا
چاہتے ہیں ہم لوگ۔"

"بہت خوب... آپ کی مرضی۔" اس نے کہا۔

پھر وہ اس بڑے کمرے میں آ گئے جو ان کے لیے خالی کرایا گیا
تھا... اس کے چاروں طرف باغ تھا... باغ میں پھول اور پھل کثرت
سے تھے... جیل کی بجائے وہ کوئی تفریح گاہ نظر آتا تھا۔"

"جیل کا یہ حصہ کن لوگوں کے لیے ہے؟"

"بڑے سیاست دانوں کے لیے... وڈیروں کے لیے... ایک حکومت تبدیل ہوتی ہے تو اس کے نہ جانے کتنے لوگ گرفتار کر لیے جاتے ہیں... ایسے لوگوں کو ایسے حصوں میں رکھا جاتا ہے"۔

"لیکن کیوں... نئی حکومت کو ایسے لوگوں سے اتنی ہمدردی کیوں ہوتی ہے؟"

"یہ ہمدردی نہیں ہوتی... بلکہ انھیں اپنی باری پر ایسی جگہ کی ضرورت ہوتی ہے... جب انھیں جیل بھیجا جاتا ہے... تو بدلے میں بھی ایسی جگہوں پر رکھے جاتے ہیں"۔ جیلر مسکرایا۔

"اوہ... اب سمجھے"۔

"لیکن پھر آپ نے یہ ہمارے لیے کیسے خالی کرا لیا"۔

"آج کل یہاں کوئی بڑا آدمی نہیں ہے... چند عام قیدیوں کو رکھا گیا تھا... ان کی سفارش آئی تھی... میں نے ان سے درخواست کی چند دن کے لیے وہ عام کوٹھڑی میں گزارا کر لیں"۔

"تب آپ نے ٹھیک نہیں کیا... کوٹھڑی میں ہمیں ٹھہراتے آپ"۔

"نہیں... وہ اس قابل نہیں... مجرم ہیں... سفارش نہ ہوتی تو میں ہرگز انھیں ایسی جگہ نہ دیتا... کبھی کبھی ہم لوگ بھی مجبور ہو جاتے ہیں"۔

"ویسے فون یہاں بھی آ سکتا ہے... یہاں وائرنگ کی گئی ہے"۔

"یہ اور اچھا ہے... ہمیں ہر بار آپ کے دفتر میں نہیں جانا پڑے گا"۔

"ٹھیک ہے... میں ابھی سیٹ رکھوا دیتا ہوں"۔

وہ چلا گیا... جلد ہی فون وہاں رکھوا دیا گیا... اب وہ کمرے میں ادھر ادھر بیٹھ گئے... آرام کرنے کی حالت میں... ایسے فرصت کے لمحات انھیں بہت کم ملتے تھے۔

"انسپکٹر جمشید... آپ اب کیسا محسوس کرتے ہیں؟"

"کیوں... ہمیں کیا ہوا ہے"۔

"میرا مطلب ہے... انجکشن لگنے کے بعد؟"

"اب ہم خوف تو واقعی محسوس نہیں کر رہے"۔ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اور کوئی تبدیلی؟"

"نہیں... ہم خود کو بالکل ٹھیک محسوس کر رہے ہیں"۔

"حیرت ہے پھر تو"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہاں! حیرت ہمیں بھی ہے... لیکن شاید کچھ دیر بعد یا چند دن بعد کوئی تبدیلی آئے"۔

"میں اسی تبدیلی کے لیے پریشان ہوں... نہ جانے... وہ کیا ہو گی"۔

"اللہ مالک ہے... اب تو انجکشن لگ ہی گیا ہے... جو بھی ہے، سامنے آجائے گا"۔

"تب پھر آج کی رات ہم آرام کر لیتے ہیں... کل دیکھیں گے... نقلی پروفیسر داؤد کی کارگزاریوں کا علم بھی کل سے پہلے نہیں ہو گا"۔

"بالکل ٹھیک... اس کا مطلب ہے... آرام کریں... مکمل آرام"۔

"ہاں اور کیا"۔

اور پھر وہ دن اور رات انہوں نے آرام کی حالت میں بسر کیے... دوسرے دن انہوں نے چند فون کیے اور جواب کا انتظار کرنے لگے... آخر فون کی گھنٹی بجی... دوسری طرف انسپکٹر جمشید کی خفیہ فورس کا ایک کارکن کہہ رہا تھا۔

"اخبارات میں پروفیسر داؤد کے انجکشن کی کہانی بہت بڑی سرخیوں سے شائع کی گئی ہے... پروفیسر داؤد کی تعریفوں سے اخبارات بھرے پڑے ہیں... اخبارات کے اداریے بھی ان کے نام ہیں... ان کے بارے میں لکھا ہے کہ پہلے ہی انہوں نے بہت بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں، لیکن ان کا یہ کارنامہ تو سنہری الفاظ سے لکھے جانے کے قابل ہے... ان گنت لوگ جو خوف کا شکار ہو گئے تھے... ان کی تجربہ گاہ کا رخ کر رہے ہیں... تجربہ گاہ کے گرد اس قدر رش ہے کہ

بتایا نہیں جا سکتا... ادھر تجربہ گاہ کی طرف سے اعلان کیا گیا ہے کہ اس انجکشن کی تیاری میں... بہت وقت اور پیسہ برباد ہو رہا ہے... لہٰذا ہر شخص صرف پانچ ہزار روپے ضرور ساتھ لے کر آئے... ورنہ انجکشن نہیں دیا جائے گا"۔

وہ یہ خبر سن کر دھک سے رہ گئے... ایسے میں انہوں نے فاروق کی آواز سنی۔

"ارے... ارے... یہ... یہ کیا؟"

○○

ناول کا نام

وہ سب اسی کی طرف مڑے۔۔۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔

"کیا ہوا ابھی؟" انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"میں۔۔۔ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔۔۔ جان نکلی جا رہی ہے۔۔۔ یوں محسوس ہو رہا ہے۔۔۔ جیسے میں اب مرا کہ مرا"۔ اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"نن نہیں۔۔۔ نہیں"۔ وہ چلائے۔۔۔ اور سب فاروق کے گرد جمع ہو گئے۔

ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے فوری طور پر جیلر صاحب کو اطلاع دی۔۔۔ ڈاکٹرز کو فون کیے۔۔۔ تھوڑی دیر بعد وہاں کئی ڈاکٹرز جمع ہو گئے۔۔۔ خود جیلر بھی وہاں آ گیا تھا۔۔۔ انسپکٹر جمشید اپنے طریقے کے مطابق فاروق کا علاج کرنے کے بارے میں غور کر رہے تھے۔۔۔ کہ اچانک خان رحمان کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اوہو۔۔۔ جمشید۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔۔۔ میرا بھی دل بیٹھا جا

رہا ہے۔۔۔ جان نکلی جا رہی ہے"۔

اب ساتھ ہی ان کا علاج شروع ہوا۔۔۔ اور صرف ایک منٹ بعد خود انسپکٹر جمشید کی بھی وہی حالت ہو گئی۔۔۔ جب انہوں نے یہ بات دوسروں کو بتائی تو انہیں پیروں تلے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔

"میرا خیال ہے۔۔۔ یہ اثر اس انجکشن کا ہے۔۔۔ ہمیں تجربہ گاہ لے جایا جائے۔۔۔ جیلر صاحب۔۔۔ اس وقت جو شخص پروفیسر داؤد کے میک اپ میں ہے۔۔۔ وہی اس مرض کا علاج کرے گا"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ میں انتظام کرتا ہوں"۔

پھر ان سب کو وہاں لے جایا گیا۔۔۔ نقلی پروفیسر داؤد انہیں دیکھ کر مسکرا دیا۔

"میں جانتا تھا۔۔۔ بہت جلد تم لوگ یہاں پھر آؤ گے۔۔۔ تو ان تینوں کی حالت خراب ہو گئی"۔

"ہاں! یہی بات ہے"۔

"ان کی حالت بہتر ہو جائے گی۔۔۔ صدر صاحب جیک پانڈے کی رہائی کا حکم ابھی اور اسی وقت دیں۔۔۔ جیک پانڈے کو پہلے یہاں لایا جائے۔۔۔ پھر میں اپنی آنکھوں سے اسے رخصت ہوتے دیکھ لوں۔۔۔ وہ وہاں جا کر مجھے فون کرے۔۔۔ بلکہ میں خود اسے فون کروں۔۔۔ تب میں ان تینوں کا علاج کروں گا"۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ایک منٹ جناب! کیا اب آپ کو اقرار ہے کہ آپ نقلی

پروفیسر داؤد ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"نہیں.... میں بالکل اصلی پروفیسر داؤد ہوں.... جو کہا ہے.... اُ
کرو"۔ اس نے جل کر کہا۔

"اچھی بات ہے.... میں صدر صاحب کو فون کرتا ہوں"۔

یہ کہ انسپکٹر کامران مرزا نے صدر صاحب کو فون کیا.... انہیں
ساری بات بتائی"۔ سن کر وہ چلا اٹھے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔

"کیوں سر.... کیوں نہیں ہو سکتا.... کیا ہم نے اس ملک کے لیے
کچھ نہیں کیا"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

"یہ بات نہیں کامران مرزا.... تم لوگوں کی خدمات سے کے
انکار ہے.... بات اور ہے"۔ انہوں نے پریشان آواز میں کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"جس روز اس شخص کی گرفتاری عمل میں آئی تھی.... اس روز
سے بیرونی طاقتوں کا دباؤ مجھ پر شروع ہو گیا تھا.... وہ طاقتیں چاہتی
تھیں.... کہ جیک پانڈے کو رہا کر دیا جائے.... اس دباؤ کو دیکھ کر میں
نے قسم کھائی تھی کہ نہیں چھوڑوں گا.... چاہے کچھ ہو جائے.... اب
جانتے ہو.... ان لوگوں نے کیا دھمکی دی تھی.... یہ کہ.... ہم بھی اسے
چھڑا لیں گے.... اور چھڑائیں گے بھی اغوا وغیرہ کر کے نہیں.... آپ
کے حکم سے.... یعنی آپ حکم دیں گے کہ جیک پانڈے کو چھوڑ دیا

جائے.... اور اب تم یہی کہہ رہے ہو کہ میں حکم دوں.... جیک پانڈے کو
چھوڑ دیا جائے"۔

"اوہ.... اوہ"۔ وہ دھک سے رہ گئے.... بات چیت سب سن
رہے تھے۔

"اب تم بتاؤ.... میں کیا کروں.... اگر تم کہتے ہو تو میں حکم دے
دیتا ہوں.... لیکن اس طرح.... تمام طاقتیں میرا.... بلکہ ہمارا مذاق
اڑائیں گی"۔

"ہاں! اس میں کیا شک ہے.... خیر.... ہمیں سوچنے کی مہلت
دیں.... ہم پھر فون کریں گے"۔

"ضرور سوچو کامران مرزا.... ضرور سوچو"۔ وہ بولے۔

اور فون بند کر دیا گیا۔

"اب کیا کریں"۔

"ہم الگ کمرے میں چل کر سوچتے ہیں.... اجازت ہے
جناب"۔ انسپکٹر جمشید نے نقلی پروفیسر کی طرف دیکھا۔

"ہاں! کیوں نہیں.... آخر میں تم لوگوں کو اس نقطے پر لے
آیا.... جہاں لانا چاہتا تھا.... جیک پانڈے کو اب صدر صاحب کو چھوڑنا
ہو گا.... ورنہ پھر انسپکٹر جمشید سے ہاتھ دھونا ہو گا"۔ اس نے شوخ آواز
میں کہا۔

"اچھی بات ہے.... آؤ بھی چلیں"۔ انسپکٹر جمشید نے عجیب سے

انداز میں کہا۔

وہ دوسرے کمرے میں آ گئے... کچھ دیر کھسر پھسر ہوتی رہی۔ پھر انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"میری تجویز یہ ہے کہ ہم یہاں سے گھر چلتے ہیں"۔

"کیا... تم بھول رہے ہو جمشید... ہمیں جیل سے یہاں لایا گیا ہے"۔ پروفیسر بولے۔

"یعنی علاج کے لیے لایا گیا ہے نا"۔ وہ مسکرائے۔

"ہاں! یہ تو ہے"۔

"تو پھر وہاں علاج کے لیے جانا چاہتا ہوں"۔

"کیا آپ کے گھر میں آج کل کوئی ڈاکٹر صاحب ٹھہرے ہوئے ہیں"۔ شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں... لیکن وہاں علاج ہو سکے گا"۔

"تب پھر میرا خیال ہے... جیلر صاحب کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا"۔

"بالکل نہیں... علاج کے لیے قیدیوں کو ہسپتال لے جایا جاتا ہے"۔ جیلر مسکرائے۔

وہ گھر آ گئے... اب انسپکٹر جمشید نے ہومیوپیتھک طریقے سے اپنے لعاب دہن کی طاقت تیار کرنا شروع کی... اس طرح انہوں نے فاروق اور خان رحمان کے لعاب دہن کو لے کر دوا بنائی... پھر سب

نے ایک ایک خوراک دوا کھائی۔

"اب دیکھتے ہیں... کیا بنتا ہے"۔

وہ انتظار کرنے لگے... پھر رات کے وقت دوسری خوراک لی گئی... جیلر صاحب نے رات وہیں بسر کرنے کی اجازت بھی دے دی... وہ نماز ادا کر کے سو گئے... دوسری صبح فجر سے پہلے ان کی آنکھ کھلی... نماز ادا کی گئی... اس وقت انسپکٹر جمشید نے اعلان کیا۔

"میں خود کو بہتر محسوس کر رہا ہوں"۔

"اور میں بھی"۔ فاروق نے کہا۔

"میں بھی بالکل ٹھیک ہوں"۔ خان رحمان نے کہا۔

ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

"یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے... مریض کے اپنے لعاب دہن سے تیار کردہ دوا سے علاج ہو گیا"۔

"ہاں! ہومیوپیتھی بہترین علاج ہے... اس انجکشن کا علاج صرف اس نقلی پروفیسر کو معلوم ہے... ہمیں معلوم ہو ہی نہیں سکتا تھا... اور وہ بتانے پر تیار نہیں تھا... جب تک کہ جیک پانڈے کو رہا نہ کر دیا جائے... لہٰذا مجھے اس کا یہ حل سوجھا... اور خدا کا شکر ہے... میں کامیاب رہا"۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں؟"

"اب ہم یہاں چلیں گے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جیل.... ارے ہاں! جیل کو تو ہم بھول ہی گئے.... حالانکہ جیلر صاحب ہمارے ساتھ ہیں.... اگر یہ ساتھ نہ ہوتے تو شاید بھولے سے بھی جیل کا خیال نہ آتا"۔ فاروق خوش ہو کر بولا۔

"لیکن اس میں خوش ہونے کی کیا بات ہے.... جیل جانا کوئی خوشی کی بات تو نہیں"۔

"تب پھر تم بتا دو.... خوشی کی بات کس میں ہے؟"

"اوہو.... بات کی کھال نہ اتارو.... کام کی بات کرو"۔ آصف نے جل کر کہا۔

"کام کی بات یہ ہے کہ ہم فی الحال جیل میں جائیں گے.... ذرا اس مجرم کے طور طریقے دیکھ لیں.... پھر میدان عمل میں نکلیں گے"۔

"لیکن جمشید.... ہم اس کا مقابلہ اس وقت تک نہیں کر سکتے.... جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے.... وہ جراثیم انسان کے جسم میں کس طرح داخل کرتا ہے.... مطلب یہ کہ ایک ہی گھر میں کسی کے جسم میں جراثیم داخل ہو جاتے ہیں اور کسی جسم میں نہیں ہوتے.... لہٰذا سوال یہ ہے کہ وہ ایسا کس طرح کرتا ہے"۔

"ہم اس پر بھی غور کریں گے"۔

"تو پھر چلئے جیلر صاحب.... فی الحال ہم آپ کی جیل کو ہی اپنی رہائش گاہ قرار دے رہے ہیں"۔

"بہت بہت شکریہ"۔ وہ ہنسے۔

جیل میں آ کر وہ سب سوچ میں گم ہو گئے.... لیکن رات گئے تک بھی وہ یہ نہ سوچ سکے کہ مجرم جراثیم کس طرح انسانی جسم میں داخل کرتا ہے.... ان کے ذہن سوچ سوچ کر تھک گئے۔

"نہیں بھئی.... کم از کم مجھے کچھ نہیں سوجھ رہا"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"کیا ہم ایسے لوگوں کا علاج اس طریقہ سے نہیں کر سکتے"۔ آفتاب نے پوچھا۔

"تمہارا مطلب ہے.... ہومیو طریقہ سے"۔

"جی ہاں"۔

"شاید ہم کر سکتے ہیں.... ان جراثیم کو لے کر دوا تیار کی جا سکتی ہے.... لیکن مسئلہ ہے عوام کا.... عوام تو صرف نقلی پروفیسر سے علاج کروانا پسند کریں گے.... اخبارات کے اعلانات بھی یہی کہہ رہے ہیں"۔

"ہوں خیر.... لیکن تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"تب پھر پہلے ہمیں ضرورت ہو گی.... ایک عدد مریض کی"۔

"مریض تو شہر میں ان گنت ہو چکے ہوں گے اس وقت تک"۔

"بالکل.... یہ کام میں کر دوں گا"۔ جیلر نے کہا۔

"اچھی بات ہے"۔

"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی"۔ ایسے میں شوکی کی آواز سنائی دی۔

"اور وہ کیا؟"

"آخر نقلی پروفیسر کے چہرے پر میک اپ کیوں نہیں ہے"۔

"اس پر بھی غور کیا جائے گا..... بلکہ ہم ساتھ میں غور کر
ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ویسے مجھے کسی بڑے خطرے کی بو محسوس ہو رہی ہے"۔
آصف نے پریشان آواز میں کہا۔

"اس میں تو خیر شک نہیں..... یہ کوئی چھوٹا معاملہ تو ہو ہی
سکتا..... کیونکہ سازشیوں نے اس کیس میں نائب صدر' صدر'
خارجہ جیسے لوگوں کو بھی اُلجھایا ہوا ہے"۔

"ہاں! ہم یہ بھی محسوس کر رہے ہیں کہ یہ معاملہ صرف
پانڈے کو چھڑانے کے لیے نہیں ہو سکتا..... اس کو چھڑانے کے
اس قدر لمبے چوڑے چکر کی ضرورت نہیں تھی..... چکر ضرور کوئی
ہے..... یہ ہو سکتا ہے کہ وہ چکر جیک پانڈے سے تعلق رکھتا ہو"۔

"تو ہم جیک پانڈے کو رہا کیوں نہ کر دیں"۔ آصف نے
بتایا۔

"نہیں..... تم بھول گئے..... صدر صاحب قسم کھا چکے ہیں
اسے نہیں چھوڑا جائے گا"۔

"ہوں..... یہ بھی ہے..... مطلب یہ کہ ایسے ہمیں نہیں معلوم
یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا"۔

"ہاں! بلکہ میں تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ کیس رے کیس.....
تیری کون سی کل سیدھی"۔

"سلیم کاشانی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"وہ اس کیس کے بارے میں ضرور کچھ جانتے ہیں..... بلکہ ہو
سکتا ہے..... ان کا اس کیس کے مجرم سے کوئی تعلق ہو..... ورنہ ہمیں
کیوں جیل بھجواتے"۔

"تب تو ہمارے پاس تفتیش کا راستا موجود ہے"۔

"تفتیش ہم ابھی نہیں شروع کریں گے..... اسی لیے تو جیل آ
گئے ہیں..... پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ یہ لوگ کرتے کیا ہیں..... مریضوں کی
تو اب تک لائنیں لگ چکی ہوں گی"۔

"اس بارے میں رپورٹ لے لیں ذرا"۔ فاروق بے چین ہو
گیا۔

انسپکٹر جمشید نے نمبر ملائے..... پھر بولے۔

"ہاں! تجربہ گلو کی کیا رپورٹ ہے"۔

"ایک لاکھ کے قریب آدمی یہاں جمع ہیں..... اور پچاس کے
قریب آدمی انجکشن لگانے میں مصروف ہیں' ہر انجکشن کے بدلے پانچ
ہزار روپے وصول کیے جا رہے ہیں"۔

"ارے باپ رے..... ایک دن میں پانچ کروڑ روپے"۔

"جی نہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا بوکھلا اٹھے۔

"آپ لوگوں کے رنگ زرد پڑ گئے۔۔۔ کیا کوئی خاص بات ذہن میں آگئی"۔

جیلر نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ لیکن ذرا سوچو۔۔۔ ایک دن میں پانچ کروڑ روپے کمائی۔۔۔ ایک شہر سے۔۔۔ اگر ہر شہر سے اس طرح کمائی ہونے لگ گئی۔۔۔ اور پھر سلسلہ آگے بڑھ گیا۔۔۔ تو ان لوگوں کی کمائی کتنی ہو گی۔ اب بات سمجھ میں آئی۔۔۔ یہ تو سارا کمائی کا چکر ہے۔۔۔ اصل میں انہیں پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ پر قبضہ کرنا تھا۔۔۔ تاکہ علاج کی جگہ مل جائے اور لوگوں کو پروفیسر داؤد کا نام سن کر علاج کرانے میں کوئی پریشانی بھی محسوس نہیں ہو گی۔۔۔ لوگ تو الٹا ان کا احسان مانیں گے"۔

وہ سب نہایت پریشان ہو گئے۔۔۔ پھر وہ سب ایک ساتھ چلائے۔

"نن نہیں۔۔۔ نہیں"۔

"بلکہ نقلی پروفیسر داؤد تو الٹا قوم کے ہیرو بن جائیں گے"۔

انسپکٹر جمشید نے باری جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"نن نہیں"۔ وہ چلائے۔

"اب اس دائرے کو اور بڑا کرو"۔ انسپکٹر جمشید کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

باقی سب بھی سکتے کے عالم میں بیٹھے تھے۔

"جی دائرے کو۔۔۔ کون سے دائرے کو"۔

"جرم کے دائرے کو"۔

"کک۔۔۔ کیا؟" فاروق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"تت۔۔۔ تمہیں کیا ہوا؟"

"یہ۔۔۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے"۔

عین اس لمحے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

○○

نہیں

وہ فون کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"دیکھنا اب کیا اطلاع آتی ہے"۔ آفتاب بڑبڑایا۔

انسپکٹر جمشید نے بٹن دبا دیا۔

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں"۔

"چند نئی خبریں سن لیں سر... کچھ بڑے بڑے لوگوں پر بھی خوف کا حملہ ہوا ہے... ان میں ملک کے صدر بھی موجود ہیں"۔

"اوہ نہیں"۔ وہ چلائے۔

"اور بھی کئی وزیر، مشیر اور بڑے عہدیدار پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ پہنچ چکے ہیں... لیکن..."

"لیکن کیا؟"

"ان لوگوں کا علاج کرنے سے انہوں نے انکار کر دیا ہے"۔

"کیا!!!" وہ چلائے۔

"ہاں سر... ان کا کہنا ہے... پہلے صدر صاحب جیک پانڈے کو رہا کریں گے... پھر بڑے لوگوں کا علاج شروع ہو گا... سننے میں آیا

صدر صاحب اپنی قسم توڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں... ان سو بڑے یں کا ان پر الگ دباؤ ہے... اور اب صدر صاحب خود چل کر تجربہ جا رہے ہیں"۔

"ٹھیک ہے... جب وہ علاج کرا کے باہر آئیں... مجھے بتانا... ر یہ کہ بڑے لوگوں سے وہ کیا فیس لیتا ہے... یہ بھی بتانا... اور علاج کے لیے جانے والوں سے بھی ملو... معلومات حاصل ... کیا وہ صرف ایک انجکشن لگا رہا ہے"۔

"بات کر چکا ہوں سر... ایک انجکشن کے ساتھ ہی وہ ایک گولی ہے... اور بس"۔

"اچھی بات ہے... معلومات حاصل کرتے رہو... بلکہ اپنے کسی نی کو بھی علاج کے لیے بھیج دو"۔ انہوں نے کہا۔

"جی... کیا مطلب... یعنی بغیر خوف کے حملے کے علاج کے لیے وں"۔

"ہاں! میں دراصل معلوم کرنا چاہتا ہوں... وہ ایسے آدمی کو شن لگاتا ہے یا نہیں"۔

"بہت بہتر"۔

انہوں نے فون بند کر دیا۔

"کافی سنسنی خیز خبریں ہیں... اب ہمیں جیل سے باہر نکلنا پڑے

"تو جیلر صاحب سے بات کر لیں"۔

"ہوں ٹھیک ہے"۔

انھوں نے اسی وقت جیلر کو بلا لیا۔

"اب ہم باہر جانا چاہتے ہیں.... اس کے بغیر کام نہیں چلے گا"۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں.... آپ جا سکتے ہیں.... لیکن اگر بیل
کاشانی نے پوچھ لیا.... یا وہ آپ لوگوں کو دیکھنے کے لیے یہاں آ گئے
مجھے کیا کرنا ہو گا.... بس آپ اتنا بتا دیں.... باقی میں دیکھ لوں گا"۔

"آپ اس سے کہہ دیں کہ آپ نے ہمیں آزاد کر دیا ہے"۔

"ارے باپ رے.... یہ سن کر تو وہ آگ بگولا ہو جائیں گے ا
مجھے فوراً معطل کر دیں گے"۔

"پروا نہ کریں.... معطل ہو جائیں.... یہ چکر کتنے دن چلے گا
جونہی حالات معمول پر آئیں گے.... آپ کو بحال کر دیا جائے گا"۔

"میں سمجھ گیا"۔

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی.... وہ چونک اٹھے۔

"شاید کوئی اور اطلاع آ گئی.... ایک منٹ.... پہلے ہم فون
لیں"۔

"جی ضرور.... کیوں نہیں"۔

فون آن کیا گیا.... لیکن پتا چلا.... فون جیلر صاحب کے
تھا.... پہلے انھیں ان کے اپنے دفتر والے نمبر پر فون کیا گیا تھا.... وہا

ے ان کا نمبر دیا گیا۔

"ہیلو جیلر صاحب.... صدر بات کر رہا ہوں"۔

"جی.... صاحب صدر"۔ جیلر صاحب بوکھلا اٹھے۔

"ہاں! صدر بات کر رہا ہوں.... انسپکٹر جمشید وغیرہ سنا ہے جیل
میں ہیں"۔

"جی.... جی ہاں.... بالکل"۔

"بہت خوب! میں کچھ لوگوں کے ساتھ آ رہا ہوں.... ان سے
ملاقات کے لیے"۔

"کیا بات ہے صاحب صدر"۔ انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔

"اوہ.... تو انسپکٹر جمشید یہیں ہیں"۔

"ہاں! بالکل"۔

"اچھی بات ہے.... آپ لوگ ہمارا انتظار کریں"۔

"بات کیا ہے سر"۔

"وہیں آ کر بتاؤں گا"۔

"اوہ اچھا"۔

فون بند ہو گیا.... ان کی بے چینی بڑھ گئی پتا نہیں صدر صاحب
ان سے کیوں ملنا چاہتے تھے.... یا شہر میں کوئی اور خاص واقعہ پیش آیا
ہے.... جس کی بنا پر وہ ان سے بات کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے....
بہرحال اب انھیں صدر کا انتظار کرنا تھا.... آخر صدر صاحب کی تشریف

آوری کا اعلان ہوا۔۔۔ پھر انہیں صدر صاحب کے سامنے لایا گیا۔

"تم لوگ یہاں خاموشی سے آ گئے۔۔۔ مجھے بتایا تک نہیں"۔

"آپ کے سلیم کاشانی صاجب کی ہدایات ہمارے بارے میں کیا تھیں۔۔۔ ہم کیا کرتے"۔

"ہوں خیر۔۔۔ تم لوگ آزاد ہو۔۔۔ اسی وقت جیل سے جا سکتے ہو۔۔۔ لیکن تم نے اس جراثیم والے معاملے میں کیا سوچا ہے؟"

"ابھی تک کچھ نہیں۔۔۔ موقع ہی نہیں ملا"۔

"اگر ان لوگوں کو ایک ہفتے کی بھی مہلت مل گئی۔۔۔ تو وہ بے اندازہ دولت سمیٹ لے جائیں گے۔۔۔ اور اگر دوسرے شہروں میں بھی انہوں نے یہ چکر چلا دیا تو کیا ہو گا"۔

"اور ہم سوچ رہے ہیں۔۔۔ ہمارے ملک کے بعد کسی دوسرے اسلامی ملک کی باری آئے گی"۔

"یہ تو اس طرح لوٹ لے لیں ملکوں کو۔۔۔ تم فوری طور پر ان کا انتظام کرو جمشید۔۔۔ جس قدر جلد۔۔۔ میں تمہیں صرف اور صرف تین دن کی مہلت دیتا ہوں"۔

"جی۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ مہلت"۔ وہ بری طرح چونکے۔

"ہاں مہلت۔۔۔ وہ بھی تین دن کی۔۔۔ تین دن کے اندر اندر اگر تم لوگ ان کا کوئی انتظام نہ کر سکے۔۔۔ تو۔۔۔"۔ صدر صاحب کہتے کہتے رک گئے۔

"تو کیا؟"

"تو پھر مجھے مجبوراً ان کا مطالبہ ماننا پڑے گا"۔

"مطالبہ۔۔۔ کیسا مطالبہ؟"

"ان کا مطالبہ بہت خوفناک ہے"۔

"آخر کیا؟"

"وہ کہتے ہیں۔۔۔ میں اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دوں"۔

"اوہ۔۔۔ کیا۔۔۔ بس اتنا ہی مطالبہ ہے ان کا"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جمشید۔۔۔ یہ تم صرف اتنا مطالبہ کہہ رہے ہو۔۔۔ یہ کوئی چھوٹی بات ہے"۔ انہوں نے بھنا کر کہا۔

"نہیں سر۔۔۔ یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔۔۔ بہرحال ہم اپنی پوری کوشش کریں گے۔۔۔ لیکن اگر ہم تین دن کے اندر یہ راز نہ معلوم کر سکے تو؟"

"تو مجھے استعفیٰ دینا ہو گا"۔

"آخر کیوں۔۔۔ آپ ان کی بات ماننے پر کیوں مجبور ہیں"۔

"اس لیے کہ میرے استعفیٰ نہ دینے کی صورت میں وہ۔۔۔"۔ وہ کہتے کہتے رک گئے۔

"کیا کریں گے وہ سر؟"

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ خوف زدہ ہونے والے تمام لوگ اچانک مر جائیں

گے۔۔۔ کیونکہ انہوں نے جس انجکشن سے ان کا علاج کیا ہے۔۔۔ وہ ان جراثیم کا علاج ضرور ہے۔۔۔ لیکن اگر وہ انہیں گولی نہ کھلائیں تو وہ مر جائیں گے۔۔۔ تین دن کے اندر اندر مر جائیں گے۔۔۔ اب تو ہوئی نہ خوف ناک بات"۔

"ہاں! ہو گئی"۔

"اور انہوں نے مجھے بھی گولی نہیں دی"۔

"کیا!!!" وہ چلائے۔

"ہاں جمشید۔۔۔ شروع کے مریضوں کو تو وہ گولی دیتے رہے ہیں۔۔۔ لیکن بعد کے مریضوں کو انہوں نے گولی نہیں دی۔۔۔ یہاں تک کہ مجھے بھی نہیں دی"۔

"اوہ۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ انہوں نے ہمیں بھی موت کے گھاٹ اتارنے کا پروگرام بنا لیا تھا"۔

"کیا مطلب؟" صدر صاحب چونکے۔

"انہوں نے ہمیں کوئی گولی نہیں دی"۔

"کیا!!!"

"ہاں! کوئی گولی نہیں دی تھی۔۔۔ سو۔۔۔ اس کے بعد۔۔۔ ہماری حالت خراب ہونے لگی۔۔۔ تو پھر میں نے ہومیو طریقے سے دوا بنا کر استعمال کی۔۔۔ تب کہیں جا کر ہم ٹھیک ہوئے۔۔۔ لیکن ہم وہ دوا ایک دم پوری قوم کو کس طرح دے سکتے ہیں۔۔۔ اب تو ان کا سراغ لگانا ہی

پڑے گا"۔

"آخر اس کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ ہم نقلی پروفیسر کو گرفتار کر لیتے ہیں"۔

"اب یہ کام آسان نہیں رہا"۔ صدر مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہو کر بولے۔

"ہاں! پورا شہر اس وقت ان کی مٹھی میں ہے۔۔۔ جن لوگوں کو انہوں نے انجکشن دیے ہیں۔۔۔ انہیں گولیاں نہ ملیں تو وہ مر جائیں گے"۔

"ہم ٹی وی پر ہومیو طریقہ کا اعلان کر دیتے ہیں"۔

"اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا"۔ صدر نے منہ بنایا۔

"کیوں نہیں ہو گا"۔

"وہ انجکشن لگانا بند کر دیں گے۔۔۔ صرف خوف کے ذریعے لوگوں کو ہلاک کر دیں گے۔۔۔ ان کا کہنا ہے۔۔۔ یہ جراثیم صرف خوف پیدا نہیں کرتے۔۔۔ موت بھی دیتے ہیں"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے"۔

"تمہارے پاس تین دن ہیں"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ ہم ابھی اور اسی وقت کام شروع کر رہے ہیں۔۔۔ ہمیں امید ہے، ہم کامیابی حاصل کریں گے"۔

"اور میں استعفیٰ دینے کی تیاری کرتا ہوں"۔ صدر مسکرائے۔

"کیوں جناب.... یہ کس لیے؟"

"اگر تم کامیاب نہ ہو سکے.... تو پھر یہی کرنا ہو گا.... ورنہ وہ ان گنت لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دے گا"۔

"ہوں.... خیر.... آپ فکر نہ کریں.... ان شاء اللہ ایسا وقت نہیں آئے گا"۔

"امید تو یہی ہے.... لیکن اس بار کے مجرم بھی تو انوکھے ہیں"۔

"ہمارے پاس دو راستے ہیں.... ایک تو یہ معلوم کر لیں' وہ جسم میں جراثیم داخل کس طرح کرتا ہے.... دوسرا راستا یہ ہے کہ ہم اصل مجرم تک پہنچ جائیں اور اسے ختم کر دیں"۔

"میرے خیال میں پہلے تمہیں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ وہ جراثیم جسم میں داخل کس طرح کرتا ہے.... مجرم کو ہم بعد میں تلاش کر لیں گے"۔ صدر صاحب نے کہا۔

"ہم دونوں رخ سے ایک ہی وقت میں کام کریں گے.... اس وقت یہاں تینوں پارٹیاں موجود ہیں"۔

"اوہ اچھا.... جو تمہارا جی چاہے کرے"۔

"ہماری بھی ایک درخواست ہے"۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ آپ سلیم کاشانی کا خیال رکھیں.... وہ ہمارے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش ضرور کریں گے"۔

"اچھی بات ہے.... میں یہ کر لوں گا"۔

وہ صدر کے سامنے ہی جیل سے باہر نکلے.... عین اس وقت انہوں نے سلیم کاشانی کی گاڑی کو آتے دیکھا.... وہ چونک اٹھے۔

"یہ.... سر.... اوہ آپ السلام علیکم"۔ انہوں نے جیسے پہلی بار وہاں صدر کو دیکھا.... لیکن وہ کار میں بھی انہیں دیکھ چکا تھا۔

"ہاں کاشانی صاحب.... یہ میں ہوں.... آپ کیسے آئے؟"

"میں یہی دیکھنے آیا تھا کہ کہیں ان شریر اور نقلی لوگوں کو کوئی جیل سے باہر نہ نکلوا لے.... اس بات کا تو وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ یہ کام آپ کر ڈالیں گے"۔

"انہیں جیل بھجوانے کی ضرورت کیا تھی"۔ صدر صاحب نے ناخوشگوار انداز میں کہا۔

"یہ نقلی پروفیسر کو ساتھ لیے پھر رہے ہیں.... کیا یہ جرم کافی نہیں ہے سر؟"

"ہاں! بالکل ناکافی ہے.... اس لیے کہ یہ اصلی پروفیسر ہیں.... نقلی اس وقت تجربہ گاہ میں موجود ہے"۔

"لیکن سر.... یہ پورا زور لگا کر انہیں نقلی ثابت نہیں کر سکے"۔

"لیکن وہ بھی تو انہیں نقلی ثابت نہیں کر سکا"۔ صدر جھلا اٹھے۔

"انہیں تو ایسا کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی"۔

"بہت خوب! تب پھر آپ انھیں نقلی ثابت کر دیں.... میں انھیں جیل میں ڈال دوں گا"۔

"صدر صاحب.... آپ انھیں جیل سے نہ نکلوائیں.... اس طرح شہر میں ایک طوفان اٹھے گا"۔ انہوں نے پُرزور آواز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"ہاں.... جن لوگوں کے جسموں میں جراثیم پھیل گئے ہیں.... وہ زندہ نہیں رہ سکیں گے.... اصلی پروفیسر صاحب علاج کرنا بند کر دیں گے"۔

"تب تو بات صاف ہو گئی"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کون سی بات صاف ہو گئی"۔ سلیم کاشانی ان کی طرف مڑے۔

"نقلی کو خطرہ ہے کہ کہیں ہم جیل سے باہر رہ کر اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل کر لیں گے' لہٰذا وہ چاہتا ہے.... ہم جیل میں ہی رہیں.... جب کہ اصلی پروفیسر ایسا کیوں چاہنے لگے.... کیا پہلے کبھی اصلی پروفیسر نے ایسا چاہا ہے"۔

"نہیں.... ہرگز نہیں"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

"اب آپ کیا کہتے ہیں کاشانی صاحب؟"

"کچھ نہیں.... میں ان لوگوں کو جانے نہیں دوں گا.... فورس ساتھ لایا ہوں"۔ اس نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"فورس.... کہاں ہے فورس"۔

"آپ لوگوں کے چاروں طرف"۔

"نہیں سلیم کاشانی.... آپ ایسا کر کے ملک کے قانون کو توڑ رہے ہیں.... ملک کا صدر میں ہوں.... آپ نہیں"۔

"آپ کی حکومت ختم.... آپ جراثیم والے معاملے پر قابو نہیں پا سکے.... یہ کام اب میں کر کے دکھاؤں گا.... فوج بھی میرے ساتھ ہے.... میں نے انھیں یقین دلایا ہے.... کہ جونہی صدر کو ہٹایا جائے گا.... شہر سے جراثیم کے کیس ختم ہو جائیں گے.... بلکہ پورے ملک سے ختم ہو جائیں گے.... ورنہ پورا ملک.... یہاں تک کہ فوج بھی ان جراثیموں کا شکار ہو جائے گی.... ذرا سوچیں.... اگر ہمارے ملک کی فوج خوف کا شکار ہو گئی.... تو کیا ہو گا"۔

"تک.... کیا.... نہیں"۔ وہ ایک ساتھ چلائے.... آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی۔

"ہاں! اس وقت ملک کو سب سے بڑا خطرہ یہی ہے.... کہ کہیں جراثیم فوج تک نہ پہنچ جائیں.... ہمیں اپنی فوج کو بچانا ہو گا.... اور میں نے جب فوج سے بات کی تو اس نے پوری طرح تائید کی.... اصل میں اس نامعلوم شخص کا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ آپ کو صدارت سے ہٹا دیا جائے"۔

"آپ بات کو سمجھ نہیں رہے مسٹر کاشانی.... بات اگر صرف میرے ہٹانے سے ختم ہو سکتی ہے تو میں خود استعفیٰ دے دیتا.... لیکن

میں جانتا ہوں.... اس طرح بات اور الجھ جائے گی.... وہ مجھے راستے سے ہٹا کر اپنے لیے اور آسانی چاہتے ہیں.... پھر ان کا راستا روکنے والا کوئی نہیں ہو گا.... آج مجھے ہٹایا جائے گا.... کل دوسرے محب وطن لوگوں کو اسی طرح ہٹایا جائے گا.... فوج کے محب وطن لوگوں کو ہٹایا جائے گا.... پھر جانتے ہیں.... کیا ہو گا"۔

"کیا ہو گا؟"

"ہو گا یہ کہ پورے ملک پر ان کا قبضہ ہو جائے گا"۔

"نن نہیں"۔

سلیم کاشانی کے بجائے.... ان سب کے منہ سے نکلا۔

○○

ذریعہ

وہ سب سکتے میں آ گئے۔ ایسے میں انھوں نے دیکھا۔ وہ سب ال فوجیوں کے گھیرے میں آ چکے تھے۔ اور فوجیوں کا گھیرا لمحہ بہ لمحہ نگ ہوتا جا رہا تھا۔

"مسٹر سلیم کاشانی۔ یہ آپ اچھا نہیں کر رہے۔ پورا ملک ان ے حوالے کرنے کی سازش کا مقدمہ چلے گا آپ پر"۔

"مقدمہ تو تب چلے گا صدر صاحب۔ جب آپ صدر ہوں ے۔ صدر تو یہ لوگ مجھے بنا رہے ہیں"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"کیا۔ نہیں"۔ وہ چلائے۔

"اب یہی ہونے والا ہے"۔

"لیکن ان لوگوں نے مجھے تین دن کی مہلت دی تھی"۔

"اب وہ مہلت بھی ان لوگوں نے واپس لے لی۔ ان کا مطالبہ ے۔ آپ لوگوں کو جیل سے باہر نہ آنے دیا جائے۔ لہٰذا ہم عین ت پر یہاں پہنچے"۔

"گویا! آپ ہم لوگوں کو جیل میں ڈالنا چاہتے ہیں"۔ صدر نے

کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہاں سر... آپ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا ہے... اب اس
ملک کا صدر میں ہوں... اور فوج کے سربراہ میرے ساتھ ہیں"۔

"اف مالک... تم سن رہے ہو جمشید"۔

"ہاں سر... ہمیں جیل بھجوانے والے بھی یہی تھے... اس ا
تو ہم نے سوچا تھا کہ چلو جیل میں بیٹھ کر سکون سے سوچیں گے کہ
کیا جا سکتا ہے... پھر آپ کو ایک فون کریں گے اور جیل سے باہر
جائیں گے... لیکن اب... اب کیا ہو گا"۔

"اب یہ ہو گا... کہ آپ لوگ جیل میں ہی رہیں گے...
اندر... ورنہ یہیں آپ سب کو بھون کر رکھ دیا جائے گا... آپ
اس وقت... کم از کم ایک سو کلاشن کوفوں کی زد میں ہیں"۔

"ہوں... خیر... اللہ مالک ہے... اب کیا کرنا ہے جمشید"۔

"آئیے... پہلے جیل میں تو چلیں... ہماری مشکل یہ ہے ک
اپنے ملک کی فوج اور پولیس پر ہاتھ نہیں اٹھاتے... اس لیے ک
اور پولیس تو حکم کی تعمیل کرتی ہیں... وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہ
فائرنگ کریں گے... اور ہمیں اپنا بچاؤ کرنے کے لیے ان پر فائرنگ
ہو گی... اس طرح بے گناہ لوگ مارے جائیں گے... اور میں ایسا
نہیں چاہا کرتا... لہٰذا ہم جیل میں ہی چلتے ہیں"۔

جیلر صاحب بھی ابھی تک جیل کے دروازے پر ساکت کھ

اور یہ سارا منظر آنکھوں سے دیکھ رہے تھے... ان کے چہرے پر
رنگ آ رہا تھا اور دوسرا جا رہا تھا... ایسے میں سلیم کاشانی ان کی
بڑھا... اور خونخوار انداز میں بولا۔

"تم... تم نے انھیں جیل سے نکالا"۔

"صدر صاحب کا حکم ماننے سے میں کیسے انکار کر سکتا تھا سر"۔

پ گیا۔

"تم نے انھیں بتایا کیوں نہیں... انھیں میرے حکم سے جیل
لا گیا تھا"۔

"یہ پہلے ہی اس بات کو جانتے تھے سر"۔

"لیکن اس کے باوجود تمھیں بتا دینا چاہیے تھا... اب تم بھی
... ان کے ساتھ اسی جیل میں رہو... جس میں تم دوسروں کو
رہے ہو"۔

"نن نہیں... نہیں سر... اس میں میرا کوئی قصور نہیں"۔

"ارے تو کیا میرا قصور ہے"۔ سلیم کاشانی ہنسا۔

"نہیں سر... میں نے ایسا نہیں کہا"۔

"تم ایسا کہو... تو بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا... جیل کا
ٹ اب ایک فوجی آفیسر ہو گا... ابھی اور اسی وقت سے... پھر
نکل کر دکھانا... اور ان لوگوں کو جیل سے نکال کر دکھانا... مان
کا تمھیں"۔

"یہ آپ ٹھیک نہیں کر رہے ہیں۔ میرے ساتھ تو خیر آپ جی میں آئے کریں۔ لیکن ان لوگوں کو جیل میں نہ ڈالیں۔ ورنہ ملک کو وہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ جس کے خیال سے بھی لرزہ طاری ہوتا ہے"۔

"تو اندر جا کر لرزتے رہو۔ روکا کس نے ہے۔ اپنے ساتھ ان لوگوں کو بھی لرزاتے رہو۔ کوئی اعتراض نہیں"۔

"جیلر صاحب۔ ان سے بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ بے چارے تو غلام ہیں۔ غیر ملکی آقاؤں کے غلام"۔ انسپکٹر جمشید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

عین اس وقت غصے میں آکر سلیم کاشانی نے ان کے چہرے پر زناٹے دار تھپڑ دے مارا۔ لیکن اس کا ہاتھ درمیان میں رک گیا۔ انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں اس کی کلائی آ گئی تھی۔

"میرے چہرے پر تھپڑ مارنا اتنا آسان کام نہیں"۔

"لیکن میں تھپڑ مار کر رہوں گا"۔

"تب تم اپنی بدقسمتی پر مہر لگا لو گے"۔

"بدقسمتی کے دن اب تمہارے آ گئے۔ اس جیل سے نکلنا تمہیں نصیب نہیں ہو گا"۔

اب فوجی ان کے بالکل نزدیک پہنچ چکے تھے۔ ان کے انچارج نے سرد آواز میں کہا۔

"آپ لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دیں۔ ورنہ ہم فائرنگ کر کے آپ سب کو ہلاک کر دیں گے.... ہمیں ہدایات یہی ہیں۔ اگر آپ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کریں تو آپ پر بلادریغ فائرنگ کر دی جائے"۔

"اوہو اچھا۔ اس اطلاع کے لیے شکریہ"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا اور انہوں نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے.... ان کے ساتھ ہی سب نے ہاتھ اٹھا دیے۔

"جیلر۔ تم بھی ہاتھ اٹھا دو"۔ سلیم کاشانی نے کہا۔

انہوں نے بھی ہاتھ اٹھا دیے۔ اب سب کو اندر لایا گیا۔ جیلر کو ہاتھ اٹھائے دیکھ کر جیل کے دوسرے ملازم دھک سے رہ گئے۔ اور لگے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے۔

"کوئی شخص حرکت کرنے کی کوشش نہ کرے.... ورنہ موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا.... اب جیل کا نیا سپرنٹنڈنٹ میں ہوں"۔ فوجی افسر نے بلند آواز میں کہا۔

"یہ ٹھیک نہیں رہے گا.... ان سب لوگوں کو کوٹھڑیوں میں بند کر دیا جائے"۔ سلیم کاشانی نے کہا۔

"تب پھر۔ تم کیا پسند کرتے ہو ان کے بارے میں"۔ کاشانی مسکرایا۔

"ختم کر دینا بہتر ہو گا.... یعنی نہ رہے گا بانس.... نہ بجے گی بانسری"۔

"تب پھر پہلے پروفیسر سے مشورہ کر لیتے ہیں"۔
یہ کہہ کر کاشانی نے تجربہ گاہ کے نمبر ملائے اور سلسلہ ملنے پر بولا۔
"ہیلو پروفیسر صاحب.... سلیم کاشانی بات کر رہا ہوں"۔
"ہاں کاشانی صاحب.... کیا خبر ہے؟"
"ان سب کو گرفتار کر لیا گیا ہے.... صدر صاحب کو بھی.... ان کے وفادار جیلر کو بھی' اب جیل پر بھی ہمارا قبضہ ہے"۔
"او کے.... یہ میرے لیے اچھی خبر ہے"۔
"لیکن سر.... سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کا کیا کیا جائے"۔
"انھیں کسی ایسی کوٹھڑی میں ڈال دو.... جہاں سے یہ فرار نہ ہو سکیں"۔
"جب کہ ہم چاہتے ہیں.... انھیں ختم کر دیا جائے.... تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری"۔
"نہیں.... اس طرح کیا خاک مزا آئے گا.... میں ان لوگوں کو یک دم نہیں مارنا چاہتا.... سسک سسک کر مریں.... تب مزا آئے گا"۔
"لیکن انھیں زندہ چھوڑنا بھی خطرناک ہے.... کہیں یہ کوئی کام نہ دکھا جائیں"۔
"یہی تو اس بار انھیں بتانا ہے.... کہ یہ کوئی ترکیب نہیں سوچ

سکیں گے.... کوئی وار نہیں کر سکیں گے.... کوئی وار روک نہیں سکیں گے.... گویا خود کو مکمل طور پر بے بس محسوس کریں گے"۔
"گویا آپ انھیں بالکل بے بس دیکھنا چاہتے ہیں"۔
"ہاں.... ان لوگوں کی وجہ سے ہمیں یہ سارا چکر گھما پھرا کر چلانا پڑا.... پھر یہ خیال بھی تھا کہ یہ لوگ ان جراثیموں کا علاج تلاش کر لیں گے.... اور ہمارا چکر فیل ہو جائے گا.... اس لیے پہلے ہم نے وہ طریقہ تلاش کیا کہ جس کے تحت یہ لوگ یہ نہ جان سکیں گے کہ جراثیم انسانی جسم میں داخل کس طرح کیے جاتے ہیں اور جب تک یہ نہیں جان سکیں گے.... اس وقت تک ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے.... ہم تو پوری دنیا میں خوف پھیلا سکتے ہیں.... جس ملک پر چاہیں' اپنا قبضہ جما سکتے ہیں.... اب دیکھ لو.... تمہارے ملک پر کس قدر آسانی سے قبضہ کر لیا.... سلیم کاشانی جیسے لوگوں کو پہلے ہی ہم مسلمان ملکوں میں اپنے ساتھی بنا لیتے ہیں.... اب کہنے کو سلیم کاشانی اس ملک کا وزیر کے وزیر خارجہ تھے.... لیکن دراصل آپ ہمارے اشاروں پر ناچتے تھے.... ہمارے احکامات پر عمل کرتے تھے.... جو پالیسی ہم چاہتے تھے.... وہ صدر کو سمجھاتے تھے.... اور اب.... اب تو صدر سلیم کاشانی آپ ہوں گے.... فوج کا ایک حصہ پہلے ہی آپ کو پسند کرتا ہے.... اس لیے کہ وہ جھوٹ موٹ کے مسلمان ہیں.... اندر سے وہ اور مذہب کے ہیں.... ایسے لوگ ہمارے بہت کام آتے ہیں.... یہ لوگ بس مسلمانوں کی کاٹ

کرتے ہیں۔۔۔ اس طرح ہمیں اور آسانی ہوگی"۔

"لیکن پروفیسر۔۔۔ پوری فوج کو یہ چند فوجی کس طرح مطمئن کریں گے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"اصل حکم کمانڈروں کا چلتا ہے۔۔۔ نیچے والے تو صرف حکم مانتے ہیں۔۔۔ فوج کا ایک اصول یہ ہے کہ سنو اور عمل کرو۔۔۔ یہ نہ سوچو کہ فلاں حکم کیوں دیا گیا ہے۔۔۔ لہٰذا وہ کیوں لگے سوچنے"۔

اور پھر وہ انہیں جیل میں چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔۔۔ صدر صاحب کے منہ پر اب تک ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہوا جمشید۔۔۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے۔۔۔ جراثیموں کی مدد سے ان لوگوں نے ہمارے ملک پر قبضہ کر لیا۔۔۔ کیا یہ بات حیرت کی نہیں"۔

"ہاں! حیرت کی ہے۔۔۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ اس وقت کسی کو بھی خوف میں مبتلا کر سکتے ہیں۔۔۔ اور خوف میں مبتلا شخص کسی کام کے قابل نہیں رہ جاتا۔۔۔ یہ ہم دیکھ ہی چکے ہیں۔۔۔ دیکھ چکے ہیں نا"۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

"ہاں! بالکل دیکھ چکے ہیں"۔

"لہٰذا اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ جراثیم جسم میں کس طرح داخل کیے جاتے ہیں۔۔۔ فرزانہ۔۔۔ فرحت۔۔۔ رفعت۔۔۔ کیا تم اس سوال کا جواب تلاش کر سکتی ہو؟"

"ہم۔۔۔ ابا جان۔۔۔ کوشش ضرور کر سکتی ہیں"۔

"خیر۔۔۔ کرو۔۔۔ کوشش ہی کرو۔۔۔ اور باقی لوگ بھی ضرور غور کریں۔۔۔ ورنہ ہم جیل میں سڑا دیے جائیں گے"۔

"آپ کا مطلب ہے۔۔۔ ہم اس جیل سے نہیں نکل سکیں گے"۔ آصف نے بوکھلا کر کہا۔

"نکلنے کا فائدہ نظر آئے گا تب نکلیں گے۔۔۔ جب تک ہم کچھ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔۔۔ اس وقت تک جیل سے باہر نکل کر کیا کریں گے؟"

"گویا پہلے ہمیں یہ جاننا ہو گا کہ جراثیم جسموں میں داخل کس طرح کیے جاتے ہیں"۔

"ہاں بالکل"۔ وہ بولے۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ تو بھی غور کریں"۔

"لیکن میرا خیال ہے۔۔۔ یہ غور ذرا ڈائیلاگ کے ذریعے ہونا چاہیے"۔ فرزانہ بولی۔

"ڈائیلاگ کے ذریعے غور۔۔۔ کیا مطلب؟" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"میرا مطلب ہے۔۔۔ ہم سب خاموشی سے سوچ میں ڈوب جائیں۔۔۔ یوں مزا نہیں آئے گا۔۔۔ آپس میں بحث شروع کرتے ہیں۔۔۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔۔۔ میک پانڈے کی آمد سے پہلے فاروق نے خوف

محسوس نہیں کیا تھا... ادھر اس نے دستک دی تھی... ادھر فاروق خوف زدہ ہو گیا تھا... بلکہ دروازہ کھلنے سے پہلے ہی یہ اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گیا تھا... گویا اس معاملے میں انسانی ہاتھ سے کوئی کام نہیں لیا جاتا... نہ کھانے پینے کی چیزوں میں کوئی چیز ملائی جاتی ہے... کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں میں کوئی چیز ملانے کے لیے بھی انسانی ہاتھوں کی ضرورت ہے... تو ثابت ہوا کہ یہ جراثیم خوراک کے ذریعے نہیں دیے جاتے"۔

"ابھی تک یہ بات ثابت نہیں ہوئی... صرف یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ اس اجنبی نے یعنی میک نے ہاتھوں کے ذریعے یا خوراک کے ذریعے فاروق کے جسم میں داخل نہیں کیے تھے... ورنہ اس سے پہلے کوئی بات ہمارے سامنے نہیں ہے"۔

"بھئی اس وقت تک تو ہم نے شام کی چائے بھی نہیں پی تھی... سکول سے آنے کے بعد ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا تھا اور کچھ دیر آرام کیا تھا... اجنبی شام کو آیا... معلوم ہوا کہ خوراک کے ذریعے یہ کام نہیں کیا گیا"۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"خیر... ایک منٹ کے لیے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ جراثیم خوراک کے ذریعے جسم میں داخل نہیں کیے جاتے... تو کیا ہوا کے ذریعے داخل کیے جاتے ہیں... اگر ایسا ہے تو پھر صرف فاروق کے جسم میں کیوں... تمہارے جسموں میں کیوں داخل نہیں ہوئے"۔ آصف

نے کہا۔

"ہوا کے ذریعے بھی یہ کام نہیں کیا گیا"۔

"تب پھر کیسے... آخر کیسے؟" فرحت چلائی۔

"سوچو... سوچو"۔ انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

"سوچ رہے ہیں ابا جان... آج ذرا ہم دوسرے طریقے سے سوچ رہے ہیں اور ضرور کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے"۔

"بہت خوب! مجھے امید ہے... ایسا ہو گا... ان شاء اللہ... اور یقین جانو... اگر ہم نے یہ بات جان لی... تو ہم نصف میدان مار لیں گے"۔

"اچھی بات ہے... آپ بتائیں... آپ نے اس دن خوف کب محسوس کیا تھا"۔

"اچھی طرح یاد نہیں"۔ وہ بولے۔

"آپ غور کریں... اس طرح تو کام نہیں چلے گا"۔

"اوہ ہاں... یاد آیا... میں جب گھر میں داخل ہوا... اس وقت میں خوف زدہ نہیں تھا... میں نے میک سے ملاقات کی تھی... اور بس اس کے بعد خوف محسوس کرنا شروع کر دیا تھا"۔

"لیکن کیا آپ نے میک کو ہاتھ لگایا تھا"۔

"ہاں! میں نے اس سے ہاتھ ملایا تھا... تاہم اس وقت تک میں نے کوئی چیز نہیں کھائی تھی"۔

"لیکن فاروق نے تو بیگ سے ہاتھ بھی نہیں ملایا تھا"۔

"اوہو... اوف... وہ مارا"۔

ایسے میں فرزانہ زور سے اچھلی۔

○○

اچھی بات

وہ سب فرزانہ کی طرف مڑے... اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی۔

"جلدی بتاؤ فرزانہ... کیا بات سمجھ میں آئی ہے"۔

"وہ بات میں اس طرح نہیں بتاؤں گی"۔ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"تو پھر کس طرح بتاؤ گی"۔

"پہلے مجھے چند سوالات کرنا ہوں گے"۔

"سوالات... لیکن کس سے؟"

"فاروق سے... انکل خان رحمان سے' آپ سے... صدر انکل سے... میرا خیال ہے... یہاں تو بس چار ہی ایسے افراد ہیں... جنھوں نے خوف محسوس کیا ہے"۔

"ہاں! یہی بات ہے"۔

"بس تو پھر... میں ان چاروں سے سوالات کروں گی"۔

"ضرور کرو... روکا کس نے ہے؟"

"فاروق پہلے تم بتاؤ.... اس روز صبح سے لے کر شام کی چائے سے پہلے تک تم نے کیا کیا چیزیں کھائی تھیں"۔

"لیجئے... یہ سوال پوچھا ہے اس نے"۔ فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"تم جواب دو"۔ فرزانہ نے منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے فاروق تم صرف جواب دو"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"میں نے صبح گھر میں ناشتا کیا تھا... پھر دوپہر کو کھانا کھایا تھا... یعنی درمیان میں کوئی چیز نہیں کھائی تھی"۔

"آپ بتائیں انکل"۔

"کیا میں یہ بتاؤں کہ ناشتے میں کیا کھایا تھا... اور دوپہر کو کیا کھایا تھا؟" خان رحمان بولے۔

"نہیں... گھر کے کھانے کے علاوہ آپ نے کیا کیا کھایا تھا؟"

"میں گھر سے باہر تھا... راستے میں ایک دوست مل گیا... اس کے ساتھ میں نے ایک ریسٹورینٹ میں آئس کریم بھی کھائی تھی"۔

"آصف لکھو... انکل نے آئس کریم کھائی تھی"۔

"یہ لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تم لکھ لو نا... ہاتھ تو نہیں گھس جائیں گے تمہارے"۔

"اچھی بات ہے"۔ آصف نے کہا اور کاغذ قلم نکال کر یہ جملہ لکھ لیا۔

"اس کے بعد آپ نے خوف محسوس کرنے سے پہلے تک کوئی چیز کھائی؟"

"نہیں... بالکل نہیں"۔ وہ بولے۔

"اب اباجان... آپ... لیکن آپ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں... آپ صبح کے ناشتے کے بعد سے لے کر دوپہر کے کھانے تک درمیان میں بالکل کوئی چیز نہیں کھاتے... ہاں پیاس لگنے پر پانی ضرور پیتے ہیں... اب رہ گئے صدر صاحب... کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ نے کوئی چیز تو نہیں کھائی... مطلب یہ کہ اپنے معمول کے علاوہ"۔

"نہیں بالکل نہیں... میری بھی یہ عادت نہیں"۔

"گویا آپ میں سے صرف انکل خان رحمان ایسے ہیں جنھوں نے آئس کریم کھائی تھی"۔

"فرزانہ میرا خیال ہے، تم غلط خطوط پر کام کر رہی ہو... اگر یہ جراثیم جسم میں کوئی خاص چیز کھانے سے داخل ہوتے ہیں... تو تب وہ کوئی ایسی چیز ہو سکتی ہے... جو ان سب نے کھائی ہو... لیکن یہ ممکن نہیں... کیونکہ یہ مسئلہ صرف ان تین چار افراد کا نہیں ہے... بلکہ پورے شہر کے ان گنت لوگوں کا ہے... لہٰذا کسی اور رخ سے غور کرو"۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"اباجان!" فرزانہ چلائی۔

"تک.... کیا ہوا؟" وہ چونکے۔

"محمود کو روک دیں.... بلکہ سب کو روک دیں.... مجھے اپنا کام کرنے دیں.... یا پھر یہ ذمے داری لیں"۔

"ذمے داری.... کس چیز کی"۔ فاروق چونکا۔

"یہ بتانے کی.... کہ جراثیم جسم میں کس طرح داخل کیے جاتے ہیں"۔

"ارے.... تو کیا تم ذمے داری لے چکی ہو"۔ محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! سمجھ لو.... لے چکی ہوں"۔

"او کے.... تم بات جاری رکھو۔۔۔ اب ہم کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔۔۔ ذہن میں آیا تو بھی اس کو دبا دیں گے"۔

"تک.... کس کو دبا دیں گے"۔ پروفیسر داؤد نے بے خیالی کے عالم میں کہا۔

"جی اعتراض کو اور کسے"۔ آصف مسکرایا۔

"بات ادھر ادھر ہو جائے گی"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"او کے۔۔۔ میں کیا کہہ رہی تھی؟"

"اب یہ بھی ہم بتائیں.... کہ تم کیا کہہ رہی تھیں"۔ آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

"خیر.... ان میں سے صرف انکل نے آئس کریم کھائی تھی....

آپ کے دوست جو آپ سے ملے۔۔۔ کیا وہ بھی خوف کا شکار ہو چکے تھے؟"

"یہ بات مجھے معلوم نہیں۔۔۔ کیونکہ ابھی تک دوبارہ کہاں ملنا ہوا ہے"۔

"آپ انہیں فون کریں"۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے فرزانہ کا۔۔۔ اب ہم جیل سے فون نہیں کر سکتے.... بے چارے جیلر تک اب جیل میں ہیں"۔

"یہ تو پہلے ہی جیل میں رہتے تھے۔۔۔ انہیں کیا فرق پڑا"۔ آصف ہنسا۔

"پہلے آزاد رہتے تھے۔۔۔ اب قید میں رہ رہے ہیں"۔

"خیر.... ہم فون نہیں کر سکتے۔۔۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ اللہ مالک ہے"۔ فرزانہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔۔۔ سب اس کی طرف دیکھتے رہے.... آخر شوکی نے تنگ آ کر کہا۔

"اب کیا ہوا۔۔۔ خاموش ہو گئیں"۔

"ارے تو اور کیا کروں۔۔۔ بتا تو دیا"۔ فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"کیا بتا دیا؟" فاروق نے اسے گھورا۔

"جو بتا سکتی تھی"۔ وہ مسکرائی۔

"حد ہو گئی.... آپ نے دیکھا ابا جان.... فرزانہ بھی آج وقت ضائع کرنے پر تل گئی ہے"۔

"دیکھا نہیں۔۔۔ سنا"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہائیں۔۔۔ آپ بھی مسکرا رہے ہیں اور فرزانہ بھی کچھ نہیں کہہ رہی"۔

"ہاں! اس میں فرزانہ کا بھی کیا قصور۔۔۔ بس اس کا خیال غلط نکلا۔۔۔ اس نے سوچا تھا۔۔۔ ان سب نے کوئی مشترکہ چیز کھائی ہو گی۔۔۔ اس کا نام معلوم ہو جائے گا اور ہم جان جائیں گے کہ جراثیم کس طرح جسم میں داخل ہوتے ہیں۔۔۔ لیکن مسئلہ یہ نہیں ہے"۔

"او کے۔۔۔ اب اس کا دوسری طرح جائزہ لیا جائے گا"۔ پروفیسر داؤد کی آواز ابھری۔

"جی کیا مطلب؟"

"بھئی جراثیم جسم میں داخل ہونے کے کئی طریقے ہیں۔۔۔ کھانے کے ذریعے۔۔۔ پینے کے ذریعے۔۔۔ سانس کے ذریعے۔۔۔ جلد پر خراش کے وغیرہ کے ذریعے۔۔۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔۔۔ یہ جراثیم سانس کے ذریعے جسم میں داخل ہوتے ہیں"۔

"جی۔۔۔ کیا فرمایا۔۔۔ سانس کے ذریعے۔۔۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ فرزانہ نے کہا۔

"کیوں۔۔۔ ہو کیوں نہیں سکتا۔۔۔ اور ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا"۔ فاروق نے چونک کر کہا۔

"اگر جراثیم سانس کے ذریعے جسم میں داخل ہوئے ہیں۔۔۔ تو

وہ صرف فاروق کے جسم میں کیوں داخل ہوئے۔۔۔ اس وقت گھر میں ہم بھی تو تھے"۔

"یہی تو میں تم لوگوں کو سمجھانا چاہتا ہوں"۔ پروفیسر مسکرائے۔

"ہم بالکل نہیں سمجھے کہ آپ کیا سمجھانا چاہتے ہیں"۔ شوکی نے بے صبری سے کہا۔

"خیر۔۔۔ میں سمجھائے دیتا ہوں۔۔۔ تم نے معاشرے میں دیکھا ہو گا کہ عام طور پر یہ بات نظر آ جاتی ہے۔۔۔ ایک محفل میں بہت سے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں۔۔۔ ان میں سے کسی کے جسم پر مکھیاں بیٹھی ہوتی ہیں۔۔۔ کسی کے پاس بھی نہیں جاتیں۔۔۔ یا کسی کو مچھر کاٹتے ہیں۔۔۔ کسی کو بالکل نہیں۔۔۔ یا کسی کو بہت کم کاٹتے ہیں۔۔۔ کسی پر مکھیاں اس قدر بھن بھن کرتی ہیں کہ وہ ہٹا ہٹا کر تنگ آ جاتا ہے"۔ یہاں تک کہہ کر پروفیسر داؤد خاموش ہو گئے۔۔۔ اب سب کے چہروں پر حیرت نظر آنے لگی۔۔۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ پروفیسر کیا کہنا چاہتے ہیں۔۔۔ ذرا دیر رک کر پھر کہنے لگے۔

"اب ہوا یہ کہ ہمارے اس بار کے خوفناک، پراسرار اور خطرناک مجرم نے ہمارے شہر کی فضا میں کچھ جراثیم چھوڑ دیے ہیں۔۔۔ اور ان جراثیموں کی ایک خاص عادت ہے۔۔۔ یا خاص پسند ہے۔۔۔ "شاید وہ میٹھی جلد والے۔۔۔ یعنی جن کا پسینہ میٹھا ہوتا ہے۔۔۔ ان کی طرف کھنچتے ہیں۔۔۔ اور سانس کے ذریعے جسم میں داخل ہو جاتے

ہیں... جن کی جلد نمکین یا کڑوی ہے... ان کا رخ نہیں کرتے... وہ
کڑوی جلد کو پسند کرتے ہیں... بہر حال وہ جس قسم کی جلد کو بھی پسند
کرتے ہیں... صرف اس قسم کے انسانوں کی طرف جاتے ہیں... یہی
وجہ ہے کہ کچھ لوگ جراثیموں کا شکار ہوتے ہیں... کچھ نہیں
ہوتے... اس وقت یہاں ہمارے ساتھ کوئی ماہر ڈاکٹر نہیں ہیں... ورنہ
وہ بتا دیتے کہ ہماری جلد کے ذائقے مختلف ہیں"۔

"بالکل یہ بات ہے پروفیسر صاحب... آپ نے بالکل درست
تشریح کی... میں یہاں موجود ہوں"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ ہاں! یہ لو... میں تو بھول ہی گیا کہ میرا دوست جمشید ہومیو
ڈاکٹر بھی ہے"۔ وہ چونکے۔

"لہٰذا آپ کا اندازہ بالکل درست ہے... لیکن"۔ وہ کہتے کہتے
رک گئے۔

"لیکن کہاں سے ٹپک پڑا" فاروق چونکا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اس خیال سے کیا فائدہ اٹھا سکتے
ہیں... اس طرح تو ہم اور بے بس ہو گئے"۔

"ہاں! یہ تو ہے... لیکن جراثیم ضرور، اس طرح، جسموں میں
داخل ہو رہے ہیں"۔

"پھر اب کیا کیا جائے؟"

"بس... اب ہم صبر کریں گے"۔ آفتاب نے کہا۔

"صبر کرنے سے ہم جیل میں ہی سڑتے رہ جائیں گے"۔

"میرا خیال ہے انکل... ہمیں سب سے پہلے جیل سے نکلنا ہو
گا"

"یہ کوئی مشکل نہیں"۔ وہ بولے۔

"تب پھر چلیے"۔ آصف نے فوراً کہا۔

"ابھی اتنی بھی کیا جلدی ہے... رات تک تو انتظار کر لو"۔
آفتاب نے منہ بنایا۔

"بالکل ٹھیک... ہم رات کو جیل سے نکل جائیں گے"۔

عین اس وقت قدموں کی آواز سنائی دی... انہوں نے سر
اٹھائے... دیکھا تو نئے جیلر صاحب چلے آ رہے ہیں"۔ ان کے چہرے
پر شدید نفرت کے آثار تھے۔

"میں تم لوگوں کو خبردار کرنے آیا ہوں"۔ وہ آتے ہی غرایا۔

"بہت بہت شکریہ آپ کا"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"شکریہ کس بات کا؟"

"اس بات کا کہ آپ ہمیں خبردار کرنے آئے ہیں"۔

"حد ہو گئی یعنی کہ"۔

"ہاں! بالکل ہو گئی ہو گی حد... خیر کوئی بات نہیں... آپ کس
بات سے خبردار کرنے آئے ہیں؟"

"اگر تم لوگوں نے جیل سے فرار ہونے کی کوشش کی تو مجھ سے

برا کوئی نہیں ہو گا.... کیا سمجھے"۔
"یہ کہ اگر ہم نے جیل سے نکلنے کی کوشش کی تو آپ سے برا
کوئی نہیں ہو گا"۔ فاروق نے فوراً کہا۔
"تم چپ نہیں رہو گے"۔ وہ بھنا اٹھا۔
"آپ نے ہی تو پوچھا تھا.... کیا سمجھے"۔ فاروق نے منہ بنایا۔
"میں نے غلط پوچھا تھا.... سمجھے تم"۔ اس نے چلا کر کہا۔
"جی ہاں! بالکل سمجھ گئے.... اور بھی آپ جو سمجھانا چاہتے
ہیں.... سمجھا دیں"۔
"بس اتنا ہی کافی ہے.... رات کو تمہاری کوٹھڑی کے گرد سخت
پہرہ ہو گا.... فرار ہونے کی کوشش کرنے والوں کو فوری طور پر گولی
مارنے کا حکم دے دیا گیا ہے.... مجھے تم سے اور تمہاری زندگیوں سے
کوئی دلچسپی نہیں.... میں تو تم لوگوں کو جیل کے دروازے پر ہی موت
کے گھاٹ اتار دوں"۔ وہ کہتا چلا گیا۔
"پھر.... ایسا کیوں نہیں کیا؟"
"باس کا حکم.... اس کے بعض حکم ہماری سمجھ میں نہیں
آتے"۔
"چلیں شکر کریں.... کچھ تو سمجھ میں آتے ہیں"۔ آفتاب نے
خوش ہو کر کہا۔
"تم سے زیادہ فضول لوگ میں نے آج تک نہیں دیکھے"۔ اس

نے کہا۔
"صرف ہمیں کہہ رہے ہیں.... یا ہمارے ساتھ موجود سب لوگوں
کو؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔
"صرف تم تینوں پارٹیوں کو.... صدر صاحب بے چارے کا تو
کوئی قصور نہیں"۔
"کیا مطلب.... اگر صدر صاحب کا کوئی قصور نہیں تو پھر یہ جیل
میں کیوں نظر آ رہے ہیں؟"
"جیل میں تم لوگوں کی وجہ سے نظر آ رہے ہیں"۔ وہ مسکرایا۔
"خدا کا شکر ہے.... آپ مسکرائے تو.... ورنہ ہم سمجھ بیٹھے
تھے.... آپ کو مسکرانا بالکل نہیں آتا"۔ فرزانہ بولی۔
"ادھر ادھر کی مت ہانکو.... اور صرف یہ بات ذہن میں رکھو کہ
تم فرار ہونے کی کوشش نہیں کرو گے ورنہ...."
"ہم جانتے ہیں.... ورنہ کے بعد آپ کیا کہنا چاہتے ہیں.... لہٰذا
آپ اپنے اس جملے کو نہ دہرائیں.... وقت ضائع ہو گا.... اور یہ تو آپ
جانتے ہیں کہ وقت کس قدر قیمتی ہے.... ہے نا"۔ آفتاب نے شوخ
آواز میں کہا۔
"حد ہو گئی.... اور یہ اتنا لمبا چوڑا جملہ کہنے میں وقت نہیں ضائع
ہوا"۔
"اوہ.... یہ بات ذہن سے نکل گئی"۔

"اچھا ٹھیک ہے.... آپ تشریف لے جائیں.... ہم اس بات کا خیال رکھیں گے کہ.... ہائیں.... ہم کس بات کا خیال رکھیں گے محمود"۔ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"اس بات کا کہ ہمیں فرار ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے"۔

"بالکل ٹھیک"۔

یہ کہہ کر وہ لگا مڑنے.... اس وقت انسپکٹر جمشید کا ہاتھ حرکت میں آیا اور اس کی گردن ان کے ہاتھ میں آ گئی۔

"یہ.... یہ.... یہ کیا؟" اس نے چلا کر کہا۔

"اسے ہم ترکیب نمبر ۳ کہتے ہیں"۔ فاروق ہنسا۔

"لیکن تم اس حرکت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکو گے.... میں جانتا ہوں.... تم مجھے جان سے نہیں مارو گے.... تم بلاوجہ خون نہیں بہاتے"۔

"لیکن تم جیسے غداروں کا خون بہا کر مجھے خوشی ہوتی ہے.... تم ملک اور قوم سے غداری کر رہے ہو.... ہم ان لوگوں کا خون نہیں بہانا پسند کرتے.... جو تم جیسوں کا حکم ماننے پر مجبور ہوتے ہیں"۔

"اچھی بات ہے.... پھر کیا پروگرام ہے؟" اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"ایک جھٹکا دے دیا تو تمہاری گردن کی ہڈی ٹوٹ جائے گی....

اور پھر تم اپنے سر کو اوپر نہیں اٹھا سکو گے.... دروازہ کھلواؤ.... بلاؤ محافظ کو.... جس کے پاس چابیاں ہیں"۔

"کیا تم اس طرح جیل سے نکل سکو گے.... نہیں نکل سکو گے.... یہ بے وقوفی نہ کرو"۔

"تم اپنی زندگی کی خیر مناؤ.... ہماری پروا نہ کرو"۔

"اچھی بات ہے.... اب تم جانو.... تمہارا کا"۔

"ضرور.... ہم اور اپنا کام نہیں جانیں گے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اور پھر دروازہ کھول دیا گیا.... اب پہلے انسپکٹر کامران مرزا باہر نکلے.... انہوں نے آن واحد میں جیلر کو بالکل انسپکٹر جمشید کے انداز میں گردن سے پکڑ لیا اور پھر وہ سب باہر نکل آئے۔

"ہم اسے اسی طرح دروازے کی طرف لے جائیں گے.... اگر کسی نے ذرا بھی حرکت کرنے کی کوشش کی تو اس کی گردن ٹوٹ جائے گی.... کیوں نئے جیلر صاحب.... یہی بات ہے نا"۔

"ہاں بالکل یہی بات ہے"۔

"ہم آپ کی ہدایات پر عمل کریں گے.... ملک کے غداروں سے ہمیں کوئی ہمدردی نہیں ہے.... ہمیں تو اپنے پرانے جیلر ہی پسند ہیں"۔

"بالکل ٹھیک.... یہ کی ہے بات آپ نے"۔

کسی نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی.... ان لوگوں

سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ جیل میں نئے جیلر کے ساتھ کوئی فوجی نہیں
چھوڑے تھے.... انہوں نے خیال کیا تھا کہ بس اکیلا جیلر کافی ہے....
آزاد حالت میں وہ اس کے احکامات ضرور مانتے رہے.... لیکن جونہی وہ
قابو میں آیا.... سب اس کے خلاف ہو گئے۔

"لیکن میں آپ سب لوگوں سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ
لوگ جیل کا انتظام اسی طرح سنبھالے رہیں گے"۔

"آپ فکر نہ کریں"۔ ایک ملازم نے کہا۔

"تو ہم پرانے جیلر کو یہاں کیوں نہ چھوڑ جائیں"۔ خان رحمان
بولے۔

"اس میں خطرہ ہے.... نہ جانے حالات کیا ہو جائیں.... شہر میں
حالات کیا رخ اختیار کریں.... اس طرح ان کی زندگی خطرے میں آ سکتی
ہے"۔

"او کے.... یہاں میرے ماتحت سنبھال لیں گے.... آپ چلیے"۔

جیل کی ایک بڑی گاڑی میں بیٹھ کر وہ ایک خفیہ ٹھکانے پر آ گئے
اور گاڑی کو چھپا دیا گیا.... اب انسپکٹر جمشید فون سنبھال کر بیٹھ گئے۔

"پہلے ذرا شہر کی خبریں لے لیں"۔

یہ کہ کر انہوں نے فون پر نمبر ڈائل کیے.... دوسری طرف سے
خفیہ فورس کے ایک کارکن کی آواز سنائی دی۔

"ہاں! شہر کی کیا خبریں ہیں؟"

"بہت خوف ناک"۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

"کیا مطلب.... بہت خوفناک؟" وہ چونکے۔

"ہاں.... سلیم کاشانی نے جراثیم کا شکار ہونے والوں کا علاج
اب دس ہزار روپے میں شروع کر دیا ہے.... ہر آدمی دس ہزار والے
انجکشن لگوا رہا ہے.... جن کے پاس دس ہزار نہیں ہیں.... وہ بے
چارے خوف سے سہم رہے ہیں"۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

"ایک منٹ جمشید.... مجھے بات کرنے دو"۔ یہ کہ کر پروفیسر فون
کے نزدیک آ گئے اور بولے۔

"کیا ایسے کچھ لوگ آپ یہاں پہنچا سکتے ہیں"۔

"جی.... کیسے؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"جو اپنا علاج رقم نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کرا سکتے"۔

"ضرور لا سکتے ہیں.... لیکن انہیں کیا کہ کر لائیں؟"

"یہ کہ ہم ان کا مفت علاج کریں گے"۔

"بہت بہتر.... بتائیے.... کتنے لوگ لائیں"۔

"ایسے کم از کم دس آدمی لے آئیں"۔

"اچھی بات ہے پروفیسر صاحب"۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

اور انہوں نے کئی فون ادھر ادھر کیے.... انسپکٹر جمشید نے بہت
سی ہدایات جاری کیں۔

"آپ ان کا علاج کیسے کریں گے.... پروفیسر صاحب جب کہ

"آپ کے پاس تو یہاں آلات بھی نہیں ہیں"۔

"میں آلات بھی یہیں منگوا رہا ہوں.... فی الحال یہاں ایک منی سی تجربہ گاہ قائم ہو جائے گی"۔

"اوہ اچھا"۔ وہ چونک اٹھے۔

پھر انھوں نے سامان لکھ کر دیا.... انسپکٹر جمشید نے ایک ماتحت کے ذریعے وہ سامان بھی وہاں منگوا لیا.... جلد ہی دس آدمی بھی وہاں پہنچ گئے.... ان میں سے کئی ایک تو انھیں پہچانتے تھے.... لہٰذا بول اٹھے۔

"اوہ! یہ آپ لوگ ہیں"۔

"ہاں! اگر آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں تو ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں"۔ پروفیسر داؤد بولے۔

"ہمیں کیا کرنا ہو گا؟"

"بس ہم آپ لوگوں کا علاج کرنا چاہتے ہیں"۔

"اس سے اچھی بھلا کیا بات ہو گی"۔

عین اس لمحے فون کی گھنٹی بجی۔

○○

دوسرا سوال

انسپکٹر جمشید نے فون کا ریسیور اٹھا لیا.... دوسری طرف ان کا ایک ماتحت بات کر رہا تھا۔

"سر.... فوج کا ایک دستہ جیل پہنچ گیا ہے.... انھیں معلوم ہو گیا ہے کہ آپ لوگ فرار ہو گئے ہیں.... دوسری بات آپ لوگوں کی تلاش میں فوج کے کئی دستے شہر میں گشت کر رہے ہیں"۔

"انھیں ہمارے کسی خفیہ ٹھکانے کا تو پتا نہیں؟"

"فی الحال اس کا اندازہ نہیں ہو سکا"۔

"خیر.... اگر کسی دستے کا رخ ہمارے کسی خفیہ ٹھکانے کی طرف ہو جائے تو فوراً اطلاع دینا"۔

"جی بہتر"۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

"اور جیل کی بھی خبر لیتے رہنا.... کہیں یہ لوگ جیل کے ملازمین پر ظلم نہ کریں"۔

"او کے سر"۔

فون بند کر کے وہ ان کی طرف مڑے۔

"پروفیسر صاحب۔۔۔ حالات خراب ہوتے جا رہے ہیں۔۔۔ آپ جس قدر جلد ہو سکے۔۔۔ اپنا کام کر گزریں"۔

"لیکن جمشید۔۔۔ یہ کام اس قدر آسان نہیں ہے۔۔۔ وقت لگ سکتا ہے۔۔۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ کہ فوراً کام ہو جائے"۔

"اچھا خیر۔۔۔ آپ کوشش تو کریں"۔

"ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ کوشش تو میں اپنی سی کروں گا"۔

پھر ایک کمرے میں انہوں نے پہلے اپنی عارضی تجربہ گاہ بنائی۔۔۔ اور ان دس آدمیوں کو اندر بلایا۔

"انکل۔۔۔ کیا ہم بھی ان کے ساتھ اندر آ سکتے ہیں۔۔۔ دیکھیں تو سہی۔۔۔ آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟ فاروق نے کہا۔

"ضرور آ جاؤ"۔ وہ مسکرا دیے۔

انہوں نے دس کے دس آدمیوں کا خون الگ الگ ٹیوبوں میں محفوظ کیا۔۔۔ پھر خون سے جراثیم الگ کیے۔۔۔ اب انہوں نے ان جراثیموں پر تجربات شروع کیے۔۔۔ جلد ہی وہ بوریت محسوس کرنے لگے۔۔۔ کیونکہ اس کام میں ان کے لیے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"انکل ہم بور ہو رہے ہیں"۔

"تو باہر جا کر گھومو۔۔۔ پھرو۔۔۔ گپیں ہانکو"۔

"آپ کا شکریہ۔۔۔ اتنا اچھا مشورہ دیا"۔

وہ باہر آ گئے۔۔۔ باہر بڑے بھی بور ہو رہے تھے۔۔۔ کرنے کا کوئی

کام جو نہیں تھا۔۔۔ انہیں دیکھ کر وہ مسکرانے لگے۔

"یوں کام نہیں چلے گا انکل"۔ آصف نے گویا اعلان کیا۔

"تب پھر کیسے کام چلے گا۔۔۔ تم بتا دو۔۔۔ ہم اسی طرح چلا لیں گے"۔

"آپ ہمیں شہر جانے کی اجازت دیں۔۔۔ ہم کچھ نہ کچھ کر کے دکھائیں گے"۔

"ہم ڈرتے ہیں۔۔۔ کہیں تم ان کے قابو میں نہ آ جاؤ۔۔۔ اس صورت میں ہمیں تمہاری پریشانی الگ ہو گی اور شہر کو بلکہ پورے ملک کو اس مصیبت سے نکالنے کی پریشانی الگ ہو گی"۔

"لیکن اس طرح بھی تو کام نہیں چل رہا۔۔۔ پروفیسر صاحب اپنے تجربات سے نہ جانے کب فارغ ہوں گے۔۔۔ اور نہ جانے وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں یا ناکام۔۔۔ لہٰذا کیوں نہ ہم کوئی کام کر دکھائیں"۔

"کیا خیال ہے۔۔۔ انہیں اجازت دی جائے"۔

"نہیں۔۔۔ یہ ہماری الجھنوں میں اضافہ کریں گے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"ہم وعدہ کرتے ہیں۔۔۔ آپ کی پریشانیوں اور الجھنوں میں قطعاً کوئی اضافہ نہیں کریں گے"۔

"یہ بات تمہارے اختیار میں کب ہو گی؟" خان رحمان مسکرائے۔

"اوہ ہاں... واقعی... یہ بھی ہے... تب پھر آپ اللہ پر بھروسہ کر کے اجازت دے دیں"۔

"لیکن تم جاؤ گے کہاں"۔

"تجربہ گاہ"۔

"پاگل ہوئے ہو... وہاں جاتے ہی تم پکڑے جاؤ گے"۔ انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"آپ بھول رہے ہیں... ہم خفیہ راستے سے جائیں گے"۔

"کیا... اوہ... ہم واقعی اس راستے کو بھولے ہوئے تھے"۔

"تب تو ہم بھی چلتے ہیں"۔

"کیا مطلب... کیا پروفیسر صاحب کو یہاں تنہا چھوڑ جائیں... نہیں... یہ نہیں ہو سکتا"۔

"آپ لوگ یہیں ٹھہریں... صرف ہمیں جانے دیں... خفیہ راستے کے ذریعے ہم ضرور نقلی پروفیسر تک پہنچ جائیں گے"۔

"اچھی بات ہے... اب تمہیں اجازت دینا ہی ہو گی"۔

جلد ہی وہ رخصت ہونے کے لیے تیار ہو چکے تھے... ایسے میں وہ پروفیسر کے کمرے میں داخل ہوئے۔

"انکل ہم جا رہے ہیں"۔

"ارے... لیکن کہاں؟"

انہوں نے تفصیل سنا دی۔

"اس میں شک نہیں کہ ترکیب زوردار ہے... ضرور جاؤ"۔ وہ خوش ہو گئے۔

"آپ کہاں تک پہنچے"۔

"جراثیموں پر مختلف تجربات کر رہا ہوں"۔

"انکل! اگر اجازت ہو... تو ایک بات کہوں... اس لیے کہ وہ خیال مجھے بار بار آ رہا ہے... لیکن ہر بار میں نے اس خیال کو احمقانہ قرار دیا... اور آپ کو نہیں بتایا... اب مجبور ہو گیا ہوں بتانے پر"۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"ارے تو بتاؤ نا بھئی"۔ وہ بولے۔

"اس روز فاروق نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے"۔

"اچھا تو پھر؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے... یعنی اس روز گھر میں اور کسی نے سفید کپڑے نہیں پہن رکھے تھے... البتہ ابا جان ضرور دفتر میں سفید کپڑوں میں گئے تھے"۔

"اوہ... ایک منٹ"۔ یہ کہہ کر پروفیسر دوڑ کر باہر نکل آئے۔

"خان رحمان... جس وقت تم پر خوف کا حملہ ہوا... تم نے کون سے رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے"۔

"سس... سفید"۔ وہ ہکلائے۔

"ارے باپ رے... جمشید کے کپڑے بھی اس روز سفید

تھے"۔

"جی نہیں"۔ وہ ایک ساتھ چلائے۔

"ایک منٹ... صدر صاحب... آپ بتائیں"۔

"میں... میں تو ہمیشہ سفید لباس پہنتا ہوں"۔

"کیا نہیں"۔ وہ بری طرح اچھلے۔

اب سب کی آنکھیں مارے حیرت کے باہر کو ابل آئی تھیں۔

"یہ... جمشید یہ مسئلہ تو حل ہو گیا"۔

"لیکن ابھی مزید تصدیق کریں... یہ جو دس آدمی یہاں آئے ہیں... ان سے بھی پوچھ لیں"۔

"اوہ ہاں"۔ وہ فوراً ان کے کمرے میں گئے... فی الحال انہیں آرام کی ہدایت کی گئی تھی۔

"کیوں بھئی... جب آپ لوگوں پر خوف کا حملہ ہوا... آپ لوگوں نے کس کس رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے... ہر آدمی اپنا رنگ بتائے"۔ انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"میں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے"۔ ایک نے کہا۔

"اور میں نے بھی"۔

پھر تو وہ دس کے دس پکار اٹھے کہ انہوں نے سفید لباس ہی پہن رکھے تھے... ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں... بیٹھے بٹھائے اچانک یہ بات ثابت ہو گئی تھی... ایسے میں پروفیسر بولے۔

"پہلے میں اس کا عملی تجربہ کر لوں"۔

"جی... عملی تجربے... کیا مطلب؟"

"اب وہ جراثیم میرے پاس ہیں... بس دیکھتے جاؤ... میں خوردبین کے ذریعے انہیں دیکھ سکتا ہوں"۔

یہ کہہ کر وہ کمرے میں گئے... انہوں نے چہرے پر ماسک پہن لیا... اب سانس کے ذریعے جراثیم ان کے جسم میں نہیں جا سکتے تھے... باقی لوگوں کو انہوں نے باہر نکال دیا۔

اب انہوں نے کمرے میں مختلف رنگوں کے کپڑے رکھ دیئے... پھر جراثیموں کو کھول دیا... خوردبین میں انہوں نے دیکھا... جراثیم سیدھے سفید لباس کی طرف گئے... اور اس سے چمٹ کر رہ گئے... انہوں نے اب ایک دوسرا تجربہ کیا... کمرے میں پھر مختلف رنگوں کے لباس رکھے... سفید لباس بالکل الگ رکھا... اور پنکھے کے ذریعے ہوا کا رخ باقی رنگوں کی طرف کر دیا... تاکہ ہوا کے زور سے جراثیم مختلف رنگوں کی طرف جائیں... اس کے بعد انہوں نے دوسرا جار کھول دیا... جراثیم نکل کر ہوا کے زور سے دوسرے رنگوں کی طرف گئے... لیکن... وہ ان کپڑوں سے بالکل نہ چمٹے... اور چکر کاٹ کر فوراً سفید لباس کی طرف آ گئے۔

"اف مالک... یہ بات سو فیصد ثابت ہو گئی"۔ وہ بڑبڑائے۔

پھر انہوں نے باقی لوگوں کو بلند آواز میں ہدایت دی۔

"سفید لباس میں کوئی نہ رہے۔۔۔ فوراً لباس تبدیل کر لیں"۔

"اس وقت اتفاق سے کوئی سفید لباس میں نہیں ہے"۔

"اوہ۔۔۔ اچھا"۔ یہ کہ کر وہ باہر نکل آئے۔۔۔ ان کے چہرے پر جوش دیکھ کر وہ سمجھ گئے۔

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ یہ جراثیم صرف سفید لباس والوں پر حملہ آور ہوتے ہیں"۔

"ہاں۔۔۔ یہ صرف سفید رنگ سے چمٹتے ہیں۔۔۔ اور شاید جلد کے راستے جسم میں داخل ہوتے ہیں"۔

"تب تو ہم شہر کو ان سے بچا سکتے ہیں"۔

"بالکل۔۔۔ لیکن ہمیں اعلان کون کرنے دے گا۔۔۔ شہر میں تو اس وقت سلیم کاشانی کا قبضہ ہے"۔

"اب ہمیں میدان عمل میں نکلنا ہو گا جمشید۔۔۔ آؤ میرے ساتھ"۔ صدر نے پرجوش انداز میں کہا۔

"جی۔۔۔ کیا فرمایا۔۔۔ آؤ میرے ساتھ، لیکن پہلے اپنا پروگرام تو بتا دیں"۔

"بہت بہتر"۔ وہ مسکرائے اور پھر اپنا پروگرام بتا دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک خفیہ راستے سے ایوان صدر میں داخل ہو رہے تھے، اس راستے کے بارے میں صدر اور ایک دو دوسرے لوگوں کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں تھا۔۔۔ ایوان صدر کے اندر جا بجا

محافظ موجود تھے۔۔۔ لیکن یہ سب محافظ صدر سے دل و جان سے محبت کرتے تھے۔۔۔ اس لیے ان سب کو ہٹا دیا گیا تھا۔۔۔ سلیم کاشانی نے فوری طور پر اپنی مرضی کے آدمی رکھ لیے تھے۔۔۔ اور وہ بھلا کیوں ان کا لحاظ کرتے۔۔۔ لیکن ایسے لوگوں کا انتظام پروفیسر داؤد پہلے ہی کر کے نکلے تھے۔۔۔ ان کے ہاتھ میں شعاعی پستول تھا۔۔۔ جس جس کے جسم کو شعاع چھو گئی۔۔۔ ڈھیر ہوتا چلا گیا۔۔۔ ان لوگوں کو ڈھیر کرنے میں انھیں کوئی افسوس بھی نہیں ہوا تھا۔۔۔ اس لیے کہ یہ لوگ ملک اور قوم کے غدار تھے۔

اسی طرح وہ اچانک سلیم کاشانی کے سامنے پہنچے تو وہ بھونچکا رہ گیا۔

"تت۔۔۔ تت۔۔۔ تم۔۔۔ آپ۔۔۔ اور یہاں۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیسے؟"

"یہ بالکل اسی طرح۔۔۔ جس طرح تم نے اچانک جیل کے دروازے پر غدار فوج کے ذریعے میرا تختہ الٹ دیا تھا"۔ صدر مسکرائے۔

"لیکن میرے محافظوں نے آپ کو اندر کس طرح آنے دیا"۔

"یہ ان محافظوں سے پوچھنا۔۔۔ لیکن۔۔۔ اس دنیا میں نہیں۔۔۔ دوسری دنیا میں"۔ صدر بولے۔

"کیا مطلب۔۔۔ دوسری دنیا میں؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں! ہم نے ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔۔۔ اور

اب صرف تم بچے ہو... اب میں تمہیں دوسری دنیا میں بھیج دیتا ہوں... تاکہ تم وہاں جا کر ان سے پوچھ سکو کہ انہوں نے تمہیں روکا کیوں نہیں تھا"۔ یہ کہہ کر پروفیسر داؤد نے پستول اس کی طرف تان دیا۔

"نن نہیں"۔ وہ لرز گیا۔

"کیا خیال ہے جمشید... اسے زندہ رکھنے کی ضرورت تو نہیں"۔

"جی نہیں... سانپ کا سر کچل دینا ہی عقل مندی ہے... لیکن اس سے پہلے اس سے یہ ضرور معلوم کریں گے کہ اس ساری سازش کی پشت پر کون ہے... اور تجربہ گاہ میں اس وقت جو شخص پروفیسر داؤد کے روپ میں موجود ہے... وہ کون ہے"۔

"تم سب لوگ احمق ہو... پورا شہر اس وقت پروفیسر کی مٹھی میں ہے... تم مجھے مار کر بھی کچھ نہیں کر سکو گے"۔

"آخر کیسے؟"

"جراثیم کی طاقت"۔ اس نے کہا۔

"اب ان شاء اللہ ہم جراثیم کا وار نہیں چلنے دیں گے"۔

"نہیں چلنے دیں گے... لیکن کیسے؟"

"اصلی پروفیسر نے نقلی پروفیسر کا توڑ معلوم کر لیا ہے... ہم جان گئے ہیں کہ جراثیم کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں... ہم اب جراثیموں کا راستا روکنے کے قابل ہو گئے ہیں"۔

"تت... کیا... نہیں"۔ اس کے لہجے میں خوف ہی خوف تھا۔

"اگر یقین نہیں ہے تو یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ کیسے؟"

"میں ان جراثیموں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا... اس بارے میں تو پروفیسر کو ہی معلوم ہے"۔

"اس کا نام کیا ہے؟"

"میں نہیں جانتا... مجھے تو بس انچارج سے ہدایات ملی تھیں کہ اس اس طرح ملک میں شورش پیدا کی جائے گی... اور میں ان کا ساتھ دوں گا... لہٰذا بدلے میں مجھے ملک کا صدر بنا دیا جائے گا... چنانچہ میں نے یہ سودا منظور کر لیا"۔

"لیکن اب تم دوسرا سودا منظور کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

"جج... دوسرا سودا"۔

"ہاں!" یہ کہہ کر پروفیسر مسکرائے اور انہوں نے ٹریگر دبا دیا۔

سلیم کاشانی کٹے ہوئے درخت کی طرح گرا... عین اس وقت کمرے میں رکھے ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔

○○

غور کی دعوت

"انہوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا... پھر انسپکٹر جمشید سیٹ کی طرف بڑھے۔

"اس میں خطرہ ہے جمشید... وہ لوگ ہوشیار ہو جائیں گے"۔

"میں ایک محافظ کی آواز میں بات کر لوں گا... کہ دوں گا... سلیم کاشانی موجود نہیں ہیں"۔ انہوں نے کہا۔

"آپ جھوٹ بولیں گے"۔ فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جھوٹ کیوں بھئی... لیکن کاشانی واقعی یہاں موجود نہیں ہے... وہ جا چکا ہے... اوپر دوسری دنیا میں"۔

"لیکن اس کا جسم ابھی تک یہاں موجود ہے"۔

"بھئی انسان نام ہے... روح اور جسم کے مجموعے کا... صرف جسم کو انسان نہیں کہا جا سکتا... صرف روح کو انسان نہیں کہا جا سکتا... تم فکر نہ کرو"۔ یہ کہ وہ آگے بڑھے... اور سیٹ آن کر دیا۔

"یس سر"۔ وہ کھردری آواز میں بولے۔

"سلیم کاشانی کہاں ہے؟" دوسری طرف سے نقلی پروفیسر کی آواز

سنائی دیے۔

"جی' وہ اس وقت موجود نہیں ہیں"۔

"گئے کہاں ہیں؟"

"ایسی جگہ... جس کے بارے میں میں آپ کو بتا نہیں سکتا"۔ وہ بولے۔

"اوہ سمجھا... وہ باتھ روم میں ہیں... خیر جونہی وہ آئیں... انہیں کہنا... مجھ سے بات کر لیں' پروفیسر بات کر رہا ہوں"۔

"او کے سر"۔

آواز بند ہو گئی... انہوں نے سیٹ بند کر دیا۔

"صدر صاحب... آپ یہاں فوراً اپنے وفادار محافظ بلا لیں... ٹی وی' ریڈیو' اور اخبارات کے نمائندوں کو ہدایات جاری کر دیں... وہ فوراً یہ اعلان نشر کرنا شروع کر دیں... کہ سفید لباس ہرگز ہرگز استعمال نہ کیا جائے... جب تک کہ دوبارہ اعلان نہ کیا جائے"۔

"اچھی بات ہے"۔

"لیکن یہ اعلان ہمارے تجربہ گاہ میں پہنچنے کے بعد شروع ہونے چاہئیں اور ہم وہاں بیس منٹ سے پہلے نہیں پہنچ سکیں گے"۔

"او کے"۔ وہ مسکرائے۔

"اب وہ ایوان صدر سے نکل آئے... نکلنے کے لیے بھی انہوں نے خفیہ راستا اختیار کیا تھا... کیونکہ ابھی بہت احتیاط کی ضرورت

تھی.... تجربہ گاہ میں بھی وہ عام راستے سے نہیں جا سکتے تھے.... انہیں دیکھ لیا جاتا.... بلکہ روک لیا جاتا لہٰذا اندر جانے کے لیے بھی انہوں نے خفیہ راستا اختیار کیا.... جلد ہی وہ تجربہ گاہ میں تھے.... یہاں بھی تمام محافظ تبدیل کیے جا چکے تھے.... عملہ بھی نیا تھا.... بہرحال ان کے شعاعی پستول نے ان کا راستا صاف کر دیا اور وہ سیدھے تجربہ گاہ کے اصلی کمرے میں جا پہنچے۔

اندر نقلی پروفیسر ٹرانسمیٹر پر بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا.... وہ کہہ رہا تھا۔

"یہ کیا.... آخر مسٹر سلیم کاشانی اب تک غسل خانے سے نکلے کیوں نہیں"۔

دوسری طرف سے شاید صدر صاحب آواز بدل کر بولنے کی کوشش کر رہے تھے.... انہوں نے سنا.... وہ کہہ رہے تھے۔

"اس میں.... میں کیا کر سکتا ہوں جناب"۔

"اچھا تم دروازے پر دستک دے کر کہو.... پروفیسر ان سے بات کرنا چاہتے ہیں"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"جی بہتر"۔ دوسری طرف سے صدر صاحب بولے۔

اور وہ مسکرا دیے.... جونہی پروفیسر نے سیٹ بند کیا اور مڑا.... بری طرح اچھلا۔

"یہ.... یہ.... یہ کیا؟"

"یہ.... یہ.... یہ ہم ہیں"۔ فاروق بولا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے.... تم لوگ تو جیل میں تھے.... اور جیل میں اب پہلے والا جیلر نہیں ہے"۔

"جی ہاں! یہ بات تو خیر ٹھیک ہے"۔ وہ فوراً بولے۔

"تب پھر تم کیسے نکل آئے"۔

"حیرت ہے.... آپ جیل کی بات پوچھ رہے ہیں.... اور یہ نہیں پوچھ رہے کہ ہم تجربہ گاہ میں کس طرح داخل ہو گئے"۔

"اوہ ہاں.... تو بتاؤ"۔

"بس کیا کریں گے پوچھ کر.... آپ پہلے صدر صاحب سے بات کر لیں.... اگر وہ غسل خانے سے نکل آئے ہوں"۔

"کک.... کیا مطلب؟" وہ بری طرح اچھلا۔

"آپ اچھلتے بہت ہیں"۔

"میں ابھی تم لوگوں کو جراثیم کی موت مارتا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ ایک طرف بڑھا.... پھر چونک کر ان کی طرف مڑا۔

"ارے.... یہ کیا؟" اس کے انداز میں بلا کی حیرت تھی۔

"کیوں.... کیا ہوا؟"

"کک.... کچھ نہیں"۔

"تو پھر.... چھوڑیں نا ہم پر جراثیم"۔

"نن نہیں.... ایسا کرنے کی ضرورت نہیں"۔

"ضرورت نہیں... یا ایسا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں"۔

"کیا مطلب؟"

"آپ شاید... یہ دیکھ کر گھبرا گئے ہیں کہ ہم میں سے کسی کے جسم پر سفید لباس تو ہے ہی نہیں... جراثیم بے چارے بھلا ہمارا کیا بگاڑ لیں گے"۔

"نن نہیں... نہیں"۔ اس کے لہجے میں بے پناہ خوف اُمڈ آیا۔

"کیوں... ہو گئی سٹی گم"۔

اچانک اس نے ایک چھلانگ لگائی اور دیوار میں لگے چند بٹنوں تک پہنچ گیا... اس سے پہلے کہ وہ اسے روک سکتے... اس نے نیلے رنگ کے بٹن پر انگلی رکھ دی اور پھر انگلی نہ ہٹائی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں... کسے بلا رہے ہیں... تجربہ گاہ میں اب کوئی محافظ زندہ نہیں ہے"۔

"میں اپنے ساتھی کو بلا رہا ہوں"۔ اس نے مسکرا کر کہا... اب وہ اپنے خوف اور حیرت پر قابو پا چکا تھا... اور ہر طرح پرسکون نظر آ رہا تھا... یہ دیکھ کر ان کی پیشانیوں پر بل پڑ گئے۔

"محمود... تم صدر صاحب کو فون کرو... وہ یہاں اپنی خاص فورس بھیج دیں... اس شخص کا ارادہ نیک نہیں لگتا"۔

"ہاہاہا"۔ اس نے قہقہہ لگایا۔

محمود فون کرنے لگا... اس نے محمود کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ

دیکھا... ایسے میں ٹی وی پر اعلان ہونے لگا۔

"عوام اور خواص کو اطلاع دی جاتی ہے... جراثیموں سے بچنے کے لیے سفید لباس ہرگز نہ پہنیں... اس طرح آپ جراثیموں سے بالکل محفوظ ہو جائیں گے... دوسری سفید رنگ کی چیز بھی استعمال نہ کریں... جراثیم صرف سفید رنگ پر آتے ہیں"۔

یہ اعلان سن کر پروفیسر کی آنکھوں میں حیرت اور بڑھ گئی... ادھر اعلان بار بار ہو رہا تھا۔

"مسٹر پروفیسر... یہ سب کیا تھا... جلدی سے وضاحت کریں... ابھی ہمیں آپ کو آپ کے ساتھی کے پیچھے سفر پر روانہ کرنا ہے"۔

"کون سے ساتھی کی بات کر رہے ہیں؟؟" اس نے جل کر کہا۔

"سلیم کاشانی"۔

"وہ ہمارا ساتھی نہیں تھا... اسے تو ہم نے لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا رکھا تھا اور وہ انشارجہ کے لیے کام کرتا تھا... ملک کے راز انشارجہ کو بھیج دیتا تھا... اور بس... وہ ہمارا ساتھی نہیں تھا... کیا تم لوگ اسے ختم کر چکے ہو"۔

"ہاں بالکل"۔

"اوہ... اوہ"۔ اس کے منہ سے ... پھر وہ مسکرایا اور بولا۔

"کوئی بات نہیں... ہمیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا... اس

ملک میں اور بھی بہت لالچی موجود ہیں... بڑی رقم کی ایک جھلک دکھانے کی دیر ہے... پالتو کتوں کی طرح دم ہلاتے ہمارے اشاروں پر ناچنے لگیں گے"۔

"کتوں کا کام ہی یہی ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے جل کر کہا۔

عین اس وقت بھاری قدموں کی آواز سنائی دی... اور ایک عورت اندر آتی نظر آئی... اس کے بال اس کے کندھوں پر لہرا رہے تھے۔

"آؤ بھئی... آؤ... آخر تم ہار گئیں"۔

"کیا کہا... میں ہار گئی... ارے یہ لوگ یہاں کیسے نظر آ رہے ہیں؟"

"اسی لیے تو میں نے کہا ہے نا... کہ تم ہار گئیں"۔

"لیکن شرط یہ نہیں تھی کہ یہ یہاں نہیں پہنچ سکیں گے... شرط یہ تھی کہ یہ جراثیم کا راز نہیں جان سکیں گے"۔

"ارے... تو کیا"۔

عین اس وقت ٹی وی پر پھر اعلان ہونے لگا... اور وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اعلان سننے لگی... جونہی اعلان ختم ہوا... اس نے چیخ کر کہا۔

"نہیں... نہیں... نہیں"۔

"اور میں نے کہا تھا نا... کہ یہ لوگ معلوم کر لیں گے... جیل

ے بھی نکل آئیں گے... ایوان صدر کو بھی چھڑا لیں گے"۔

"ہاں... تم نے یہ سب کہا تھا... اور میں نے ہر بات کے جواب میں کہا تھا... کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکے گا... لہٰذا میں ہار گئی... تم جیت گئے... اب کیا پروگرام ہے... کیا یہاں سے چلیں... پروگرام تو اب تباہ ہو گیا... افسوس... ہم نے تو سوچا تھا کہ ان جراثیموں کے ذریعے اس پورے ملک پر حکومت کریں گے... اور بہت جلد تمام مشہور لوگوں پر ہماری حکومت ہو گی"۔

"ہاں! اب ایسا ممکن نہیں رہا... میں نے پہلے ہی کہا تھا... یہ ملک انسپکٹر جمشید کا ملک ہے... انسپکٹر کامران مرزا کا ملک ہے"۔ اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"بہرحال آپ کا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا... لہٰذا اب چلیں"۔ اس نے کہا۔

"نہیں... اب یہ لوگ ہمیں اس طرح نہیں جانے دیں گے... یہ باقاعدہ مقابلہ کریں گے"۔

"جب کہ اگر یہ ہمیں اسی طرح نکل جانے دیں... تو یہ بہت فائدے میں رہیں گے"۔ عورت بولی۔

"یہ لوگ فائدے اور نقصان کی بات نہیں سوچتے... صرف اور صرف اپنے اصولوں پر عمل کرتے ہیں... اس وقت ان کا اصول یہ ہے کہ یہ ہم سے جنگ کریں گے... اس بات سے بے خوف ہو کر

جیتتے ہیں یا ہارتے ہیں"۔

"ہمارے بارے میں آپ کی معلومات قابل تعریف ہیں۔۔۔ یہ کہاں سے حاصل ہوئیں؟" شوکی نے حیران ہو کر کہا۔

"ارے۔۔۔ تو کیا شوکی۔۔۔ تم نے اب تک انہیں پہچانا نہیں؟" انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"جی۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"یہ کہ۔۔۔ میں نے تو کم از کم ان کو پہچان لیا ہے۔۔۔ اب رہ گئے تم لوگ"۔

"میں بھی پہچان چکا ہوں"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"اوہ۔۔۔ تت۔۔۔ تو کیا۔۔۔ تو کیا"۔ فرزانہ ہکلائی۔

"ہاں جملہ پورا نہ کر دینا"۔ فاروق جل گیا۔

"میرا مطلب ہے۔۔۔ کک۔۔۔ کیا یہ۔۔۔ یہ۔۔۔" وہ پھر کہتے کہتے رک گئی۔

"بس کر دیا اس نے تو جملہ پورا"۔ محمود نے منہ بنایا۔

"اور آپ کیا سمجھ گئے انکل؟" آصف نے حیران ہو کر کہا۔

"میں یہ سمجھ چکا ہوں کہ فرزانہ کیا سمجھ گئی ہے"۔ وہ مسکرائے۔

"ارے تو بتائیں نا۔۔۔ یہ صاحبہ کیا سمجھ گئی ہیں"۔ مکھن نے منہ بنایا۔

"بھئی تم لوگ بھی غور کرو۔۔۔ آخر ان صاحب کے چہرے پر ہم میک اپ کیوں ثابت نہیں کر سکے"۔

"کیا اس بات پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آ جائے گی کہ یہ کون ہیں؟" آفتاب بولا۔

"ہاں! بالکل سمجھ میں آ جائے گی"۔

"بہت خوب! اگر یہ بات ہے، تب ہم ضرور غور کریں گے"۔

"گویا ہمیں آج ایک بار پھر دعوت مل گئی"۔ فاروق خوش ہو گیا۔

"ہاں۔۔۔ دعوت بھی کس چیز کی۔۔۔ غور کی دعوت"۔ شوکی نے منہ بنایا۔

"بھئی تم اس دعوت کو معمولی نہ سمجھو۔۔۔ ایسی دعوت تو نصیب والوں کو ملتی ہے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

باقی سب لوگوں کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

ادھر نقلی پروفیسر اور اس کی ساتھی بھی بے ساختہ مسکرا دی۔

"اگر آپ کہتے ہیں تو نہیں سمجھیں گے معمولی"۔

"تب پھر کرو غور۔۔۔ اور بتاؤ۔۔۔ یہ کون ہیں"۔

وہ سب سوچ میں ڈوب گئے۔

پھر یکے بعد دیگرے اچھلتے چلے گئے۔

اب ان سب کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت نظر آنے لگی۔

لیکن پھر فوراً ہی اس حیرت میں بے پناہ خوف بھی شامل ہو گیا۔
وہ ان دونوں کو گھورتے رہ گئے۔

○○

چیخ

اب وہ پروفیسر اور اس عورت کو گھور رہے تھے... ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

"تو تم سمجھ گئے... یہ کون ہیں؟"

"جی ہاں... مجبوری ہے"۔ فاروق بولا۔

"کیا کہا... مجبوری ہے"۔ پروفیسر داؤد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں انکل... ہم سمجھ جانے پر مجبور ہیں"۔ فاروق نے فوراً کہا۔

"اماں جاؤ... بلاوجہ ادھر ادھر کی ہانکنے کی عادت پڑ گئی ہے تمہیں"۔ وہ جھلا اٹھے... ساتھ میں ہاتھ بھی نچایا۔

"جی بہت بہتر... آپ جہاں جانے کا حکم دیتے ہیں... ہم چلے جاتے ہیں... فرمائیں... کہاں جائیں ہم"۔

"دیکھا... جمشید... تم نے دیکھا؟" پروفیسر داؤد تلملا کر بولے۔

"آپ ہی نے انہیں سر چڑھایا ہے... اب آپ خود ہی ...دیں"۔

"اوہ ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے"۔ یہ کہہ کر انھوں نے سر کو ہاتھ لگایا۔

"آؤ شارا! ہم چلیں... یہ تو اپنی باتوں میں لگ گئے... ہم اپنا وقت کیوں ضائع کریں... اب جب کہ انھوں نے ہمیں پہچان لیا ہے... اور جراثیم والا منصوبہ بھی ہمارا فیل ہو گیا ہے... سلیم کاشانی ان کے قبضے میں آ کر مر چکا ہے... لہٰذا اب ہم یہاں رہ کر کیا کریں گے"۔

"ایسے نہیں مسٹر بگران... پہلے ہمارے چند سوالات کے جوابات دے دیں... پھر آپ چلے جایئے گا"۔ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ... یہ آپ نے کیا فرمایا... پھر چلے جایئے گا"۔

"ہاں اور کیا... پھر یہ چلے جائیں شوق سے"۔

"اور آپ انھیں جانے دیں گے"۔

"میں نے یہ نہیں کہا... ہم کیوں جانے دیں گے انھیں... جب کہ پروفیسر صاحب کے ہاتھ میں شعاعی پستول بھی ہے"۔

"انسپکٹر جمشید... آپ ہمارے بارے میں کچھ زیادہ ہی خوش فہمی کا شکار ہو گئے... آپ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ ہم یہاں سے فرار نہیں ہو سکتے... ہم فرار ہو سکتے ہیں... اور ہو کر دکھائیں گے"۔

"چلیے ٹھیک ہے... جب آپ دکھائیں گے... ہم دیکھ لیں گے"۔ آفتاب نے مسکی صورت بنائی۔

"ٹھیک... کیا دیکھ لیں گے"۔ پروفیسر داؤد بے خیالی کے عالم میں

"حد ہو گئی... ایک اوٹ پٹانگ بات ختم ہوتی نہیں کہ دوسری ابھار دیتی ہے"۔ خان رحمان نے تلملا کر کہا۔

"ان حالات میں ہمارا کیا قصور ہے انکل"۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے... قصور تو سب میرا ہے کہ تمہیں سر پہ چڑھایا"۔ وہ غرائے۔

"ہائیں انکل... آپ کو غصہ آ رہا ہے"۔

"نہیں... آج تو غصے کو میں آ رہا ہوں"۔ وہ بولے۔

"تب آپ اچھا کر رہے ہیں"۔

"چلو شارا!... یہ بے چارے کیا ہمارا راستا روک سکیں گے"۔

...ان اٹھا۔

"میں نے کہا... پہلے ذرا وضاحت کر دیں"۔ انسپکٹر جمشید ...رائے۔

"اچھا خیر... فرمایئے... آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں"۔ اس نے ...یہ انداز میں کہا۔

"جیک پانڈے کا کیا چکر تھا؟"

"فرضی چکر تھا... جان بوجھ کر اسے گرفتار کرایا گیا تھا... تاکہ ...کی رہائی کے سلسلے میں ہماری آمد کا جواز پیدا ہو جائے... سلیم،

کاشانی شروع سے اس چکر میں ہمارے ساتھ شامل رہا ہے"۔

"اور میک پانڈے.... وہ کون تھا"۔

"میک پانڈے تم لوگوں کے سامنے ہے"۔ بگران نے مسکرا کر کہا اور شارا کی طرف اشارہ کیا۔

"نائب صدر سے ملاقات کا پروگرام طے کرنے کی کیا ضرورت تھی.... یہ واقعہ تو اس کہانی میں کہیں بھی فٹ نہیں بیٹھتا"۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! دراصل پہلے ہمارا پروگرام مشرقی حصے کی طرف بنا تھا۔ جراثیم اس طرف چھوڑنا چاہتے تھے.... اس طرح ہم سب سے پہلے نائب صدر کو خوف کا شکار کرتے.... لیکن نائب صدر نے انسپکٹر کامران مرزا کو بلا لیا اور ہم نے پروگرام تبدیل کر دیا۔

"لیکن کیوں.... ادھر بھی تو ہم پروگرام میں شروع سے شامل ہو گئے تھے.... بلکہ میک پانڈے کے روپ میں آ کر تم نے خود ہمیں شامل کر لیا تھا"۔

"بات یہ نہیں کہ آپ لوگ شریک ہو گئے تھے.... شریک تو آپ لوگوں کو کرنا تھا.... لیکن اپنے منصوبے کے مطابق.... جب کہ وہاں یہ مرضی کے خلاف پہنچ گئے تھے.... لیکن بہرحال اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑا.... ہم نے فوراً ہی حالات کو اپنے کنٹرول میں کر لیا"۔

"مطلب یہ کہ اس بار ہمارا اندرونی مجرم سلیم کاشانی تھا.... اور

بیرونی آپ دونوں.... ہمیں بیرونی دشمنوں سے اتنا خطرہ نہیں.... جتنا اندرونی دشمنوں سے ہے"۔

"غدار کس ملک میں نہیں پائے جاتے.... کس دور میں نہیں پائے گئے.... یہ تو چلتا ہی رہتا ہے"۔ بگران مسکرایا۔

"لیکن شاید.... آپ لوگوں نے بھی قسم کھا لی ہے کہ ہمارے خلاف کوئی نہ کوئی پروگرام.... کوئی نہ کوئی منصوبہ بناتے ہی رہیں گے.... اور ہمیں اور ہمارے ملک کو سکھ کا سانس نہیں لینے دیں گے"۔

"اس کی وجہ ہے؟" بگران مسکرایا۔

"اور وہ وجہ کیا ہے.... مہربانی فرما کر یہ بھی بتا دیں.... ورنہ ہم الجھن میں رہیں گے"۔

"ہاں ضرور.... کیوں نہیں بتاؤں گا.... یہ کوئی ایسی پوشیدہ بات نہیں ہے.... پاک لینڈ کو اسلام کا قلعہ کہا جاتا ہے.... بس ہم اسلام کے قلعے کو گرا دینا چاہتے ہیں.... ہم اس نام کو برداشت نہیں کر سکتے"۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر آپ کی سوچ غلط ہے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب.... میری کون سی سوچ غلط ہے"۔

"یہ کہ آپ لوگ اسلام کے قلعے کو ڈھانے میں کامیاب ہو جائیں گے.... اور پھر یہ قلعہ تو اتنا پختہ ہے بھی نہیں.... ابھی حال ہی میں ہمارے پڑوسی ملک خانستان میں صحیح ترین اسلامی حکومت قائم

ہوئی۔۔۔ وہ لوگ دھڑا دھڑ جہاد بھی کر رہے ہیں۔۔۔ غربت، بھوک، تنگ دستی اور ساز و سامان کی کمی کے باوجود لڑ رہے ہیں۔۔۔ آج غیر مسلم دنیا ان کے نام سے کانپنے لگی ہے۔۔۔ تم اسلام کے اس قلعے کے بارے میں کیا کہو گے۔۔۔ کبھی سوچا ہے تم نے؟"

"ہاں بیگل اور انشارجہ کے صدر اور دوسرے بڑے بہت پریشان ہیں۔۔۔ فکر مند ہیں۔۔۔ اور وہ ہماری اس بارے میں خدمات حاصل کرنے والے ہیں۔۔۔ ہم وہاں سازشوں کے ایسے بیج بوئیں گے کہ ان کا سارا اسلامی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔۔۔ لوگوں کو متنفر کر دیں گے ہم ان سے۔"

"لیکن کون سے لوگوں کو۔۔۔ وہ لوگ تو اپنے حکمرانوں کے دیوانے ہوئے جا رہے ہیں۔۔۔ ان پر اپنا تن، من، دھن۔۔۔ سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔"

"وہ سادہ لوگ ہیں۔۔۔ انہیں چکر دینا ذرا بھی مشکل کام نہیں ہو گا۔۔۔ مرزا قادیانی جیسے لوگ کھڑے کر دیے جائیں گے۔"

"ایسی ہر سازش کا جواب آپ لوگوں کو وہاں تیار ملے گا۔۔۔ اور ضرورت پیش آنے پر ہم ان کے شانہ بشانہ لڑیں گے۔۔۔ آپ لوگوں کی سازشوں کو کچلنے کے لیے آپ ہمیں وہاں بھی پائیں گے۔"

"دیکھا جائے گا۔" اس نے گردن کو جھٹکا دیا۔

"خیر۔۔۔ اب قصہ ختم۔۔۔ تم لوگوں کے لیے نیک مشورہ یہ ہے

کہ خود کو قانون کے حوالے کر دو۔۔۔ ورنہ پھر میں پروفیسر صاحب کو اشارہ کرتا ہوں۔۔۔ یہ بھی تم دونوں کی طرف دو شعاعیں فائر کریں گے اور تم جل بھن جاؤ گے۔"

"ضرور اشارہ کریں" بگران نے کہا پھر شارا کے بازو میں بازو ڈال کر بولا۔

"آؤ شارا چلیں۔"

"پروفیسر صاحب۔۔۔ یہ ہمارے بدترین دشمن ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔" یہ کہہ کر انہوں نے شعاعی پستول کا ٹریگر دبا دیا۔۔۔ شعاع سیدھی بگران کی طرف گئی۔۔۔ اس نے اس سے بچنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

اور پھر ان کی سٹی گم ہو گئی۔۔۔ شعاع نے بگران کا بال بھی بیکا نہیں کیا تھا۔

"ایک شعاع ادھر بھی پروفیسر۔" بگران ہنسا۔

پروفیسر نے جھلا کر شارا پر فائر کر دیا۔۔۔ وہ بھی جوں کی توں کھڑی رہی۔ پھر دونوں دروازے کی طرف بڑھے۔

"میں نے کہا تھا نا انسپکٹر جمشید۔۔۔ تم ہمارا راستا نہیں روک سکو گے۔۔۔ تمہارا شعاعی پستول تو دھرا کا دھرا رہ گیا۔۔۔ اب پھر نیک مشورہ دو۔۔۔ ہمیں چپ چاپ چلے جانے دو۔۔۔ اسی میں تم سب کی بھلائی ہے۔۔۔ لڑائی بھڑائی تم لوگوں کو مہنگی پڑے گی۔۔۔ اور جیتی جتائی بازی تم

بار جاؤ گے.... اس وقت پانسہ تم لوگوں کے ہاتھ میں ہے.... آخر کار تم
نے ہمارا جراثیموں والا منصوبہ ناکام بنا دیا.... میں نے شارا سے کہا
تھا.... تم لوگ آخر کار یہ جان لو گے کہ جراثیم کس طرح اثر انداز
ہوتے ہیں.... جب کہ شارا کا خیال تھا کہ نہیں جان سکو گے.... بہر حال
شرط میں جیت گیا.... ہم اس منصوبے کو یہیں' ابھی اور اسی وقت ختم
کر کے اپنے ملک جا رہے ہیں.... اب ہم چھٹیاں منائیں گے.... اس
شکست کا غم بھلائیں گے.... اور جلد کوئی بڑا منصوبہ لے کر آئیں
گے.... اس لیے میں کہتا ہوں.... ہمیں جانے دیں"۔ یہاں تک تقریر
کر کے وہ خاموش ہو گیا اور جواب طلب نظروں سے اس نے ان کی
طرف دیکھا۔

"اگر تم یہ کہتے کہ اب ہم کبھی اس ملک میں نہیں آئیں گے....
کوئی منصوبہ بنا کر نہیں لائیں گے.... جانے تو ہم تم لوگوں کو اس
صورت میں بھی نہ دیتے.... کیونکہ بہر حال تم ہمارے ملک کے دشمن
ہو.... اور تمہارے اس منصوبے سے بہت ہل چل مچی ہے.... لیکن اب
جب کہ تم یہ کہہ رہے ہو کہ پھر آؤ گے.... منصوبہ بنا کر لاؤ گے.... تو
اس صورت میں تو تم سے کسی قسم کی کوئی رعایت کرنے کے بارے ہم
سوچ بھی نہیں سکتے.... لہٰذا مقابلہ کریں گے.... جنگ تو لڑنا ہو گی....
ایک بات اور کہہ دوں.... اب تم لوگوں کے برے دن آ گئے ہیں....
اسلام کی نئی زندگی کا دور شروع ہو گیا ہے.... قیامت کی علامات شروع

ہو چکی ہیں.... ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نشانیاں بیان
فرمائی تھیں' وہ خوب ظاہر ہو رہی ہیں"۔

"کیا مطلب.... کون سی نشانیاں؟" شارا نے حیران ہو کر کہا۔

"ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم.... آخری نبی.... نبی
رحمت نے قیامت کی نشانیاں کھول کھول کر بیان فرما دی تھیں.... ان
میں سے ایک نشانی یہ تھی.... گھر گھر سے گانوں کی آوازیں سنائی دیں
گی.... دیکھ لو.... سنائی دیتی ہیں یا نہیں"۔

"ہاں سنائی دیتی ہیں"۔ بگران نے حیران ہو کر کہا۔

"جب کہ اس زمانے میں اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا
تھا کہ ایسے آلات ایجاد ہو جائیں گے.... کہ آوازیں ہر گھر سے سنائی
دینے لگیں گی.... پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی نئی زندگی
شروع ہونے کے بارے میں پیش گوئی فرمائی تھی.... کہ ایک جماعت
اٹھے گی جو پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا کرے گی.... پھر فتنوں کا دور
شروع ہو گا.... دجال پیدا ہو گا.... اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ حضرت
عیسیٰ علیہ اسلام کو آسمان سے نازل فرمائیں گے.... حضرت عیسیٰ علیہ
السلام دجال کو قتل کریں گے.... پھر یاجوج ماجوج کا فتنہ اٹھے گا اور
پوری دنیا کو لپیٹ میں لے لے گا.... اللہ تعالیٰ انہیں بھی ختم فرمائیں
گے.... اور اس کے بعد پوری دنیا میں اسلام ہو گا.... صرف ایک
اسلام.... ایک شکل میں اسلام"۔

"کیا واقعی.... یہ باتیں تحریری شکل میں سینکڑوں سال پہلے کی لکھی ہوئی دکھا سکتے ہیں آپ؟" بگران نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! کیوں نہیں"۔

"میں ضرور ان کتب کا مطالعہ کروں گا.... میری طرف بھیج دیجئے گا... اب اجازت؟"

"یہ کتب اب ہم آپ کو جیل میں مہیا کریں گے... آپ اپنے ہاتھ آگے کریں... تاکہ ہم ہتھکڑیاں لگا دیں اور آپ کو جیل بھجوا دیں... وہیں ہم آپ کو یہ کتابیں پہنچا دیں گے"۔

"ارے نہیں.... ایسی کوئی ضرورت نہیں.... ہم اپنے ملک میں ساحل سمندر پر اپنے خاص کمرے میں بیٹھ کر ان کتب کا مطالعہ کریں گے اور یقین جان لیں انسپکٹر جمشید... اگر ہمیں ان کتب پر یقین آ گیا اور میں نے جان لیا کہ واقعی نشانیاں اسی طرح نمودار ہو رہی ہیں۔ جس طرح تمہارے نبی نے فرمائی تھیں.... تو ہم مسلمان ہو جائیں گے"۔

"ہم آپ کو مسلمان ہونے کا موقع ضرور دیں گے... لیکن اپنے ملک کی جیل میں نہ کہ آپ کے ملک میں"۔

"اچھی بات ہے.... تب تو پھر اب جنگ کے بغیر چارہ نہیں۔ آپ نے ہمیں مجبور کر دیا لڑنے پر.... جب کہ ہمارا کوئی پروگرام نہیں تھا"۔

"آپ دراصل گرفتاری سے خوف زدہ ہیں"۔

"نہیں.... بالکل نہیں.... میں نے اور شارا نے تم لوگوں سے آج تک خوف محسوس نہیں کیا.... یہی تو ہماری خوبی ہے... اسی لیے تو بیگال اور انشارجہ کے صدر اور دوسرے لوگوں کو ہم پسند ہیں... کہ ہم خوف زدہ نہیں ہوتے"۔

"ارے تو پھر لڑ کیوں نہیں لیتے... بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے کی کوئی ضرورت ہے"۔ خان رحمان نے جھلا کر کہا۔

ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی بگران نے ان پر چھلانگ لگائی۔ خان رحمان بالکل تیار نہیں تھے... ہوشیار نہیں تھے... لہٰذا اس کی لپیٹ میں آ کر دھڑام سے گرے اور ساکت ہو گئے۔

"انسپکٹر جمشید.... تمہاری فوج کا ایک ماہر سپاہی تو گیا کام سے"۔

انسپکٹر جمشید نے ایک نظر ان پر ڈالی... وہ لمبے لمبے سانس لے رہے تھے اور چہرے پر تکلیف کے آثار تھے... انہیں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا... تاہم وہ پرسکون آواز میں بولے۔

"زندگی اور موت کی جنگ میں یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے... ویسے تم نے دھوکے سے وار کیا ہے.... میں اس کی تمہیں سزا ضرور دوں گا"۔

"اپنے ایک بازو سے محروم ہو گئے.... اب کیا سزا دیں گے آپ"۔ شارا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

یہ کہتے ہی اس نے ان پر چھلانگ لگا دی۔

انسپکٹر جمشید پوری طرح ہوشیار اور تیار تھے۔۔۔ لہٰذا انھوں نے دونوں ہاتھوں پر اسے روکا۔۔۔ اور بگران کی طرف اچھال دیا۔
بگران کو اس کی ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔
لہٰذا بگران اور شارا گڈمڈ ہو کر گرے۔
ساتھ ہی ایک چیخ کی آواز گونجی۔

○○

بے ہوشی

چیخ کی آواز نے انھیں بوکھلا دیا۔۔۔ چیخ بیرونی دروازے کی طرف سے آئی تھی۔۔۔ وہ سب کے سب اس طرف دوڑ پڑے۔۔۔ بگران اور شارا کی طرف سے انھیں پریشانی نہیں رہی تھی۔۔۔ وہ بری طرح گرے تھے۔۔۔ اور انھیں اٹھنے میں اور سنبھلنے میں کچھ وقت ضرور لگتا۔۔۔ لہٰذا دروازے کا جائزہ لے سکتے تھے۔

جونہی وہ دروازے پر پہنچے۔۔۔ پھر ایک چیخ سنائی دی۔۔۔ وہ باہر کی طرف بھاگے۔۔۔ چیخ ہولناک تھی۔۔۔ لیکن جب وہ بیرونی حصے میں پہنچے تو وہاں کوئی نہیں تھا۔۔۔ اب وہ واپس پلٹے۔۔۔ اور دھک سے رہ گئے۔۔۔ بگران اور شارا غائب تھے۔

"افسوس! یہ دونوں چیخیں دھوکا تھیں۔۔۔ بگران نے اپنے منہ سے نکالی تھیں"۔

"لیکن وہ فرار کس طرح ہو سکیں گے۔۔۔ ہم ابھی فون کر دیتے ہیں"۔ محمود نے کہا۔

"ہاں! ایک منٹ"۔ انھوں نے فوراً ایئرپورٹ سے رابطہ کیا۔۔۔

پوری صورت حال انہیں سمجھائی.... پھر بحری راستوں کے ذمے دار
لوگوں سے بات کی.... اور آخرکار وہ سب ایئرپورٹ پر پہنچ گئے.... ایک
جہاز جانے کے لیے بالکل تیار تھا.... لیکن ان کی ہدایات کی وجہ سے
اس کو روک لیا گیا تھا.... انسپکٹر جمشید نے گھڑی کی طرف دیکھا.... فاصلے
کا حساب لگایا اور بولے۔

"میرے فون کرنے کے دس منٹ بعد ایک مرد اور ایک عورت
جہاز پر سوار ہوئے ہیں"۔

"نہیں جناب.... دو عورتیں ضرور سوار ہوئی تھیں"۔ آفیسر نے
منہ بنایا۔

"اور اس کے بعد"۔

"بس.... وہ آخری مسافر تھیں جو جہاز پر سوار ہوئیں.... یعنی
آپ کے فون کے بعد"۔

"شکریہ! ہم ان دونوں سے ملنا پسند کریں گے"۔

"آئیے"۔ اس نے کہا۔

اور پھر وہ جہاز پر چڑھ گئے۔

"یہ ہیں.... دو خواتین"۔

انہوں نے انہیں دیکھا.... وہ دونوں ادھیڑ عمر کی عورتیں تھیں۔
بغور جائزہ لینے کے بعد انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا.... لیکن اسی وقت
فرزانہ نے سرگوشی کی۔

"آپ بھول رہے ہیں ابا جان"۔

"کک.... کیا بھول رہا ہوں"۔ وہ بوکھلا اٹھے۔

"یہ کہ.... بگران اور شارا کسی بھی قسم کے میک اپ میں آسانی
سے نظر آ سکتے ہیں' کوئی انہیں پہچان نہیں سکتا"۔

"اوہ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا"۔ وہ بولے.... پھر ان کی طرف
مڑے۔

"آپ اپنے کاغذات دکھا دیں' ذرا"۔

"کیوں.... کیا بات ہے؟"

"دو خطرناک مجرم فرار ہونا چاہتے ہیں.... خیال ہے کہ وہ اس
جہاز میں آ چکے ہیں.... اور وہ ہیں بھی میک اپ میں"۔

"تو کیا آپ کے خیال میں وہ ہم ہیں"۔

"اس بات کا امکان ہے"۔

"آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے.... ہم تو پاک لینڈ کی سیر کے
لیے آئے تھے.... سیاح ہیں"۔

"پھر بھی آپ اپنے کاغذات دکھا دیں"۔

"او کے"۔ ایک نے کندھا اچکا دیا۔

پھر دونوں نے اپنے کاغذات دکھا دیے.... انہوں نے کاغذات کو
بغور دیکھا.... ان کی رو سے وہ ایک ماہ پہلے پاک لینڈ میں آئے تھے۔
اور ابھی دو ماہ اور پاک لینڈ میں رہ سکتے تھے"۔

"آپ بہت جلد واپس جا رہے ہیں"۔

"بس... دل بھر گیا... کوئی خاص جگہ نہیں ہے"۔ ایک نے برا سا منہ بنایا۔

"آپ ایک دن کے لیے اور رک جائیں... ہم کل آپ کو جہاز میں سوار کرا دیں گے"۔

"کیا مطلب... یہ کیا بات ہوئی؟" دوسری بولی۔

"یہ بات اس طرح ہوئی کہ اس وقت آپ کی وجہ سے جہاز کے تمام مسافروں کو لیٹ کرنا پڑ رہا ہے... اگر آپ ہماری بات مان لیں تو جہاز اسی وقت روانہ ہو جائے گا... صرف آپ رہ جائیں گی... آخر آپ آئی تو سیر کے لیے ہیں... اور واپس بہت جلد اس لیے جا رہی ہیں کہ آپ کا اس ملک میں دل نہیں لگا... آپ کو یہ ملک پسند نہیں آیا... لہٰذا ان حالات میں تو آپ ایک دن ٹھہر سکتی ہیں"۔

"نہیں... اب ہم نہیں رک سکتیں"۔

"تب پھر مجھے افسوس ہے... میں آپ کی مرضی کے خلاف آپ کو روکنے پر مجبور ہوں"۔

"کیا مطلب... یہ آپ نے کیا کہا"۔

"آپ اس جہاز سے نہیں جا سکتیں"۔

"کیوں... کیا اس ملک میں کوئی قانون نہیں... کسی غیر ملکی کی عزت نہیں"۔

"ایسی کوئی بات نہیں... کیا آپ نے یہاں ایک ماہ نہیں گزارا... کیا آپ کی کسی نے یہاں بے عزتی کی... کسی نے برا سلوک کیا؟"

"اب تو ہو رہی ہے نا"۔

"ہماری مجبوری ہے"۔

"آخر کیا مجبوری ہے؟"

"آپ کو جہاز سے اتارنے کے بعد بتا دیا جائے گا... سب کے سامنے نہیں"۔

"اور اگر ہم انکار کر دیں"۔

"تب آپ کو زبردستی اتارا جائے گا"۔

"اور اگر ہم زبردستی اترنے سے بھی انکار کر دیں تو؟"

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"ہاں! ہم زبردستی اترنے سے بھی انکار کر سکتے ہیں... اس صورت میں آپ کیا کریں گے؟"

"یہ تو آپ نے بہت عجیب بات کہہ دی... اب تو ہمیں آپ کے بارے میں سوچنا پڑے گا"۔

"تو پھر... جو سوچنا ہے... جلد سوچ لیں... آپ دوسرے مسافروں کا وقت ضائع کر رہے ہیں"۔

"اوکے... ہم نے سوچ لیا ہے"۔

"مسافر اس جہاز کی بجائے دوسرے جہاز میں جائیں گے... آپ اور ہم یہیں بیٹھ کر باتیں کر لیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"اب ہم اور کیا کریں... آپ بتا دیں"۔

"ہمیں اسی جہاز میں جانے دیں... ہمارے خلاف آپ کے پاس نہ تو کوئی الزام ہے... نہ کوئی ثبوت... آخر ہم نے کیا جرم کیا ہے؟"

"یہی تو نیچے لے جا کر آپ کو بتانا ہے"۔

"ہمیں بتا دیں" دوسری نے کہا۔

"افسوس! ہم یہاں نہیں بتا سکتے"۔

اب تمام مسافر پریشان ہو گئے... سب کے سب انہیں گھور رہے تھے... اور مسافر خواتین کو بالکل بے قصور تصور کر رہے تھے... ان کی الجھن یہ تھی کہ مسافروں کے سامنے یہ بات ظاہر نہیں کر سکتے تھے کہ وہ دونوں نگران اور شارا ہیں... اس طرح سارا جہاز پریشان ہو جاتا اور دونوں جہاز میں گڑبڑ کر سکتے تھے... اس طرح سب کو مصیبت میں ڈال سکتے تھے... اس بات کا انہیں یقین ہو چلا تھا کہ وہ نگران اور شارا ہی ہیں... بس اب مسئلہ تھا دوسرے مسافروں کا... ان میں آخر غیر ملکی مسافر بھی تھے"۔

"جو بتانا ہے... سب کی موجودگی میں بتا دیں... علیحدگی میں ہم بھی سننے والی نہیں ہیں"۔

"تمام مسافر جہاز سے اتر جائیں... آپ کو فوری طور پر دوسرے جہاز پر سوار کیا جا رہا ہے اور اس جہاز کو فوراً اڑا دیا جا رہا ہے... زیادہ دیر نہیں ہو گی... میں معذرت چاہتا ہوں... لیکن آپ لوگ جلد سے جلد جہاز خالی کر دیں... دراصل ہم لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ان دونوں کے سامان میں بم ہے"۔

"کیا... بم!!!" تمام مسافر ایک دم چلا اٹھے... اور پھر تو بھگدڑ مچ گئی۔

"یہ غلط ہے... جھوٹ ہے... بم جہاز میں رکھنے والے خود تو نہیں بیٹھا کرتے"۔

لیکن اب ان کی کون سنتا تھا۔

"آپ مسافروں کو فوری طور پر دوسرے جہاز میں بٹھائیں"۔ انسپکٹر جمشید نے عملے سے کہا۔

"بہت بہتر جناب... آپ فکر نہ کریں... جہاز کا کیپٹن بولا... وہ بھی وہیں کھڑا یہ تمام گفتگو سن رہا تھا۔

"یہ غلط ہے... جھوٹ ہے... آپ لوگوں سے غلط بیانی کی گئی ہے... ہم نے تو سنا تھا... یہ لوگ" وہ کہتے کہتے رک گئے۔

"ہاں... ہاں... بتا دیں... آپ نے کیا سنا تھا"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اس نے جل کر ان کی طرف دیکھا... اور ہونٹ بھینچ لیے۔

"آپ نے یہ سنا تھا کہ ہم کسی حالت میں بھی جھوٹ نہیں بولتے"۔ انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

دونوں نے چپ سادھ لی۔

"کیوں.... اب آپ خاموش ہو گئے"۔

"آخر آپ نے جھوٹ کا سہارا لے لیا"۔ اب بگران نے اصلی آواز میں کہا۔

"نہیں.... میں نے صرف اتنا کہا ہے کہ ہمارا خیال ہے.... مشکوک تو آپ دونوں تھے ہی.... لہذا مسافروں کو آپ کی طرف سے بہت نقصان پہنچ سکتا تھا.... اس لیے اگر ان سے صرف اتنا کہہ دیا گیا تو یہ جھوٹ نہیں ہو گا.... آپ بھی تو ان کی موجودگی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے.... اب جب جہاز میں صرف آپ اور ہم رہ جائیں گے.... تو کھل کر باتیں کر سکیں گے"۔

"لیکن ہم کیوں یہاں رک کر باتیں کریں گے.... ہم بھی یہ اتریں گے اور اس دوسرے جہاز میں سوار ہوں گے"۔ بگران نے جل کر کہا۔

"اور ہم آپ کو رکنے پر مجبور کر دیں گے"۔

"جس طرح آپ ہمیں اٹھا نہیں سکتے تھے اسی طرح آپ ہمیں بیٹھا رہنے پر بھی مجبور نہیں کر سکتے"۔

یہ کہہ کر بگران اچھل کر کھڑا ہو گیا.... شارا نے بھی اس کا ساتھ

دیا۔ انہوں نے فوری طور پر دونوں کو کلائیوں سے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ بگران کو انسپکٹر جمشید نے اور شارا کو انسپکٹر کامران مرزا نے۔

"آپ جہاز کے مسافروں میں اور کھلبلی نہ مچائیں.... دوسرے جہاز میں بھی اب جب مسافر آپ دونوں کو دیکھیں گے تو شور مچاتے ہوئے جہاز سے اتر جائیں گے"۔

"تو اتر جائیں.... ہم جائیں گے تو دوسرے مسافر جائیں گے.... ورنہ ہم بھی نہیں جائیں گے"۔

"حد ہو گئی.... یعنی کہ.... خیر.... اب جب تک تم اپنے بازو نہیں چھڑا لو گے.... یہاں سے نیچے نہیں اتر سکو گے"۔

"اور بازو چھڑانا ہمارے لیے کیا مشکل ہے"۔

"کوشش کر کے دیکھ لیں"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا اور پھر مسافروں کی طرف منہ کر کے انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

"مسافروں سے درخواست ہے کہ جلد از جلد دوسرے جہاز میں سوار ہو جائیں.... کیونکہ یہ دونوں اس دوسرے جہاز میں بھی سوار ہونے کے لیے پر تول رہے ہیں.... ہم نے انہیں جکڑ لیا ہے.... اور اپنی پوری کوشش کریں گے کہ یہ خود کو چھڑا نہ سکیں.... لہذا آپ سے یہی درخواست ہے کہ آپ جلدی کریں.... آپ اپنا سامان اسی جہاز میں چھوڑ دیں.... آپ کا سامان بعد میں آ جائے گا"۔

مسافر اور جلدی نکلنے کی کوشش کرنے لگے.... بگران اور شارا

نے اپنے بازو چھڑانے کے لیے پہلا جھٹکا مارا۔

انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا نے پوری قوت صرف کر ڈالی۔ پھر بھی انہیں یوں محسوس ہوا کہ ان کے ہاتھ اب چھوٹے کہ اب چھوٹے۔

"یہ تو صرف پہلا جھٹکا تھا۔ ابھی تو دوسرا جھٹکا باقی ہے.... اور پھر تیسرا باقی ہے۔ جب تیسرا جھٹکا لگے گا تو.... آپ لوگوں کو نانی یاد آ جائے گی۔ اور ہاتھوں سے ہاتھ نکل جائیں گے۔ کیا سمجھے؟"

"ہمیں صرف مسافروں کی وجہ سے ایسا کرنا پڑ رہا ہے.... ایک بار تمام مسافر دوسرے جہاز میں سوار ہو جائیں.... پھر دیکھنا.... ہم کیا سلوک کرتے ہیں تم سے"۔

"تشعی سلوک ہی کرو گے"۔ شارا ہنسی۔

اور اسی وقت انہوں نے دوسرا جھٹکا مارا.... یہ پہلے کی نسبت زیادہ شدید تھا۔ دونوں کی جان پہ بن گئی۔ ہاتھ قابو میں رکھنا انہیں انتہائی مشکل محسوس ہوا۔ تاہم کسی نہ کسی طرح وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔

"حیرت ہوئی بھئی۔ بہت حیرت"۔ گیران بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ بولے۔

"دوسرے جھٹکے کو آج تک کوئی برداشت نہیں کر سکا۔ تیسرے کی تو ابھی تک نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ یعنی آج تک ایسا

نہیں ہوا کہ ہم نے دوسرا جھٹکا مارا ہو اور ہم اپنے مقابل سے اپنا بازو چھڑا نہ سکے ہوں"۔

"ہوں.... خیر.... ابھی تو آپ لوگوں کا تیسرا جھٹکا باقی ہے"۔

"تو ہم بھی کیوں نہ آپ دونوں کی مدد کریں"۔ محمود نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے.... چمٹ جاؤ ان دونوں سے"۔

"کوئی فائدہ نہیں ہو گا.... یہ تو پہلا جھٹکا بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے.... اور اب تو باری ہے تیسرے کی"۔

"لیکن.... ہمیں اپنی کوشش تو کرنی چاہیے"۔

"ضرور کرو.... روک کون رہا ہے"۔

"تب پھر آپ ہمیں پکڑنے کی مہلت دیں"۔

"اچھا چلو.... دی مہلت.... تم لوگ بھی کیا یاد کرو گے"۔ گیران نے ہنس کر کہا.... ساتھ ہی اس کے ہونٹ میں پھڑکن سی ہوئی.... انسپکٹر جمشید نے اس پھڑکن کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔

ادھر ان کے ساتھی جلدی جلدی اس کے جسم کو کسی نہ کسی جگہ سے پکڑنے لگے.... اب ہوا یہ کہ جس کے ہاتھ اس کے جسم پر کسی جگہ جم گئے.... وہ تو مطمئن ہو گیا.... لیکن جس کے ہاتھ کوئی حصہ نہ آیا.... وہ گھبرا کر انہیں جگہ جگہ سے ٹٹولنے لگا.... ایسے میں فرحت کی انگلیاں شارا کی بغل سے جا لگیں۔

"ارے ارے.... یہ.... یہ.... یہ کیا کر رہی ہو"۔ وہ بے تحاشا

ہنسنے لگی۔

فرحت چونک اٹھی.... اس نے پوری طرح گدگدی کر ڈالی.... اب تو شارا بے حال ہو گئی.... یہ دیکھ کر رفعت نے اس کی دوسری بغل میں بھی گدگدی شروع کر دی۔

"ارے ارے.... میں مری.... یہ.... یہ تم کیا کر رہی ہو"۔

"میرا خیال ہے.... اب شارا تو کم از کم تیسرا جھٹکا مارنے کے قابل رہی نہیں.... آپ دونوں مل کر بگران کو قابو میں کر لیں"۔ فرحت نے خوش ہو کر کہا۔

"بہت خوب.... فرحت"۔

اب وہ اس کے پورے بدن پر گدگدی کرنے لگے.... شارا ست کر نیچے گر کر لوٹنے لگی.... ادھر انسپکٹر کامران مرزا نے بھی شارا کو چھوڑ کر بگران کو پکڑ لیا۔

"ہو مسٹر بگران.... اب مارو تیسرا جھٹکا"۔

بگران کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا.... اس نے ایک نظر شارا پر ڈالی.... پھر سرد آواز میں بولا۔

"شارا.... میں نے کہا تھا نا.... بغلوں پر کور چڑھوا لو.... یہ لوگ پورے وہ ہیں"۔

"آپ نے ٹھیک کہا تھا پروفیسر.... مجھے افسوس ہے"۔ اس نے بہت مشکل سے یہ الفاظ کہے اور پھر ہنسنے لگی.... وہ سب لوگ برابر

گدگدی کر رہے تھے۔

"خیر کوئی بات نہیں.... میں آ رہا ہوں.... ان لوگوں کو کائی کی طرح چھانٹ کر رکھ دوں گا"۔

"شش.... شکریہ پروفیسر"۔

عین اس لمحے بگران نے تیسرا جھٹکا مارا.... انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور باقی لوگ اپنی پوری قوت صرف کیے ہوئے تھے.... لیکن اس کے باوجود ان کے ہاتھ اس کے بدن سے ہٹ گئے اور وہ جہاز میں ادھر ادھر گرے.... ساتھ ہی ان لوگوں پر تابڑ توڑ قسم کے ہاتھ پڑے.... جنہوں نے شارا کو قابو میں کر رکھا تھا.... بس پھر کیا تھا.... وہ بھی شارا کے جسم سے الگ ہو کر دور دور جا گرے.... اور ہر ایک نے زبردست چوٹ کھائی.... چند لمحوں کے بعد وہ سب ہی ہوش کھو بیٹھے.... یہاں تک کہ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا بھی خود کو ہوش و حواس میں نہ رکھ سکے۔

اور جب انہیں ہوش آیا.... وہ دونوں جہاز میں نہیں تھے۔

○○

ہو نہ ہو

"ارے باپ رے..... وہ..... وہ دونوں جہاز سے نکل گئے... اب.... اب کیا وہ دوسرے جہاز میں سوار ہو چکے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے چلا کر کہا۔

"آیئے دیکھتے ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

انہوں نے آندھی اور طوفان کی طرح دوڑ لگا دی.... اور دوسرے جہاز تک پہنچ گئے.... پہلے جہاز کا کیپٹن نیچے کھڑا تھا۔

"وہ.... وہ دونوں اس طرف تو نہیں آئے"۔

"نہیں جناب.... کیوں.... کیا وہ جہاز میں نہیں ہیں"۔

"نہیں... انہوں نے جہاز سے باہر نکلنے کی کوشش کی تھی... ہمیں ان دونوں کو روکنا پڑا' اس طرح ہماری جھڑپ ہوئی... چند لمحوں کے لیے ہم ہوش کھو بیٹھے... ہوش آیا تو وہ اندر نہیں تھے... اب آپ کہتے ہیں... وہ اس طرف نہیں آئے... تب وہ کہاں گئے ہیں؟"

"یہ تو اور پریشانی کی بات ہو گئی... اب کیا ہم اس جہاز کو بھی روکیں گے؟" پائلٹ بولا۔

"یہ مسئلہ دو بین الاقوامی مجرموں کا ہے... اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ ملک سے فرار ہو جائیں تو ضرور اس جہاز کو چیکنگ کے بغیر لے جائیں.... لیکن یہ جان لیں کہ وہ ہمارے ملک کو بہت نقصان پہنچانے والوں میں سے ہیں"۔

"میں کچھ نہیں کہتا... مسافروں کی بات کر رہا ہوں... مسافر ہمیں پریشان کر رہے ہیں"۔

"آپ فکر نہ کریں... ہم مسافروں سے خود بات کر لیں گے"۔

"تب ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے... چاہے جہاز تین گھنٹے لیٹ ہو جائے"۔

"خیر... اتنا لیٹ بھی نہیں ہو گا"۔

اب انسپکٹر جمشید نے اپنی خفیہ فورس کو ہدایات دیں... ایئرپورٹ کے تمام راستوں کی ناکابندی کرا دی گئی... پورے ایئرپورٹ کی ناکہ بندی کر لی گئی... ویسے تو امکان اس بات کا تھا کہ وہ دوسرے جہاز پر سوار ہونے کی حماقت نہیں کر سکتے تھے... فی الحال وہ ایئرپورٹ سے نکل گئے ہوں گے.... انہوں نے سوچا ہو گا کہ پھر کسی وقت نکل جائیں گے... اس وقت ان کی نظروں سے بچ کر سوار ہو جانا مشکل ہے... پھر بھی انہوں نے ہر طرح چیکنگ کی... لیکن نہ تو جہاز میں ان کا کوئی سراغ ملا.... نہ ایئرپورٹ کے ایریے میں... آخر تھک ہار کے انہوں نے جہاز کو جانے دیا.... اس سے پہلے انہوں نے مسافروں کو صورت

حال بتا کر جہاز کو کچھ دیر ٹھہرانے کی اجازت لی تھی... اور تمام مسافروں نے ان کے نام سن کر خوشی سے اجازت دے دی تھی... لیکن جب مجرم نہ پکڑے جا سکے تو ان کے منہ بھی بن گئے تھے... وہ گھر آ گئے... سب چپ چپ تھے... بگران اور شارا کا نکل جانا انھیں بہت ناگوار گزرا تھا۔

"میرا خیال ہے... ابھی وہ ہمارے ملک میں ہی ہیں... غور کرنے کی بات یہ ہے کہ وہ کہاں ہو سکتے ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔

"ہو نہ ہو... یہ بگران کا فون ہے"۔ فرزانہ بول اٹھی۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا... پھر انسپکٹر جمشید نے خفیہ بٹن دبا دیا... اس کے بعد فون آن کیا۔

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں"۔

"کیوں کیسی رہی؟"

"تیرا جھٹکا یاد رہے گا"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہمیں تلاش کرنے کی مہم ختم کر دی... میرا دعویٰ ہے کہ ہم ابھی تک شہر میں ہی ہیں... تو کیوں ہمیں تلاش نہیں کر لیتے... کہو تو یہ بھی بتا دوں... ہم اس وقت کہاں ہیں؟" اس نے شوخ آواز میں کہا۔

"کیا واقعی؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں! ہم اس وقت چوک گھنٹا گھر پر ہیں... ایک گھنٹے تک یہاں ٹھہریں گے... آپ ہمیں گرفتار کر سکتے ہیں تو کر لیں"۔

"اچھی بات ہے... ہم آ رہے ہیں... لیکن وعدہ پورا کرنا... ایک گھنٹے سے پہلے ہرگز یہاں سے نہ جانا"۔

"نہیں جائیں گے... اور اس بات کا ثبوت آپ لوگوں کو دیں گے کہ ہم ایک گھنٹے تک وہاں رہے ہیں"۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات... آؤ بھئی چلیں"۔

وہ تیزی سے باہر آئے... ایک بڑی گاڑی میں بیٹھ کر چوک کی طرف روانہ ہوئے۔

"فرزانہ... رفعت... فرحت... تم تینوں کا امتحان شروع ہو چکا ہے"۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز گونج اٹھی۔

"جی... کیا مطلب... امتحان... اور ہمارا... اور باقی لوگوں کا"۔

"ان کا بھی... لیکن پہلے تمہارا"۔

"لیکن کیسا امتحان؟"

"تم تینوں کو یہ بتانا ہے... کہ وہ دونوں چوک میں کس جگہ موجود ہیں اور کس روپ میں... اصلی مشکل یہ ہے کہ وہ روپ بدلنے کے ماہر ہیں... اس کام میں انھیں ذرا دیر نہیں لگتی"۔

"یہ ٹھیک ہے... لیکن"۔ فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔

"لیکن کیا؟"

"لیکن.... وہ فوری طور پر لباس تبدیل نہیں کر سکتے"۔

"اوہ ہاں! یہ بات بھی ہے"۔

"تب پھر اگر ہم نے ایک بار یہ جان لیا کہ وہ کہاں ہیں.... اس کے بعد اگر انہوں نے اپنی شکل و صورت تبدیل کی.... تو بھی وہ ہماری نظروں سے بچ نہیں سکیں گے.... اس لیے کہ ہم انہیں لباس سے پہچان لیں گے"۔

"یہ تو اس صورت میں ہو گا نا.... جب ہم انہیں ایک بار پہچان لیں اور اگر ایک بار بھی نہ پہچان سکے.... تو؟"

"ہاں! اس صورت میں ہمارے لیے الجھن والی بات ہو گی.... خیر دیکھا جائے گا"۔

آخر وہ چوک گھنٹا گھر پہنچ گئے.... انہوں نے کار میں بیٹھے بیٹھے اس کا چکر لگایا.... بگران اور شارا کہیں بھی نظر نہ آئے۔

"میری ایک تجویز ہے انکل"۔ ایسے میں فرحت کی آواز سنائی دی۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ ہم تینوں کو گھنٹا گھر کے اوپر جانے دیا جائے.... ہم وہاں سے چاروں طرف کا جائزہ لیں گے"۔

"کوئی اعتراض نہیں.... کوئی حرج نہیں"۔

"تب پھر ہمیں اتار دیں اور آپ اپنی کوشش جاری رکھیں"۔

"ٹھیک ہے"۔ وہ بولے۔

خان رحمان نے گاڑی روک لی.... اور پھر وہ دونوں اتر کر گھنٹہ گھر کے مینار کی طرف بڑھ گئیں۔

"لیکن فرزانہ.... ذرا سوچو.... وہ دونوں ہمیں دیکھ رہے ہیں"۔

"ہاں! یہ تو ہے"۔

"تب پھر.... جب وہ ہمیں اوپر جاتے دیکھیں گے تو اس بات کا بندوبست بھی کر لیں گے کہ ہم انہیں نہ دیکھ سکیں"۔

"آؤ.... دیکھا جائے گا"۔ فرزانہ نے کندھے اچکائے۔

تینوں سیڑھیاں چڑھتی رہیں.... کافی اونچا مینار تھا.... پورے شہر سے نظر آتا تھا.... وہ سیڑھیاں چڑھتی تھک گئیں.... آخر وہ بھی اوپر پہنچ گئیں.... مینار کے اوپر آنے پر کوئی پابندی نہیں تھی.... اس جگہ سے پورے شہر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا.... عام طور پر سیاح لوگ تو ضرور اوپر چڑھتے تھے.... اس وقت بھی وہاں چار غیر ملکی موجود تھے.... تین مقامی لوگ بھی موجود تھے.... چار غیر ملکیوں میں دو عورتیں تھیں.... دو مرد۔

انہوں نے ان ساتوں کا بغور جائزہ لیا.... کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ ان میں ہی بگران اور شارا ہوں۔

انہوں نے جو انہیں گھورتے دیکھا تو ناخوشگوار انداز میں ایک غیر ملکی بولا۔

"کیا بات ہے.... آپ ہمیں گھور کیوں رہی ہیں؟" یہ الفاظ اس نے انگریزی میں کہے۔

"وہ.... وہ اصل میں گھورنے کا شوق ہے"۔ فرزانہ مسکرائی۔

"کیا مطلب؟"

"یہ ہمارا مشغلہ ہے"۔

"اوہ اچھا اچھا"۔ وہ حیران ہو کر رہ گیا۔

اب انہوں نے چاروں طرف کا جائزہ لینا شروع کیا.... نیچے انہیں اپنی گاڑی بھی چکر لگاتی نظر آئی.... لیکن یہاں آکر انہوں نے محسوس کیا.... کہ نیچے کا نظارہ صاف نظر نہیں آتا تھا۔ اس لیے کہ اونچائی بہت تھی.... ہاں ان کے پاس دوربین ہوتی تو اور بات تھی.... لیکن وہ دوربین نہیں لائے تھے۔

"میرا خیال ہے.... یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں"۔

"بالکل ٹھیک.... ہمیں نیچے چلنا چاہیے"۔

"آؤ پھر"۔

وہ نیچے آگئیں.... اور پھر جونہی ان کی گاڑی چکر لگاتی ہوئی ان کے پاس پہنچی.... انہوں نے ہاتھ کا اشارہ دے دیا.... خان رحمان نے گاڑی ایک طرف کر کے انہیں بٹھا لیا۔

"کیا ہوا.... بہت جلد واپس آگئیں"۔ انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"اوپر سے صاف طور پر نظر نہیں آرہا.... ہمارے پاس دوربین ہوتی تو ایک بات بھی تھی.... لہٰذا وہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا"۔ فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"اوپر کیا تھا؟" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"اوپر چار غیر ملکی تھے.... تین ملکی.... غیر ملکیوں میں دو عورتیں تھیں"۔

"ان کا جائزہ لیا.... ان میں سے بھی تو دو مجرمان اور شارا ہو سکتے ہیں"۔

"نہیں.... ہم نے انہیں بغور دیکھا تھا.... وہ آپس میں باتوں میں اس قدر مگن تھے کہ جیسے انہیں اس دنیا اور دنیا والوں سے کوئی غرض نہ ہو"۔

"ہوں اچھا خیر.... ہم انہیں تلاش نہیں کر سکتے.... جب کہ وہ یہیں ہیں"۔

"میری ایک تجویز ہے.... ہم الگ الگ ہو کر مختلف جگہوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں.... اور بغور جائزہ لینا شروع کرتے ہیں.... گھومتے ہوئے ہم کسی پر بھی پوری توجہ نہیں دے سکتے"۔ رفعت نے جلدی جلدی کہا۔

"بہت خوب.... چلو ایسا ہی کر لیتے ہیں"۔

انہوں نے گاڑی ایک جگہ پارک کر دی.... اب وہ مختلف جگہوں

پر کھڑے ہو گئے۔

"اللہ کے نام پر"۔ ایسے میں ایک بھکاری انسپکٹر جمشید کے سامنے آ کھڑا ہوا... اس کا ہاتھ پھیلا ہوا تھا۔

انہوں نے ایک نظر اس پر ڈالی... ذہن تو گمران اور شارا میں الجھا ہوا تھا۔ جیب سے ایک نوٹ نکال کر یہ دیکھے بغیر کہ کتنے کا ہے... اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ارے واہ... ایسے شخص آج کل دیکھنے میں نہیں آتے"۔ بھکاری نے چونک کر کہا۔

اب انہوں نے دیکھا... بے خیالی میں انہوں نے سو روپے کا نوٹ دے دیا تھا... وہ مسکرا دیے... اور بھکاری دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتا، دعائیں دیتا آگے بڑھ گیا... وہ نظریں دوڑاتے رہے... لیکن گمران اور شارا دور دور تک نظر نہیں آ رہے تھے۔

"وہ نظر آئیں بھی کیسے... وہ تو میک اپ میں ہوں گے"۔ وہ بڑبڑائے۔

پھر وہ اپنی جگہ سے آگے بڑھے... تاکہ یہ خیال سب کو بتا دیں... تیز تیز چلتے وہ محمود کے نزدیک پہنچے... تو وہی بھکاری انہیں محمود کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا نظر آیا۔

"اسے کچھ نہ دینا محمود... میں دے چکا ہوں"۔ وہ جلدی سے بولے۔

بھکاری نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"حیرت ہے میں نے تو آپ کو بہت سخی خیال کیا تھا"۔ اس نے کہا۔

"لیکن تم خود پر غور کرو... سو روپے کا نوٹ ملنے کے بعد بھی بھیک مانگ رہے ہو... آخر کیوں... کیا تمہاری ضرورت پوری نہیں ہوئی"۔

بھکاری جھلائے ہوئے انداز میں آگے بڑھ گیا۔

"کیا خیال ہے محمود... گمران اور شارا یہاں اپنی اصلی شکل میں ہوں گے"۔

"جی نہیں... یقینی بات ہے وہ میک اپ میں ہوں گے"۔

"لیکن کس کے میک اپ میں؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہ بھلا میں کیسے بتا سکتا ہوں اباجان"۔

"ہاں! یہی بات ہے... اور اسی پر ہمیں غور کرنا ہو گا... کہ آخر وہ کس کے میک اپ میں ہوں گے... میں یہ خیال دوسروں تک پہنچا کر آتا ہوں"۔

"آپ اپنی جگہ پر چلیں... میں یہ کام کر کے آتا ہوں"۔

"خیر... یونہی سہی"۔

وہ واپس مڑ گئے... محمود آگے بڑھ گیا... اس نے دیکھا... اس سے آگے انسپکٹر کامران مرزا کھڑے تھے اور بڑبڑا رہے تھے۔

"کیا ہوا انکل.... یہ اپنے آپ سے کیا باتیں کر رہے ہیں"۔

محمود مسکرایا۔

"یار میں ان بھکاریوں سے تنگ آ گیا ہوں.... ابھی ایک کو دس روپے دے کر فارغ ہوا تھا کہ دوسرا آ گیا"۔ وہ بولے۔

"اور آپ نے اسے بھی دس روپے دے دیے"۔ محمود مسکرایا۔

"ہاں! اب میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں تیسرا بھی نہ آ جائے"۔

محمود ہنس پڑا.... گھنٹا گھر کے ارد گرد دراصل بھکاری کچھ زیادہ ہی رہتے تھے.... یہاں لوگوں کی آمد و رفت بھی بہت تھی نا.... شاید اس لیے.... پھر اس نے پیغام دیا اور آگے بڑھا.... انسپکٹر کامران مرزا نے اس انداز میں سر ہلایا تھا جیسے وہ اس بات کو پہلے ہی سمجھتے ہیں۔

ادھر انسپکٹر جمشید واپس اپنی جگہ پر پہنچے۔

"اللہ کے نام پر"۔

اس بار عورت کی آواز تھی.... انہوں نے برا سا منہ بنایا اور جیب میں ہاتھ ڈالا.... پانچ روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ تو انصاف نہیں مولوی صاحب"۔ عورت بولی۔

"یہ کیا.... تم نے مجھے مولوی صاحب کیوں کہا"۔

"آپ نے داڑھی جو رکھی ہوئی ہے"۔ عورت نے فوراً کہا۔

"حد ہو گئی.... ارے بھئی.... ہر داڑھی رکھنے والا مولوی نہیں ہوتا.... داڑھی تو ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے.... خیر.... یہ تم نے کہا

کیا.... کہ میں نے انصاف نہیں کیا؟"

"ہاں! میں نے یہی کہا ہے.... میرے ساتھی کو تو آپ نے سو روپے دیے ہیں"۔

"اوہ.... تو تم اس کی ساتھی ہو.... لیکن میں نے اسے بے خیالی میں سو روپے دے دیے تھے"۔

"لیکن میرے ساتھ تو پھر بھی ناانصافی ہوئی نا"۔

"نہیں دوں گا سو روپے.... چلو آگے بڑھو"۔ وہ غرائے۔

عورت سہمے ہوئے انداز میں آگے بڑھ گئی.... وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئے.... ایسے میں انہوں نے سوچا.... ان بھکاریوں کا بھی کچھ کرنا ہی چاہیے.... یہ تو تمام دن لوگوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں.... یہ سوچ کر انہوں نے اکرام کو فون کیا۔

"اکرام.... پولیس کی بھاری تعداد ساتھ لے کر گھنٹا گھر کو گھیر لو اور تمام بھکاریوں کو گرفتار کر لو"۔

"جی.... یہ.... کیا"۔ اکرام حیرت زدہ رہ گیا۔

"جو کہا ہے.... وہ کرو.... کوئی بھکاری فرار نہ ہونے پائے"۔

"بہت بہتر سر.... ایسا ہی ہو گا.... لیکن گرفتار کرنے کے بعد ان کا کیا کیا جائے"۔

"جیل والوں کے حوالے کر دینا.... پھر میں وہاں جا کر دیکھوں گا"۔

"لیکن سر... کچھ تو ان میں واقعی ضرورت مند ہوتے ہیں"۔

"اس کا بھی پورا پورا خیال کیا جائے گا... گرفتار کرتے وقت تو ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے نا کہ کون ضرورت مند ہے اور کون فرضی بھکاری ہے"۔

"بہت بہتر"۔

اور پھر وہاں چاروں طرف پولیس ہی پولیس نظر آنے لگی... محمود دوڑ کر ان کے پاس آیا۔

"یہ... پولیس والوں کو آپ نے بلایا ہے"۔

"ہاں!" وہ بولے۔

"لیکن آج آپ نے اپنا یہ اصول کیسے توڑ دیا... آپ کا تو خیال ہے... ایسے موقعوں پر پولیس کی موجودگی سے کام خراب ہو جاتا ہے"۔

"پولیس گبران اور شارا کے لیے نہیں بلوائی گئی"۔

"تب پھر؟"

"بھکاریوں کو گرفتار کریں گے"۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ان بھکاریوں نے شہریوں کا جینا حرام کر رکھا ہے... ہم انہیں جینے کے ڈھنگ سکھائیں گے... بھیک کی لعنت سے انہیں بچائیں گے... انہیں باعزت طریقے سے روزی کمانے کا گر

سکھائیں گے... تم دیکھو گے... یہ لوگ معاشرے کے باعزت افراد بن جائیں گے"۔

اور پھر چوک گھنٹا گھر میں بھگدڑ مچ گئی... بھکاری ادھر ادھر بھاگتے نظر آئے... پولیس والے پوری طرح ناکہ بندی کر چکے تھے... فرار کے تمام راستے بند تھے... ان کا ادھر ادھر بھاگنا بیکار گیا... جس نے جس طرف سے بھاگنے کی کوشش کی... پکڑا گیا... پولیس کی گاڑیاں بھکاریوں سے بھرنے لگیں... اور دیکھتے ہی دیکھتے چوک گھنٹا گھر بھکاریوں سے خالی ہو گیا... لوگوں کے چہروں پر خوشی کے آثار نظر آنے لگے... بہت سے لوگ اکرام کے گرد جمع ہو گئے... ایک سو کے قریب بھکاری پکڑے گئے تھے... جمع کیوں نہ ہوتے۔

"واہ صاحب واہ... یہ کام کیا ہے آپ نے"۔

"یہ میں نے نہیں... میرے آفیسر نے کیا ہے... اور ان کا نام ہے انسپکٹر جمشید... وہ اس طرف کھڑے ہیں"۔ یہ کہ اکرام نے ان کی طرف اشارہ کیا۔

اب لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور لگے تعریف کرنے۔

"یہ کوئی ایسی تعریف کی بات نہیں... میں نے ایک بات کو محسوس کیا... اور اس پر عمل کر ڈالا"۔

"لیکن سر... پھر بھی یہ قابل تعریف کام ہوا ہے"۔ ایک نے کہا۔

"خیر... آپ لوگوں کا شکریہ کہ آپ نے اس کام کو پسند کیا"۔

"لیکن سر... فائدہ کیا ہو گا... چند دن بعد پولیس انھیں چھوڑ دے گی اور یہ پھر ہمیں دندناتے نظر آئیں گے"۔

"اس بار ایسا نہیں ہو گا... ان کے بارے میں بہت مضبوط پروگرام ترتیب دیا جائے گا"۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو"۔

"آپ جلد اخبارات میں پڑھ لیں گے"۔

"اوہ اچھا"۔

کافی دیر کی کوشش کے باوجود نگران اور شارا انھیں نظر نہ آئے... ادھر ان بھکاریوں کی گرفتاری کی وجہ سے لوگ بار بار ان کی طرف آ رہے تھے... ان کی تعریف کر رہے تھے... اور ان کا شکریہ ادا کر رہے تھے... اس صورت حال نے انھیں پریشان کر دیا... آخر انھوں نے واپسی کا فیصلہ کیا۔

سب لوگ گاڑی میں بیٹھ کر گھر آ گئے۔

"افسوس ہم کچھ نہ کر سکے... نگران اور شارا کو تلاش نہ کر سکے"۔ محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"کوئی بات نہیں... اس کا فون آنے دو... پھر کوشش شروع کر دیں گے"۔ پروفیسر بولے۔

"ہاں بالکل"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"وہ نگران اور شارا کا انتظار کرتے رہے... لیکن فون نہ آنا تھا نہ آیا... تنگ آ کر وہ بھکاریوں کی خبر لینے جیل پہنچ گئے... جیل سپرنٹنڈنٹ ادھر بہت پریشان تھا... انھیں دیکھ کر فوراً ان کی طرف چلے۔

"یہ آپ نے کیا کیا... میں انھیں کہاں رکھوں گا... اور ان کے راشن کا انتظام کہاں سے کروں گا؟"

"راشن کی منظوری میں کرا دوں گا... ان کے لیے اگر جگہ نہیں ہے تو ایک بارک تعمیر کرا دوں گا... فی الحال کہیں نہ کہیں سیٹ کر لیں"۔

"آخر آپ کا پروگرام کیا ہے؟"

"ہم انھیں ہاتھ سے روزی کمانا سکھائیں گے... یہ کما کر کھائیں گے... معاشرے کے باعزت افراد بنیں گے... اب لوگ انھیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں... پھر عزت کی نگاہ سے دیکھیں گے"۔

"آپ جانیں... مجھے تو آپ جو کہیں گے، کروں گا"۔

جیلر نے نہایت خلوص سے کہا اور کندھے اچکا دیے۔

"فی الحال تو ان سب کو ایک گراؤنڈ میں لے آئیں... میں ان کے سامنے ایک تقریر کروں گا"۔

"اچھی بات ہے"۔

پھر وہ جونہی بھکاریوں کے سامنے پہنچے۔

وہ ایک دم سے چونک پڑے۔

ان کی آنکھوں میں بلا کی حیرت دوڑ گئی۔

انسپکٹر جمشید کی حالت میں یہ اچانک تبدیلی ان کے ساتھیوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

اور پھر وہ بھی حیران نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگے۔

○○

الو کہیں کا

"یہ... یہ... یہ کیا؟" انسپکٹر جمشید نے بوکھلا کر کہا۔

"ک... کیا ہوا جناب"۔ جیلر نے منہ بنایا... شاید یہ سارا پروگرام ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"پہلے تو یہ دیکھیں کہ ہم نے یہاں کتنے بھکاری بھیجے تھے"۔

"انہیں گن لیا تھا... کل نوے تھے"۔

"بہت خوب! پہلے ان کی گنتی ہو جائے"۔

"پورے ہیں جناب... یہ بھلا کیوں کم یا زیادہ ہونے لگے... آپ کے ماتحتوں نے گاڑیوں میں سے اتار کر جتنے ہمارے حوالے کیے... یہ اتنے ہی ہیں"۔

"میں نے درخواست کی ہے... انہیں گنوایا جائے"۔ انہوں نے بھی منہ بنایا۔

"گنو بھئی" جیلر نے ایک ماتحت سے کہا۔

"اے... چلو... ایک لائن میں کھڑے ہو جاؤ"۔ جیل کے ایک نمبردار نے سخت لہجے میں کہا۔

بھکاری خوف زدہ سے ایک قطار میں کھڑے ہو گئے... نمبردار جلدی جلدی انہیں گننے لگا... وہ گنتا چلا گیا... یہاں تک کہ اس نے کہا۔

"ستاسی... اٹھاسی... اٹھاسی... اٹھاسی"۔

پھر وہ چونک کر ان کی طرف مڑا۔

"اٹھاسی ہیں جناب"۔

"دماغ خراب ہے تمہارا؟" جیلر غرائے۔

"ج... جی... ہاں... یقیناً"۔ اس نے بوکھلا کر کہا۔

"کیا مطلب... کیا یقیناً؟"

"یہ کہ یقیناً میرا دماغ خراب ہے... آپ فرمائیں اور میرا دماغ خراب نہ ہو... ہو ہی نہیں سکتا"۔

"بکو مت... پھر سے گنو... تمہیں گنتا بھی نہیں آتا"۔

"او کے سر... ابھی گنتا ہوں"۔

"خوب یاد رکھو... نوے بھکاری ہیں نوے"۔

"جی ہیں... میں ابھی گنتا ہوں"۔

اس نے پھر گنتی شروع کی... یہاں تک کہ اس نے کہا۔

"ستاسی' اٹھاسی' اٹھانوے... نوے"۔

"ارے... ارے یہ کیا کر رہے ہیں... اٹھاسی کے بعد آپ کے سامنے کوئی بھکاری نہیں بچا تو پھر آپ نے اٹھانوے اور نوے کیوں

کہا؟" فاروق چلایا۔

"آپ نے سنا نہیں... جیلر صاحب نے کیا فرمایا تھا... یہ نوے ہیں... لہٰذا میں نے نوے پورے کر دیے... آپ کو شاید معلوم نہیں... یہاں تو وہی ہوتا ہے... جو جیلر صاحب کہتے ہیں... یا چاہتے ہیں... اگر یہ کہیں... اس وقت دن نہیں ہے... رات ہے تو ہم سب سو فیصد یقین سے کہ دیں گے... کہ اس وقت رات ہے"۔

"دھوپ کے ہوتے ہوئے بھی؟" انسپکٹر کامران مرزا ہنسے۔

"ہاں! دھوپ کے ہوتے ہوئے بھی"۔

"تم ادھر ادھر کی بکواس کرنے سے باز نہیں آؤ گے... یہ بھکاری نوے تھے... اس لیے میں نے کہا تھا... یہ نوے ہیں... اب تم ہٹ جاؤ... میں گن کر دکھاتا ہوں... الو کہیں کے"۔ وہ گرجے۔

"ج... جی بہتر"۔ نمبردار نے کہا اور کانپتا ہوا ایک طرف ہو گیا۔

"کون ہو تم... بھلا؟" جیلر اس کی طرف مڑے۔

"الو کہیں کا"۔ اس نے فوراً کہا۔

"بالکل ٹھیک... اب دیکھو الو کہیں کے... میں گن کر دکھاتا ہوں"۔

انہوں نے گنتا شروع کیا... اور اٹھاسی پر ان کی گاڑی بھی رک گئی... اب تو ان کی آنکھوں میں بھی خوف پھیل گیا۔

"اب آپ کیا کہتے ہیں.... وہ بھکاری کہاں گئے؟" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"مم.... میں.... میں کچھ نہیں جانتا.... خدا کی قسم"۔

"اچھا.... قسم نہ کھائیں .... اور اپنے ملازمین کو چیک کریں.... جلدی.... جیل میں کہیں نہ کہیں آپ کے دو ملازم بے ہوش پڑے ہوں گے.... اور ان کے جسموں پر ان کے کپڑے نہیں ہوں گے.... البتہ ان کے کپڑوں کی جگہ دو سوٹ بھکاریوں کے پڑے ہوں گے"۔

"کک.... کیا مطلب؟"

"آپ اپنے کیا مطلب کو رہنے دیں.... صرف وہ کریں.... جو میں نے کہا ہے"۔

جیلر فوراً اس کام میں جت گیا.... پوری جیل میں ال چل مچ گئی.... آخر انسپکٹر جمشید کی بات درست ثابت ہو گئی.... جیل کے دو ملازم بے ہوش پڑے پائے گئے.... ان کے کپڑے بھی غائب تھے.... دو بھکاریوں کے کپڑے ضرور ان کے پاس پڑے ملے۔

"یہ.... یہ کیا چکر ہے جناب.... ویسے میں آپ سے معافی چاہتا ہوں"۔

"جیل سے دو اہم ترین مجرم فرار ہوئے ہیں جناب.... ویسے یہ ہمیں بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ان بھکاریوں میں شامل ہیں.... ورنہ ہم.... انہیں اسی وقت قابو میں کر لیتے"۔

"مجھے افسوس ہے.... لیکن یہ ہو کیسے گیا.... گیٹ پر موجود پہرے دار ہر ایک کو شکل و صورت سے دیکھ کر باہر جانے دیتے ہیں"۔

"یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی.... صرف اتنا جان لیں کہ وہ دونوں میک اپ کے اس قدر ماہر ہیں کہ آپ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے"۔

"کیا میں ان کے نام جان سکتا ہوں؟"

"ہاں! کیوں نہیں.... وہ بگران اور شارا تھے"۔

"کیا!!!" جیلر زور سے اچھلے' اس لیے کہ اخبارات میں بہت کچھ شائع ہو چکا تھا.... ان کے بارے میں۔

"اب تو ہم ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے شاید"۔ انسپکٹر کامران مرزا بڑبڑائے۔

"ہاں! اب ناکہ بندی کی کوشش فضول ہو گی.... ویسے ایئرپورٹ سے معلومات لینے میں کوئی حرج نہیں ہے.... اگر اس دوران کوئی جہاز روانہ ہو چکا ہے.... تب کچھ نہیں ہو سکتا"۔

"لیکن کیوں نہیں ہو سکتا ابا جان.... جہاز کو راستے میں کہیں اتروایا جا سکتا ہے"۔ فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں بھئی.... اس طرح جہاز کے مسافر مصیبت میں پھنس سکتے ہیں"۔

"اوہ ہاں.... یہ بھی ہے"۔

"لہٰذا ہمیں نیری کرنا ہو گا"۔

"وہ تو ہم پہلے بھی کرتے رہتے ہیں۔۔۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہ سکتا ہوں انکل کہ صبر کا اور ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہے"۔ محمود بول اٹھا۔

"اور ہمیں افسوس ہے۔۔۔ شوکی برادرز۔۔۔ آپ لوگوں کو ادھر بلایا گیا۔۔۔ زحمت دی گئی"۔ اس طرح انسپکٹر کامران مرزا آپ لوگوں سے بھی معذرت"۔

"معذرت کی تو اس میں کوئی ضرورت نہیں"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

"تو پھر کیوں نہ ہم گھر چل کر کھانا کھا لیں۔۔۔ اس طرح میں اپنی بیگم کی ناراضی سے بچ جاؤں گا"۔ انہوں نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"او کے"۔ سب نے ایک ساتھ کہا۔

سب کے سب گھر پہنچے۔۔۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ساتھ میں بیگم جمشید بول اٹھیں۔

"تیسری بار فون آیا ہے اس کم بخت کا"۔

"کس کم بخت کا"۔

"کوئی بھکاری ہے"۔

"ارے باپ رے"۔ وہ بوکھلا اٹھے۔

"ابا میں۔۔۔ یہ آپ بھکاریوں سے کب سے خوف کھانے لگے"۔

انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"آج سے ہی"۔ وہ فوراً بولے اور فون آن کر دیا۔

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں"۔

"اور میں ہوں وہ بھکاری۔۔۔ جس نے آپ سے چوک گھنٹا گھر پر ایک سو روپے بھیک لی تھی"۔

"یہ بات تو جیل جانے پر میں سمجھ گیا تھا"۔

"پھر۔۔۔ ہماری گرفتاری کے لیے دوڑ کیوں نہیں لگائی"۔

"ہم جہاز کے مسافروں کو مصیبت میں نہیں ڈال سکتے"۔ وہ بولے۔

"غلط سوچا۔۔۔ ہم ابھی یہیں ہیں۔۔۔ بلکہ آپ کے گھر کے آس پاس اور نزدیک کی بات بتا دوں۔۔۔ ہم اس وقت ساربان ریسٹورنٹ میں ہیں"۔

"کیا۔۔۔ نہیں!!!" وہ چلا گئے۔

"اگر ہماری گرفتاری کا شوق باقی ہے۔۔۔ تو یہاں آ کر ایک کوشش اور کر لیں۔۔۔ لیکن ایک بات یاد رکھیں"۔ بگران کی آواز میں گہرا طنز تھا۔

"اور وہ کیا؟"

"جب ہمیں عدالت میں پیش کریں گے۔۔۔ تو یہ کیسے ثابت کریں گے کہ ہم بگران اور شارا ہیں۔۔۔ جب کہ عین اس وقت ہماری

شکلیں تبدیل ہو جائیں گی۔۔۔ جب آپ ہمیں عدالت کے اندر لے جا رہے ہوں گے"۔

"جی نہیں"۔ انہوں نے گھبرا کر کہا۔

"لیکن اس کے باوجود۔۔۔ آپ گرفتاری کا شوق ضرور پورا کریں"۔

"ہاں! ہم مجبور ہیں۔۔۔ یہ تو کرنا ہو گا۔۔۔ آؤ بھئی چلیں۔۔۔ ہمیں افسوس ہے۔۔۔ بیگم ہم ایک بار پھر کھانا نہیں کھا سکے"۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ اس میں آپ کا بھی کیا قصور؟" وہ مسکرائیں۔

اور پھر وہ ساربان ریسٹورنٹ میں آ گئے۔۔۔ یہ ان کے گھر کے بالکل نزدیک تھا اور اس کا سارا عملہ ان سے بخوبی واقف تھا۔۔۔ وہ سب تین میزیں گھیر کر بیٹھ گئے۔

"ہمیں صرف خاموشی سے جائزہ لینا ہے۔۔۔ اگر کسی پر شک گزر جائے کہ وہ نگران اور شارا ہے تو پہلے باقیوں کو بتا دیا جائے"۔

"بہت بہتر ابا جان۔۔۔ آپ فکر نہ کریں"۔

"ویسے ان کی کسی خاص عادت کو ذہن میں لے آؤ۔۔۔ اس طرح ہم آسانی سے انہیں دیکھ سکیں گے"۔

"خاص عادت"۔ وہ بولے۔

"ہاں! بھلا نگران کی خاص عادت کیا ہے؟" وہ مسکرائے۔

"نگران کی خاص عادت"۔ وہ الجھن کے عالم میں بولے۔

"نہیں نوٹ کی آج تک۔۔۔ اور شارا کی؟" انہوں نے کہا۔

"نہیں نوٹ کر سکے"۔ محمود نے کہا۔

"لیکن میں نے اور انسپکٹر کامران مرزا نے ضرور نوٹ کی ہے"۔

"اوہ۔۔۔ تب تو آپ ہمیں بھی بتا دیں"۔

"بات کرتے وقت نگران دائیں کندھے کو ہلکی سی حرکت ضرور دیتا ہے۔۔۔ اور شارا اپنے بالوں کو بار بار جھٹکا ضرور دیتی ہے"۔

"ایسا تو اکثر عورتیں کرتی ہیں"۔

"نہیں۔۔۔ شارا صرف جملہ پورا ہونے پر ایسا کرتی ہے"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ اب ان دونوں باتوں کو ذہن میں رکھ کر ہم انہیں تلاش کریں گے"۔ محمود نے چونک کر کہا۔

"بالکل ٹھیک"۔ وہ بولے۔

انہوں نے سب لوگوں کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔۔۔ ایک میز پر انہیں ایک غیر ملکی مرد اور ایک عورت بیٹھے نظر آئے۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے ان پر نظریں جما دیں۔

"سنو بھئی۔۔۔ یوں کام نہیں چلے گا"۔ ساتھ ہی وہ بولے۔

"تب پھر؟"

"تب پھر یہ کہ اس وقت ہال میں جتنے بھی ایک ایک مرد اور عورت بیٹھے ہیں۔۔۔ انہیں آپس میں تقسیم کر لیں۔۔۔ مثلاً" اس غیر ملکی

مرد عورت پر میں نظر رکھوں گا۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا دائیں طرف بیٹھے ہوئے جوڑے پر۔۔۔ اسی طرح آپس میں طے کر لو۔۔۔ تاکہ ایک وقت میں ہم سب پر نظر رکھ سکیں"۔

"لیکن ابا جان! یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ساتھ بیٹھنے کی بجائے الگ الگ بیٹھے ہوں"۔

"الگ الگ پر بھی نظر ڈالتے رہیں گے۔۔۔ لیکن خصوصیت سے جوڑوں پر نظر رکھیں گے"۔

وہ بغور جائزہ لیتے رہے۔۔۔ آخر انسپکٹر کامران مرزا نے پروفیسر داؤد کے کان میں کہا۔

"آپ کے پاس اس وقت کون سا ہتھیار ہے"۔

"شعاعی پستول"۔

"وہ تو ان پر اثر نہیں کرتا"۔

"ایک عدد بلو پائپ بھی ہے"۔

"بہت خوب! بن گیا کام۔۔۔ کیا اس میں زہریلی سوئیاں ہیں"۔

"اگر نہ ہوں تو پھر اس کا کیا فائدہ۔۔۔ پستول کی طرح وہ بھی میں ہر وقت لوڈ رکھتا ہوں"۔

"ہوں۔۔۔ مزا آ گیا۔۔۔ وہ آپ مجھے دے دیں"۔

"تت۔۔۔ تو کیا۔۔۔ کامران مرزا تم نے ان دونوں کو دیکھ لیا ہے"۔

"جی ہاں! لیکن ہم ان دونوں کو زندہ گرفتار کریں گے۔۔۔ بلو پائپ کی سوئیوں پر کون سا زہر ہے؟"

"میرے پاس اس وقت دو پائپ ہیں۔۔۔ ایک صرف بے ہوش کرنے والا۔۔۔ دوسرا موت کے گھاٹ اتارنے والا"۔

"تب پھر مجھے صرف بے ہوش کرنے والا غیر محسوس طریقے پر دے دیں۔۔۔ یعنی آپ ہاتھ سے پائپ نکال کر میز پر رکھ لیں۔۔۔ میں اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لوں گا۔۔۔ کسی کو شک نہیں گزرے گا"۔

"بہت خوب"۔ وہ بولے۔

"بہت احتیاط کی ضرورت ہے کامران مرزا۔۔۔ مجھے بتا دیں۔۔۔ میں بھی آپ کا ساتھ دوں گا"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب؟"

"وہ ہیں کون سے؟"

"غیر ملکی جوڑے کے بالکل پیچھے والی میز پر بیٹھے ہیں"۔

"اوہ!" وہ بولے۔۔۔ پھر انہوں نے اس جوڑے کی طرف دیکھا۔۔۔ اور پائپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔

OO

مکمل شکست

انسپکٹر کامران مرزا ایک ایک قدم اٹھاتے پر سکون انداز میں آگے بڑھ رہے تھے لیکن ان کا رخ غیر ملکی جوڑے کی طرف تھا... ان کے پیچھے والی میز پر بیٹھے جوڑے کی طرف تو انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

"یہ... یہ کیا... یہ تو اس غیر ملکی جوڑے کی طرف قدم اٹھا رہے ہیں" آفتاب نے پریشان ہو کر کہا۔

"کوئی بات نہیں... تیل دیکھو... تیل کی دھار دیکھو"۔ آصف مسکرایا۔

آفتاب اسے گھور کر رہ گیا... ادھر انسپکٹر کامران مرزا غیر ملکی جوڑے کے نزدیک پہنچ کر رک گئے۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں سر"۔ وہ نرم گرم آواز میں بولے۔

"نک... کیوں... کیوں جناب... کیا ہال میں کوئی میز خالی نہیں ہے... مجھے تو کئی میزیں خالی نظر آ رہی ہیں"۔ مرد نے گڑبڑا کر کہا۔

"جی ہاں! یہ تو ہے... لیکن مجھے آپ سے چند باتیں کرنا ہیں"۔

"ہم لوگ اجنبیوں سے ملنا پسند نہیں کرتے... آج کل بہت چکر چل رہے ہیں"۔

"اوہ... خیر... آپ کی مرضی"۔

یہ کہتے ہوئے وہ مڑے اور مڑتے مڑتے انہوں نے پائپ میں پھونک دے ماری... صرف ایک نہیں... دو پھونکیں... دو سوئیاں آگے پیچھے تیر کی طرح دوسرے جوڑے کی طرف گئیں... دوسرے ہی لمحے وہ تڑپے گرے اور ساکت ہو گئے۔

"بہت خوب انسپکٹر کامران مرزا... مزا آ گیا"۔ انسپکٹر جمشید پکارے۔

اب وہ سب بے ہوش جوڑے کے گرد جمع ہو گئے... ادھر ریسٹورینٹ کا مالک ہانپتا کانپتا دوڑتا وہاں پہنچ گیا۔

"یہ... یہ کیا ہوا جناب"۔

"آپ کے دو گاہک بے ہوش ہو گئے... انہیں علاج کی فوری ضرورت ہے... لہٰذا انہیں ہم ہسپتال لے جا رہے ہیں"۔

"آپ... یعنی کہ آپ لے جائیں گے"۔ اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں ہم لے جائیں گے"۔

"جیسے آپ کی مرضی... مجھ سے کسی نے ان کے بارے میں پوچھا تو میں آپ کا نام بتا دوں گا"۔ اس نے جلدی سے کہا۔

"بالکل ٹھیک... اس پر کوئی اعتراض نہیں"۔

اپنی گاڑی میں ان دونوں کو لاد کر وہ وہاں سے روانہ ہو گئے... اور سیدھے ایک خفیہ ٹھکانے تک لے آئے... اب انسپکٹر جمشید نے ڈاکٹر فاضل کو فون کیا... ساتھ میں انہوں نے اپنی نظریں ان دونوں پر بھی جمائے رکھی تھیں... کیونکہ ان کے ہوش میں آنے کی صورت میں ان کے لیے بہت مشکل ہو جاتی"۔

فون کرنے کے بعد انہوں نے اپنی خفیہ فورس کو خاص ہدایات دیں... وہ فوراً چاروں طرف پھیل گئی اور ان میں سے دس اندر ان کے پاس رہ گئے... ان دس کو بھی خاص ہدایات دی گئیں... وہ پوری طرح چوکس ہو گئے... ہر طرح کے اسلحے سے لیس ہو گئے... اور ضرورت پڑنے پر وہ ان دونوں سے پوری طرح ٹکرا سکتے تھے... جب کہ خود وہ لوگ بھی پوری طرح چوکس تھے۔

"پروفیسر صاحب... آپ کے خیال میں ان سوئیوں کے لگنے کے بعد کتنی دیر تک بے ہوش رہیں گے"۔

"کم از کم تین گھنٹے' اس سے پہلے تو خیر یہ ہوش میں آئیں گے ہی نہیں"۔

"اوہ اچھا... ابھی کافی وقت ہے"۔

"ہاں! کیوں نہیں"۔ وہ بولے۔

آخر ڈاکٹر صاحب وہاں پہنچ گئے۔

"ڈاکٹر صاحب... ان دونوں کو فالج کا ٹیکہ لگا دیں"۔

"آپ کا مطلب ہے... انہیں فالج ہے"۔

"نہیں... میں چاہتا ہوں... انہیں فالج ہو جائے"۔

"آپ... آپ ایسا کام مجھ سے کیوں لینا چاہتے ہیں"۔

"مجبوری ہے... یہ بگران اور شارا ہیں... فرار ہونے کے ماہر ہیں... بہت مشکل سے انہیں تلاش کیا گیا ہے... لیکن اگر آپ نے انہیں ٹانگیں شل کر دینے والا انجکشن نہ لگایا تو یقیناً یہ فرار ہو جائیں گے"۔

"آپ کہتے ہیں تو لگا دیتا ہوں... لیکن ڈاکٹروں کا کام یہ نہیں ہے"۔

"یہ ہمارے ملک کے بدترین دشمن ہیں"۔

"اسی لیے لگانے کی حامی بھری ہے... ورنہ میں آپ کی یہ بات ہرگز نہ مانتا"۔

"خیر یونہی سہی"۔

آخر انہوں نے ایک ایک ٹیکا دونوں کو لگا دیا۔

"آپ کے خیال میں اس ٹیکے کا وقت کب تک رہے گا"۔

"تین دن تک"۔

"یہ تو بہت کم مدت ہے... کیا اس سے زیادہ مدت کا ٹیکہ نہیں لگایا جا سکتا"۔

"نہیں.... اس طرح موت واقع ہونے کا ڈر ہے"۔

"تب پھر آپ کو ہر تین دن بعد یہاں آنا پڑے گا.... جب تک ہم ان سے معاملات طے نہیں کر لیتے"۔

"کیا مطلب کیسے معاملات؟"

"ہم انشارجہ اور بیگال سے اپنے بہت سے قیدی چھڑائیں گے"۔

"اوہ! تب تو یہ کام بہت ضروری ہے.... وہ خوش ہو گئے"۔

"چلئے.... آپ کی ذہنی الجھن تو رفع ہو گئی"۔

"ہاں! یہ تو ہے"۔

ڈاکٹر صاحب اپنا کام کر کے چلے گئے.... اس کے دو گھنٹے بعد وہ ہوش میں آئے.... دونوں نے آنکھیں کھولیں اور انہیں اپنے ارد گرد دیکھ کر وہ چونک اٹھے۔

"یہ.... یہ کیا.... آپ کون لوگ ہیں.... اور ہم کہاں ہیں.... ہم تو ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے"۔

"ہاں.... لیکن اب آپ یہاں ہیں"۔

"کیوں.... آخر کیوں.... آپ لوگ کون ہیں"۔

"مسٹر بگران.... انجان بننے کی ضرورت نہیں.... ہم نے آپ دونوں کو پہچان لیا تھا"۔

"کون بگران.... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں"۔

"اب بننے کی ضرورت نہیں.... اس طرح ہم آپ کو رہا نہیں کر دیں گے"۔

"ارے.... ارے.... حد ہو گئی.... آپ لوگ کسی اور کے دھوکے میں دو بے ضرر انسانوں کو پکڑ لائے ہیں"۔

"جی نہیں.... یہ آپ ہی ہیں.... بگران اور شارا"۔ انسپکٹر جمشید نے آنکھیں نکالیں۔

"آخر کیسے.... اس یقین کی وجہ"۔ ایک نے چلا کر کہا۔

"بے ہوشی میں آپ کئی بار بڑبڑائے ہیں.... اس وقت آپ کے منہ سے صرف شارا شارا نکلا تھا"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"نن نہیں.... نہیں"۔ وہ چلا اٹھا۔

"کیوں! اب کیا ہوا؟"

"شارا.... ہم تو واقعی پکڑے گئے"۔ وہ اس کی طرف مڑا۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے.... کہ آپ بے ہوشی کی حالت میں بڑبڑائے ہوں اور آپ کے منہ سے شارا نکل گیا ہو"۔ شارا نے جھلا کر کہا۔

"اوہ.... تو یہ ان کی چال تھی.... افسوس شارا مجھ سے غلطی ہو گئی.... میں نے جلدی ہی خود کو بگران مان لیا.... لیکن خیر.... یہ ہمیں کب تک قید میں رکھ سکیں گے"۔

"جب تک ہم چاہیں گے.... آپ اگر رہائی چاہتے ہیں تو انشارجہ

سے رابطہ کریں.... یہ رہا فون... لیکن اس فون کا نمبر آپ کسی کو نہیں بتا سکیں گے... اس لیے کہ اس فون کا نمبر سوائے میرے کسی کو معلوم نہیں"۔

"ہمیں فرار ہونے سے نہیں روکا جا سکے گا"۔

گبران نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"آپ خوش فہمی میں مبتلا ہیں... اپنی ٹانگوں کو حرکت دے کر دیکھیں"۔

انسپکٹر جمشید نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

"کیوں... ٹانگوں کو کیا ہوا؟"

گبران اور شارا دونوں نے گھبرا کر ایک ساتھ پوچھا۔

"میں نے کہا ہے... ہلا جلا کر دکھائیں"۔

"اچھا"۔ دونوں ایک ساتھ بولے۔

دونوں نے ٹانگیں ہلانے کی کوشش کی.... لیکن ہلا نہ سکے۔

اب تو دونوں کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور دھک سے رہ گئے۔

"جب تک ہم نہیں چاہیں گے... آپ کی ٹانگیں حرکت نہیں کریں گی... لہٰذا آپ کو فون کرنا ہی پڑے گا.... اب نہیں تو چند دن بعد سہی... چند دن بعد نہ سہی تو چند ماہ بعد سہی"۔ انسپکٹر جمشید پرسکون آواز میں بولے۔

"نہیں نہیں نہیں"۔

وہ چلائے۔

ان کی آنکھوں سے مایوسی جھلکنے لگی۔

گبران اور شارا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا... اور ٹھنڈا سانس لیا۔

پھر گبران کا ہاتھ فون کی طرف بڑھ گیا۔

اب وہ انشارجہ فون کر رہا تھا۔

ان کی ترکیب کارگر رہی تھی اور اس بار انہوں نے ان دونوں کو مکمل شکست دے دی تھی۔

OO